انسائیکلوپیڈیا تاریخِ عالم
www.KitaboSunnat.com
تالیف: ولیم ایل لینگر
ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر
HOLLANDI
F

انسائیکلوپیڈیا تاریخِ عالم

(جلد دوم)

تالیف

ولیم ایل لینگر

ترجمہ

مولانا غلام رسول مہر

ناشر : سید وقار معین

0300-8408750

0321-8408750

042-35189691-92

سال اشاعت: جون 2010ء

طابع : گنج شکر پریس، لاہور

قیمت (جلد دوم) : -/595 روپے

قیمت (مکمل سیٹ) : -/1845 روپے

فہرست

مصر

جغرافیہ:

مصر وادی نیل کے اس حصے پر مشتمل ہے جو ڈیلٹا سے اسوان تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم مصری زبان میں اس علاقے کو کیمٹ (Kemet) کہتے تھے، جس کے معنی ہیں "سیاہی مائل زمین"۔ وادی کی پوری لمبائی ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ جنوب میں اس کی چوڑائی کا اوسط بارہ میل کے قریب سمجھنا چاہیے اور اس میں کل تیرہ ہزار مربع میل رقبہ قابل کاشت ہے۔

ابتدائی حصے:

ابتدا میں وادی کے دو حصے تھے: ایک ڈیلٹا یعنی مصر زیریں، دوسرا اصل وادی یعنی مصر بالا یا مصر صعید۔ [1] منس کے زمانے سے پہلے دونوں حصوں میں دو جداگانہ سلطنتیں قائم تھیں۔ پورا ملک بیالیس صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ بیس صوبے مصر زیریں کے تھے اور بائیس مصر بالا کے۔ [2] ھیروڈوٹس نے اسے "عطیۂ نیل" قرار دیا ہے اور یہ بالکل درست ہے اس لیے کہ جون سے اکتوبر تک دریا میں طغیانی آتی تھی، جس کی وجہ سے آس پاس کی زمین پر مٹی کی ایک تہہ جم جاتی تھی۔ اسی مٹی اور سیرابی پر وادی کی زرخیزی موقوف تھی۔ ان گنت صدیوں میں سیاہ زرخیز مٹی کی تیس چالیس فٹ اونچی تہہ بچھ گئی، لیکن زمینوں کی مستقل آبیاری کے لیے جابجا ایسے انتظامات کرنے پڑے جو بڑی محنت و مشقت کے طلب گار تھے۔

آبادی:

آبادی کے متعلق مختلف مورخوں کے اندازے مختلف ہیں۔ ڈیوڈورس [3] کہتا ہے کہ کل آبادی ستر لاکھ تھی۔ [1] جوزیفس کا بیان ہے کہ پچھتر لاکھ سے کم نہ تھی۔ نسلی لحاظ سے اس آبادی میں مختلف گروہوں کا امتزاج ہوا۔ اتنا زمانہ گزر جانے کے باوجود لوگوں کے چہرے مہرے اور خط و خال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ قدیم مصری زبان، سامی اور بربر زبانوں سے ملتی جلتی تھی۔ اس میں ایک حد تک گلہ (Galla) اور صومالی بولیوں کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے۔

تہذیب:

مصر قدیم کے اقتصادی مجلسی اور سیاسی ادارے بادشاہی خاندانوں کے ظہور سے پیشتر قائم ہو چکے تھے۔ زراعت پوری اقتصادی زندگی کی بنیاد بنی رہی۔ شمسی سال تین سو پینسٹھ دن کا مقرر کیا گیا تھا۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ یہ 4241ق م میں جاری ہوا، لیکن اس کے اجرا کی اغلب تاریخ 2781ق م ہے۔ تحریر کا کام تصویروں سے لیا جاتا تھا، پھر کچھ نشانات مقرر ہو گئے۔ ابجد کا سلسلہ چوتھے شاہی خاندان سے پیشتر جاری ہو چکا تھا، لیکن یہ سب طریقے رومیوں کے زمانے تک قائم رہے۔ ہیروغلافی اور شکستہ خط کا دستور ابتدائی زمانے سے چلا آتا تھا۔ بادشاہی قدیم کے دور میں فرعون کو خدا مانا جاتا تھا، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ فرعون پراو (Per-o) (خانوادہ اعظم) سے مرکب ہے۔ اسے پورے اختیارات حاصل تھے اور وہ ایک منظم دفتری نظام کے ذریعے حکومت کا کاروبار چلاتا تھا۔ معماروں نے بڑے بڑے اہرام، شاندار ستونوں والے محل اور مندر تعمیر کیے۔ سنگ تراشوں اور مصوروں نے دیوتاؤں، انسانوں اور جانوروں کی ایسی شبیہیں تیار کیں، جو حقیقت پر مبنی تھیں اور ان میں خالص دلکشی پائی جاتی تھی۔ ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ عملی ضروریات کی غرض سے فنی طریقے بھی اختیار کر لیے گئے۔ دستکاریاں درجۂ کمال پر پہنچ گئیں۔ بادشاہی قدیم میں جس ثقافت کا ظہور ہوا تھا وہ بعد کے ہر دور کا نصب العین بنی رہی۔

مذہب:

ابتدائی زمانے میں ہر شہر کا اپنا دیوتا تھا اور ان میں سے اکثر کی شکلیں مختلف جانوروں کی تھیں۔ تاہ (Ptah) کی پوجا ممفس میں ہوتی تھی، اتوم (Atum) کی ہیلیو پولس میں۔ ان دونوں کی شکلیں سانڈوں کی سی تھیں۔ ہورس (Horus) کو ادفو میں پوجا جاتا تھا۔ آمون (Amon) کو تھیبز میں اور اوسیرس (Osiris) کو بوسیرس میں۔ آمون کی شکل مینڈے کی تھی اور بعض دیوتاؤں کی شکل بلی یا گیدڑ کی۔ ایک دیوتا کے لیے لق لق جیسے پرندے کی شکل تجویز کی گئی تھی۔ ہورس مصر زیریں کے بادشاہوں کا خاص دیوتا تھا اور ست (Set) مصر بالا کے بادشاہوں کا۔ بعد میں ہورس ہی دونوں بادشاہوں کا شاہی دیوتا بن گیا اور اس کی شکل عقاب کی تھی۔ پہلے اسے آسمان کا دیوتا مانا جاتا تھا، پھر اسے سورج دیوتا کہنے لگے۔ مصر میں آفتاب پرستی کا آغاز ھیلیو پولس سے ہوا۔ ھیلیو پولس کے لفظی معنی بھی شہر شمس یا شہر آفتاب کے ہیں۔ اسی مقام کے مذہبی پیشواؤں نے مصر میں پہلا مذہبی نظام تیار کیا اور رع (Re) کی پرستش کو سرکاری مذہب بنا دیا۔ پتھر کی مخروطی لاٹھ رع کا خاص نشان تھی۔ اہرام میں جو تحریریں ملی ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ متوفی

بادشاہ رع کی کشتی میں بیٹھ کر آسمان پر سے گزر رہا ہے۔ایک بیان مظہر ہے کہ اوسیرس اور ست بھائی تھے۔ست نے اوسیرس کو مار دیا۔اوسیرس کے بیٹے حورس نے یا بعض روایتوں کے مطابق اس کی بیوی آئس (Isis) نے اسے ازسرنو زندہ کر دیا۔چنانچہ وہ زمین کے نیچے کی دنیا کا بادشاہ بن گیا اور مرنے والوں کے اعمال اسی کے سامنے پیش ہوتے تھے۔

مرنے والوں کی نعشوں کو خاص مسالے لگا کر اہرام میں دفن کیا جاتا تھا اور ان کے مقبروں میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ زندگی کے تمام ضروری سامان رکھ دیے جاتے تھے۔

بادشاہیوں کی تفصیل:

مصر کے ایک مذہبی پیشوا نے 280 ق م میں اپنے ملک کی تاریخ یونانی زبان میں لکھی تھی۔اس پیشوا کا نام مینیتھو (Manetho) تھا۔اس تاریخ کے مختلف اجزء مورخوں نے محفوظ کر لیے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منس کے وقت سے، جو پہلا مصری بادشاہ تھا اردشیر (Artaxerxes) سوم تک تیس خاندان حکمران رہے ہیں۔انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، یعنی قدیم بادشاہی خاندان، درمیانی بادشاہی خاندان اور جدید بادشاہی خاندان۔

قدیم بادشاہی خاندان:

قدیم بادشاہی خاندان دس تھے جن کی حکومت کا آغاز 2900 ق م میں ہوا اور آخری خاندان 2001 ق م میں ختم ہوا۔اسی دور میں چیوپس اور چیفرن ہوئے، جن کے بنائے ہوئے اہرام جیزہ میں اب تک موجود ہیں۔ان کا تعلق چوتھے شاہی خاندان سے تھا، جو 2650 ق م سے 2500 ق م تک حکمران رہا۔

درمیانی بادشاہی خاندان:

درمیانی بادشاہی خاندانوں کا آغاز 2100 ق م میں ہوا۔اور یہ تعداد میں سات تھے۔1580 ق م میں اس دور کا خاتمہ ہوا۔بارھویں خاندان کے بادشاہوں نے امراء کی طاقت گھٹا دی اور فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔چنانچہ انھوں نے نوبیا کو فتح کیا اور فلسطین پر بھی یورش کی۔اسی زمانے میں جزیرہ نمائے سینا کے اندر کان کنی کا سلسلہ جاری ہوا۔فیوم کی سیرابی کے لیے نہریں بنائی گئیں اور وہاں عالیشان محل تعمیر ہوئے۔اسی جگہ محلات کا وہ مجموعہ تھا جو آگے چل کر بھول بھلیاں کے نام سے مشہور ہوا۔

بیرونی حملوں کی ابتداء:

چودہویں خاندان کے زمانے میں باہر سے حملے شروع ہو گئے اور بالائی مصر پر ان لوگوں نے قبضہ جما لیا جو تاریخ میں ھکسوس (Hyksos) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ سامی نسل سے تھے اور فلسطین و شام سے مصر پہنچے تھے۔ یہی لوگ سب سے پہلے گھوڑے مصر لے گئے (یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ھکسوس ہی کے زمانے میں مصر پہنچے تھے اور ان کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان وہاں آباد ہوا تھا) سترہویں شاہی خاندان کے زمانے میں ھکسوس کے خلاف رزم و پیکار کا سلسلہ شروع ہوا، یہاں تک کہ 1580 ق م میں انھیں مصر سے بالکل نکال دیا گیا۔ اس وقت سے نئے بادشاہی خاندان کی بنیاد پڑی۔

جدید بادشاہی خاندان:

یہ خاندان تعداد میں تیرہ ہیں۔ ان کا سلسلہ 1580 ق م سے شروع ہو کر 332 ق م میں ختم ہوا، جب سکندر اعظم نے مصر پر قبضہ کیا۔ (جدید بادشاہوں ہی کے ابتدائی دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، جب ھکسوس یا سامی فرمانرواؤں کے خلاف انتہائی تعصب کا دور دورہ تھا اور اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے ساتھ خوفناک بدسلوکیاں ہو رہی تھیں کہ وہ ھکسوس کے دور اقتدار میں مصر پہنچ کر آباد ہوئے تھے اور ان کے ہم نسل اور ہم وطن تھے) اخناتون (Ikhnaton)â1375ق م۔ 1357ق م) اٹھارہویں شاہی خاندان ہی کا بادشاہ تھا۔ اس زمانے میں فلسطین، شام اور فونیقیہ کے شہر میں مصریوں کے قبضے سے نکلنے لگے۔ اخناتون کے بعد اس کے دو داماد تخت نشین ہوئے، جن میں سے توت عنخ عمین (Tutankhamen) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے مقبرے میں ہر شے 1922ء میں محفوظ نکل آئی اور وہ تمام اشیاء قاہرہ کے مصری عجائب خانے میں موجود ہیں۔

انیسویں خاندان میں رعمیسس ثانی (Ramses) اور [1] مرنفتاہ ہوئے جن میں سے آخری بادشاہ کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال کر لائے۔

بائیسویں خاندان کی بنیاد لیبیا کے ایک سردار نے رکھی تھی، جو ملک پر قابض ہو گیا تھا۔ بیچ میں حبشہ کا ایک خاندان بھی کچھ دیر حکمران رہا۔ 605 ق م میں بابل کے بادشاہ نصر نے مصر پر حملہ کیا پھر ایرانی شہنشاہ کمبوجیہ فتوحات کے جوش میں وہاں پہنچ گیا اور 525 ق م سے 4 ق م تک ایرانی مصر پر مسلط رہے۔ آخری تین شاہی خاندان مصر کے معمولی حاکموں پر مشتمل تھے جو ایرانیوں کے تابع سمجھے جاتے تھے۔

عراق

جغرافیہ:

عراق کا میدان آرمینا کی سطحِ مرتفع کے جنوبی ڈھلوانوں سے خلیج فارس تک کوئی چھ سو میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب [1] ''اورا'' خلیج کے قریب واقع تھا اور آج کل وہ ساحل سے ساٹھ میل شمال میں ہے گویا جب عراق تاریخ سے روشناس ہوا تھا، اس وقت سے میدان کی لمبائی میں کم و بیش ساٹھ میل کا اضافہ ہو چکا تھا۔

زمانۂ قدیم میں اس میدان کے دو حصے تھے: شمالی سمت میں اشور (Assyria) اور جنوبی سمت میں بابل۔ دونوں حصوں میں بڑے بڑے شہر آباد تھے۔ اشور کے شہروں میں سے نینوئی، خورس آباد اور اربیلا بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اربیلا وہی ہے جسے آج کل اربیل کہتے ہیں۔ یہ دنیا کے شہروں میں سب سے زیادہ پرانا مانا جاتا ہے۔ بابل کے شہروں میں سے خود بابل، کے جنوبی علاقے میں واقع تھا، جسے زمانۂ قدیم میں سمیر کہتے تھے اور عبرانی زبان میں اس کا نام شعار تھا۔ اشور کے شہر دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے اور بابل کے شہر دریائے فرات کے کنارے یا اس سے قریب۔

باشندے:

بابل کے ابتدائی باشندوں کی نسل کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی چار ہزار سال قبل جنوبی حصے میں سمیری آباد تھے اور شمالی حصے میں اکادی، جنھیں عام طور پر سامی سمجھا جاتا ہے۔ تیسرے ہزار سال میں شمالی شام سے اموری بابل پہنچ گئے اور اس حکمران خاندان کی بنیاد پڑی، جس کا مشہور ترین فرد حمورابی تھا۔ 2270 ق م میں شمال مشرق کی طرف سے غیر مہذب پہاڑی باشندوں نے اس ملک پر حملہ کیا اور 1600 ق م میں کِھسی وہاں آ گئے۔ 1100 ق م کے قریب ارامیوں نے ملک کو پامال کر ڈالا دریائے فرات کے ساتھ ساتھ پورے علاقے پر قابض ہو گئے۔ یہ بھی سامی تھے۔ انھی میں سے ایک قبیلہ کلدانیوں (Chaldeans) کا بھی تھا، جس نے بابل میں حکمرانی کی مسند آراستہ کر لی۔ بخت نصر (نبوکدنزر) (Nebuchadnezzar) اسی خاندان کا مشہور بادشاہ تھا۔ یہاں یہ حقیقت واضح کر دینی چاہیے کہ جن گروہوں کو سامی قرار دیا گیا ہے، وہ ان کی نسل کی شہادت نہیں۔

مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کوئی نہ کوئی سامی زبان بولتے تھے، مثلاً اکادی یا عبرانی یا فونیقی یا آرامی یا عربی وغیرہ۔

سمیری اور اکادی تہذیب:

سمیریوں کی حکومت شہری ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان کے درمیان حدود یا آبیاری کے حقوق کے متعلق مسلسل کشمکشیں جاری رہتی تھیں۔ بعض شہری ریاستیں پورے ملک کو زیر تسلط رکھنے کے لیے بھی لڑائیاں کرتی رہتی تھیں۔ لڑائیوں نے انھیں فنون جنگ میں بالکل طاق بنادیا تھا اور ساز و سامان جنگ کے لحاظ سے انھیں اپنے ہم عصر مصریوں پر فوقیت حاصل تھی۔ چنانچہ وہ لوگ مصریوں سے ایک ہزار سال پیشتر جنگی رتھ استعمال کرنے لگے تھے، ان میں گدھوں سے کام لیا جاتا تھا۔ کھیتی باڑی ان کا خاص پیشہ تھی۔ دور افتادہ ملکوں کے ساتھ تجارت بھی خوب ترقی پر تھی۔ انھوں نے جابجا تجارتی مرکز قائم کر لیے تھے۔ ان کے ذریعے سے روپے کاروبار بھی ہوتا تھا۔ ناپ تول کے پیمانے مقرر تھے اور عہد نامے باقاعدہ لکھے جاتے تھے۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے شہری قوانین کا مجموعہ تیار کیا۔ بعض اوقات اشیاء کی قیمتیں اور کارکنوں کی اجرتیں قانون کے ذریعے سے مقرر کر دی جاتی تھیں۔ ان کا شش گانہ عددی نظام تھا، جس کے ساتھ بہت جلد دہ گانہ نظام شامل کر دیا گیا تھا، مثلاً دن کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹے کے ساٹھ منٹ، منٹ کے ساٹھ سیکنڈ۔ ابتدا میں تصویری رسم الخط رواج پا گیا تھا۔ انھوں نے پیکانی رسم الخط ایجاد کیا جو مٹی کی تختیوں پر کندہ کرنے کے لے بہت موزوں تھا۔

مذہب:

ابتدا میں ہر شہر کا معبود الگ تھا، پھر تمام دیویوں اور دیوتاؤں کو جمع کر دیا گیا اور ان میں سے تین کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔ اول آسمان کا دیوتا، دوم زمین اور فضا کا دیوتا، سوم پانی کا دیوتا۔ آسمان کا دیوتا جسے انلیل (Enlil) کہتے تھے، سب سے بڑا مانا جاتا تھا۔ عبادت کی غرض سے مندر تعمیر کر لیے تھے۔ ان کی وضع قطع ایک بے قاعدہ سہ پایہ ہرم کی سی ہوتی تھی اس پر چھوٹی سی عمارت تعمیر کر لی جاتی تھی۔ ان کے درمیان بعض عجیب و غریب افسانے مشہور تھے، مثلاً دنیا کی تخلیق کیونکر ہوئی، پھر طوفان کیسے آیا اور حیات ابدی کی تلاش کس وجہ سے بے نتیجہ رہی۔

سلطنت:

پہلے پہل ''اور'' میں شاہی حکومت کا آغاز ہوا۔ یہ خاندان 2850 ق م تک حکمران رہا، پھر اکادی سلطنت کا دور آگیا، جس کے دو بادشاہ خاص طور پر مشہور ہیں، ایک سرغون دوسرا اس کا بیٹا نرام سن

(Niram-Sin)□ó یہ لوگ اکاد، سمیر، عیلام، اشور اور شمالی شام پر حکومت کرتے رہے۔ اکادیوں نے سمیری تہذیب وثقافت ہی اپنالی تھی۔ سرغون نے کلدانیہ میں ایک نہایت عالیشان کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس کی کتابوں کے لیے کاغذ کے بجائے اینٹیں استعمال کی گئی تھیں۔

2270 ق م میں وحشی قبیلوں کے حملے شروع ہوگئے۔ انھوں نے بابل کو مسخر کرلیا اور سوا سو سال اس پر حکمران رہے۔ ''اور'' میں شاہی خاندان کی حکومت ایک سے زیادہ مرتبہ قائم ہوئی۔ وہاں کا تیسرا شاہی خاندان 2140 ق م سے 2030 ق م تک حکمران رہا، جس کی سلطنت اشور وار بیلا سے خلیج فارس تک اور سوس سے لبنان تک پھیلی ہوئی تھی۔

بابل کی تہذیب وثقافت:

بابل کی تہذیب وثقافت مختلف وجوہ سے شہرت پذیر ہوئی۔ اہل بابل نے سمیریوں کی تہذیب کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ ان کی تجارت کے سلسلے دور دور تک پھیل گئے۔ ان کا نظام حکومت بڑا ہی اعلیٰ تھا۔ پھر انھوں نے عالیشان عمارتیں بنائیں، فنون لطیفہ میں اونچا درجہ کمال کیا۔ سب سے آخر میں یہ کہ حمورابی نے قوانین کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جو زمانۂ قدیم کا نہایت قیمتی سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔

جب بابل ایک سلطنت کا مرکز اور دنیا کا بہت بڑا شہر بن گیا تو اس کے دیوتا مردوخ نے خاص اہمیت حاصل کرلی۔ اسے وہی درجہ مل گیا جو سمیریوں نے آسمانی دیوتا کے لیے تجویز کیا تھا۔ آگے چل کر اسے بعل کہنے لگے۔ بابلیوں نے جادو، ٹونے ٹوٹکے اور سحر کے فن کو بھی بہت ترقی دے دی تھی۔ وہ اجرام سماوی کی نقل وحرکت سے خاص اثرات ونتائج اخذ کرتے تھے۔ جانوروں کی مختلف سرگرمیوں سے بھی خاص نتیجے نکال لیتے تھے اور جن جانوروں کو قربان کرتے تھے، ان کے جگر دیکھ کر خاص احکام لگایا کرتے تھے۔

پہلا حکمران خاندان:

بابل میں پہلی عموری حکومت 1900 ق م کے آس پاس قائم ہوئی اور کم وبیش تین سو سال رہی۔ اس حکمران خاندان کا چھٹا بادشاہ حمورابی تھا۔ وہ عہد قدیم کے چند بڑے بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ 1800 ق م کے قریب تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ اس نے پورے عراق کو مسخر کیا اور رفاہ عامہ کے لیے وسیع پیمانے پر تدابیر اختیار کیں۔ اس نے جو قوانین بنائے، رومی سلطنت کے زمانے تک ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کی وفات کے بعد اس خاندان کی حکومت میں ضعف آگیا۔ پھر عراق کے ساحلی علاقے میں ایک نئی حکومت پیدا ہوگئی۔

بعد کے حالات:

1600ق م کے آس پاس ہتیوں نے بابل پر یورش کی۔ پھر کسیوں نے اسے فتح کرلیا اور ساڑھے چار سو سال تک حکمران رہے، 1142ق م میں ایک نیا خاندان برسر اقتدار آ گیا۔ اس زمانے میں عیلامیوں اور آرامیوں کے حملے ہوئے۔ 900 ق م میں اشوریوں کے ساتھ تباہی خیز لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ 729ق م میں اشوریوں کے بادشاہ ...... پلسر سوم نے بابل پر قبضہ جما لیا اور اس وقت سے 625ق م تک بابل اشوری سلطنت کا حصہ بنا رہا۔

کلدانی، ایرانی اور ساسانی:

625ق م میں بابل نے ازسرنو آزادی حاصل کی اور وہاں کلدانیوں کی سلطنت قائم ہوئی، جس کا بانی بنو پلاسر تھا۔ اس نے مادہ (Media) کے بادشاہ سے مل کر 612ق م میں اشوری سلطنت کو تباہ کر دیا اور اس کے علاقے دونوں حلیفوں میں تقسیم ہو گئے۔

اسی بابلی خاندان کا مشہور بادشاہ بخت نصر (نبوکدنزر) تھا، جو 605 ق م میں تخت نشین ہوا اور 561ق م تک حکمران رہا۔ بخت نصر نے مصریوں کو شکست دی۔ یہودیہ کو بابلی سلطنت کا جزو بنایا۔ وہ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے آیا، اس لیے کہ وہ بار بار بغاوتیں کرتے تھے۔ اس نے بابل کے اردگرد عالیشان فصلیں بنائیں اور عمارتیں تعمیر کرائیں، جن کی ستائش کرتے ہوئے یونانی مورخ نہیں تھکتے۔

538ق م میں سائرس شہنشاہ ایران نے بابل کو فتح کیا اور 233 تک یہ شہر ایرانیوں ہی کے قبضے میں رہا، پھر سکندر نے اسے اپنی سلطنت کا مرکز بنا لیا۔ سکندر کی ایشیائی میراث سلوکیوں کے قبضے میں آئی۔ 171ق م سے 226، تک پارتھی وہاں حکمران رہے۔ بعدازاں ایران کے ساسانی بادشاہ اس پر قابض ہو گئے۔ 641ء میں عرب مسلمان بابل کے مالک و مختار بن گئے۔

اشوری سلطنت:

نینوئی میں اشوری سلطنت قائم ہوئی جس کے بادشاہ اشور بنی پال نے اپنے کتب خانے میں عہد قدیم کی تمام تحریرات کو جمع کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ اشوریوں کی تہذیب میں بابلیوں کے اثرات بھی موجود تھے اور ہتیوں کے اثرات بھی پائے جاتے تھے۔ وہ اپنے قومی دیوتا کی پوجا کرتے تھے، جس کا نام اشور تھا، بعد میں اشتر کی پوجا بھی شروع کر دی۔ انیسویں صدی قبل مسیح میں کچھ عرصے تک اشوریہ بابل کے ماتحت رہا۔ اشوریہ کی عظمت کا پہلا دور 933ق م میں شروع ہوا۔ اس دور کے دو بڑے بادشاہ ہیں، ایک

اشور نصر پال ثانی جس نے بحیرۂ روم تک کے علاقے فتح کر لیے اور ملکی انتظام بہت اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ اسی کے عہد میں قلعے توڑنے والے آلے اور محاصروں میں کام دینے والی منجنیقیں استعمال ہونے لگیں۔ دوسرا بادشاہ شلمنسر ہے۔ اس نے صور، صیدا اور اسرائیل سے خراج لیا۔ قدیم زمانے کی مشہور ملکہ سیمی رئیس (810ق م 806ق م) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ 745ق میں اشوریوں کی عظمت کا نیا دور شروع ہوا۔ اس زمانے کے متعدد بادشاہوں نے شہرت پائی مثلاً تغلت پلسر سوم، سرغون دوم سنحیرب اور اشوربنی پال۔ آخرالذکر بادشاہ نے عربوں، عیلامیوں اور کلدانیوں کے خلاف کامیاب لڑائیاں جاری رکھیں۔ 625ق م سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور 605ق م میں یہ قوم صفحۂ ہستی سے ناپید ا ہوگئی۔

شمالی عراق:

شمالی عراق میں سولھویں صدی قبل مسیح کے آس پاس ایک مستقل سلطنت قائم ہوئی۔ پھر یہ خاصی ترقی کر گئی، لیکن 1275 میں اشوریہ کے بادشاہ شلمنسر اول نے اسے ختم کر دیا۔ اس سلطنت میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جسے آج کل کرکوک کہتے ہیں اور جہاں عراقی تیل کے چشمے ہیں۔ نیز اشیائے کوچک شام اور فلسطین میں بھی یہ لوگ جا پہنچے تھے۔

دو پہیوں والا جنگی رتھ انھی لوگوں نے ایجاد کیا تھا جو بعد ازاں مصر اور مغربی ایشیا میں عام طور پر استعمال ہونے لگا۔

فلسطین

موقع ومحل:

فلسطین شام کا جنوبی حصہ ہے، جو عرض میں بحیرۂ روم سے بادیۂ شام تک پھیلا ہوا ہے اور طول میں یہ کوہ حرمون [1] سے بحیرۂ لوط [2] کے جنوب تک آتا ہے۔ پرانے جغرافیائی ناموں کی بنا پر اسے دان (Dan) سے برشبع (Beersheba) تک سمجھنا چاہیے۔ دریائے اردن کے مغربی سمت میں اس کی لمبائی ڈیڑھ سو میل ہے اور چوڑائی شمالی سمت میں صرف تیس میل ہے۔ البتہ جنوبی سمت میں یہ قریباً اسی میل ہو جاتی ہے۔ اس کا نام فلسطین اس لیے پڑا کہ یہاں وہ لوگ رہتے تھے، جنہیں ہیروڈوٹس نے ''فلسطینی'' قرار دیا ہے۔ عبرانی زبان میں دریائے اردن کی مغربی سرزمین کا نام کنعان ہے۔

یہ ملک چار مختلف خطوں میں بٹا ہوا ہے: پہلا وہ میدانی علاقہ ہے، جو ساحل بحر کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ دوسرا حصہ اس مغربی سطح مرتفع پر مشتمل ہے، جسے میدان یزرعیل (Jezreel) نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ شمال میں جلیل [3] یا طبریہ اور جنوب میں کوہستان افرائیم اور کوہستان یہودیہ۔ تیسرا حصہ وادی اردن والا ہے۔ یہ وادی سطح بحر سے بھی نیچے واقع ہے۔ (بحیرۂ طبریہ سطح بحر سے چھ سو فٹ اور بحیرۂ مردار تیرہ سو فٹ نیچے ہے۔ اس کی آب وہوا گرم ہے)۔ چوتھا حصہ شوق اردن کی سطح مرتفع ہے، جس میں کئی دریا واقع ہیں، مثلاً یرموک، یبوق (Jabbok) ارنون [4] اس حصے میں شمال سے جنوب تک ارامی، بنی عمون اور موآبی آباد تھے۔ اس کے بعض حصوں میں بنی اسرائیل کے کچھ قبیلے بھی بس گئے تھے، مثلاً روبن، جد اور قبیلۂ منسا کا ایک حصہ۔ ادوم کی بادشاہی بحیرۂ لوط کے جنوب سے خلیج ایلات [1] 1200 ق م سے 1000 ق م تک ادوم میں آٹھ بادشاہ حکمران رہے۔ ان کے ناموں کی فہرست بائبل کی کتاب پیدائش کے چھتیسویں باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (آیات 31-39)

آبادی:

اس سرزمین میں سامی زبانیں بولنے والے قبیلوں کی آمد کا سلسلہ زمانہ قدیم ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ مثلاً برنجی دور کے آغاز (تین ہزار سال قبل مسیح) میں پہلا گروہ آیا۔ 2000 میں عمودی یہاں پہنچے۔ چودہویں صدی قبل مسیح میں عبری آئے، 1200 ق م میں اسرائیلی، اس کے بعد عرب۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق عبریوں میں وہ تمام قومیں شریک ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کی

دعویدار ہیں۔(مثلاً حضرت اسماعیل نیز حضرت اسحاق کے دونوں بیٹوں اسرائیل اور ادوم یا عیسو کی اولاد)۔ پھر حضرت ابراہیم کے بھائی حران (یعنی حضرت لوط کے بیٹے حوآب اور عمون) کی اولاد۔ آرامیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے دوسرے بھائی ناحور کی اولاد ہیں۔ جو غیر سامی گروہ فلسطین پر حملہ آور ہوئے وہ یا تو حوری ہیں جو ادومیوں سے پیشتر سرزمین ادوم پر قابض تھے یا ہٹی اور فلسطین یا وہ لوگ جو بحیرۂ ایجہ سے نکل کر 1200 ق م میں یہاں پہنچے تھے۔

تہذیب اور مذہب (1600 ق م-1200 ق م):

کنعان کی اصل زبان عبرانی تھی۔ یہ سامیبول چال کی شمالی ومغربی شکل تھی، جو فونیقی، موآبی اور عمودی بول چال سے مشابہ تھی۔ اس ملک کی تہذیب پر بابلی تہذیب کا اثر سب سے زیادہ پڑا، خصوصاً تجارتی اصطلاحات اور معمولات بابل ہی سے لیے گئے۔ مصر سے تعویذ، منتر اور بعض مذہبی اعمال یہاں پہنچ گئے۔ ہر علاقے کا ایک الگ بت تھا، جسے بعل کہتے تھے۔ اسے کسی پہاڑی پر اونچی جگہ رکھ لیا جاتا تھا۔ عمارت کوئی نہ بنائی جاتی تھی، البتہ آس پاس کے مقام کو بہت مقدس مانا جاتا تھا۔ ایک دیوی کی پوجا بھی کی جاتی تھی جس کا نام اسٹارٹ (Astarte) تھا۔

تاریخی دور:

ابتدا سے 900 ق م تک تاریخی دور کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

(1) 3200 ق م-2000 ق م، ابتدائی برنجی دور جس کے چار حصے ہیں، پہلے تین حصے تین تین سو سال کے اور آخری دو سو سال کا۔

(2) 1200 ق م-1500 ق م، اس کے دو حصے ہیں۔ دونوں کی مدت تین تین سو سال ہے۔ اس دور میں مصر کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے۔ یہی ھکسوس کی حکومت کا زمانہ ہے۔ اسے درمیانی برنجی دور کہا جاتا ہے۔

(3) 1500 ق م-1400 ق م، یہ آخری برنجی دور کا حصہ اول ہے۔ اس میں مصر نے فلسطین کو مسخر کر لیا۔

(4) 1400 ق م-1200 ق م، یہ آخری برنجی دور کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں مصر کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ مشرق سمت سے عبری اور عموری، شمال سمت سے ہٹی، مقامی حکمرانوں کے ساتھ ساز باز کرتے رہے۔ بعض اوقات انھوں نے حملے کیے۔ انجام کار مصر نے پھر اس ملک کو مسخر کر لیا۔

(5) 1200 ق م-900ق م، یہ ابتدائی آہنی دور ہے۔اس میں اسرائیلیوں نے کوہستان افرائیم پر قبضہ کر لیا۔ فلستی ساحلی علاقے پر قابض رہے، جہاں انھوں نے پانچ شہری سلطنتیں منظم کر لیں، یعنی عسقلان، اشدود، عقرون (Ekron) جات (Gath) اور غزہ۔

اسرائیل اور یہودیت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں کو اہل مصر کی غلامی سے نجات دلائی تو وہ یہواہ کی پرستش کرنے لگے، یعنی توحید کے قائل ہو گئے۔اسی عقیدے کے ساتھ اسرائیل کنعان پہنچے اور انھوں نے بعل نام پت کے تمام مقامات پر قابض ہو کر یہواہ کو کنعان اور اسرائیل کا خدا قرار دیا۔عاموس 1 نے یہواہ کو سب سے تسلیم کرایا جیسا کہ یسعیاہ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ حزقیل (Ezekiel) نبی نے انبیاء کی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب تیار کی، جس میں عقیدہ وعبادت کی تمام تفصیلات درج تھیں۔یہ یہودیت کا مستقل آغاز تھا اور اسی مذہب کو نجات کا ذریعہ قرار دیا۔یہ کتاب الہامی صحیفوں پر مبنی تھی، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قانون پر جو کتاب استثناء میں بیان ہوا ہے۔

ادبیات:

بائبل کی کتاب عہد نامۂ قدیم کی کتابت اور تہذیب وترتیب 1150 ق م سے شروع ہوئی اور 130 ق م تک تمام صحیفے اس میں شامل کر لیے گئے۔تورات کی پانچ کتابیں 1 پہلی مرتبہ 400ق م کے آس پاس مرتب ہوئیں۔ اس کے بعد تاریخی اسفار (کتاب یوشع، کتاب قضاۃ، کتاب سیموئیل نبی اور سلاطین) کو بھی مذہبی تالیفات قرار دیا گیا۔حضرت طالوت اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سوانح حیات کے ابتدائی حصے حضرت سیموئیل کی کتابوں سے لیے گئے اور ان کی تاریخ 950ق م ہے۔بنی اسرائیل کے بڑے بڑے انبیاء کا دور 750ق م سے 550 ق م تک آتا ہے، یعنی عاموس، نبی ہوسیع (Hosea) یسعیاہ، میکاہ (Micah) یرمیاہ 2 حزقیل۔ان کے صحیفوں کو، نیز بعض دوسرے صحیفوں کو کوئی دوسو سال ق م میں شامل تورات کیا گیا۔حضرت دانیال نبی کی کتاب 164 ق م شامل ہوئی۔زبور، کتاب امثال اور کتاب ایوب (Job) 586 ق م میں مرتب ہوئیں۔عہد نامۂ قدیم کے باقی حصوں کا تعلق ایرانی اور یونانی اقتدار کے زمانے سے ہے۔بعض کتابوں کو یہودی اسفار محرمہ (Apocrypha) کہتے ہیں یعنی ان کے الہامی ہونے میں شبہ ظاہر کرتے ہیں۔ان کا تبوں کا تعلق 180 ق م سے ہے۔سب سے آخر میں مکاشفات (Apocalypses) آتے ہیں۔ان کی ابتدا مسیحیت کے وقت سے ہوتی ہے۔یہودی انھیں

نہیں مانتے، لیکن مشرقی مسیحیت پر ان کا خاص اثر پڑا۔ یہودیوں کی قانونی کتاب مشنا ہے، جو 200 عیسوی کے قریب جمع ہوئی اور عہد قدیم کی تفسیر تالمود کہلاتی ہے، جس کی ترتیب 500 عیسوی کے آس پاس عمل میں آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اپنے وطن سے نکل کر مصر پہنچے اور جشن [3] کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ جب ھکسوس کا دور حکومت ختم ہو گیا تو اہل مصر بنی اسرائیل کو اجنبی سمجھتے ہوئے ان پر ظلم کرنے لگے اور عملاً انھیں غلام بنالیا۔ انھیں غلامی سے نجات دلانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور حضرت نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر سرزمین فلسطین کے دروازے پر پہنچایا۔ یہ تیرہویں صدی قبل مسیح کا واقعہ ہے۔

فلسطین میں آبادی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بنی اسرائیل کے قائد و رہنما بنے۔ انھی کی ماتحتی میں فلسطین کی تسخیر شروع ہوئی اور مختلف حصوں میں اسرائیلی قبیلوں کو آباد کر دیا گیا۔ اس زمانے میں ہر قبیلے نے اپنا ایک نظام بنالیا اور اپنے سرداروں کے ماتحت زندگی بسر کرتے رہے۔ یہی عہد ہے جسے عہد نامہ قدیم میں قاضیوں کا عہد قرار دیا گیا ہے، یعنی جن لوگوں کے ہاتھوں میں نظم و نسق اور حکومت کی باگ ڈور تھی، وہ قاضی تھے۔ فلستیوں سے لڑائیاں ہوئیں۔ قریباً پونے دو سو سال اسی طرح گزر گئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مرکزی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں اتحاد و اجتماع پیدا نہ ہو سکتا تھا، جو مخالفوں کے مقابلے میں ضروری تھا، اس لیے کہ اس کے بغیر متحدہ جنگی قوت فراہم نہ ہو سکتی تھی۔ فلستیوں سے لڑائیاں شروع ہو گئیں جن میں بنی اسرائیل کو سخت نقصان پہنچا، یہاں تک کہ فلستی ان سے تابوت سکینہ بھی چھین کر لے گئے، جس میں کتاب مقدس کی تختیاں اور پیغمبروں کے تبرکات رکھے تھے۔ اس زمانے میں حضرت سیموئیل نبی تھے، اسرائیلیوں نے ان سے کہہ کر اپنے لیے بادشاہ کا انتظام کرایا تاکہ پوری قوت یکجا ہو جائے۔ چنانچہ طالوت (Saul) کو یہودیوں کا بادشاہ بنایا گیا اور اس نے فلستیوں کو شکست دے کر تابوت سکینہ واپس لیا۔ فلستیوں کا مشہور پہلوان جالوت (Goliath) تھا۔ جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے قتل کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام:

1013 ق م میں طالوت کا انتقال ہوا تو اس کے بعد سات سال تک اس کا بیٹا دریائے اردن کے

مشرقی علاقے میں حکمران رہا اور یہودیہ کی حکومت حضرت داؤد کے ہاتھ میں تھی، مگر وہ فلستیوں کے زیر اثر تھے، پھر انھوں نے یروشلم کو فتح کیا اور اسے اپنی سلطنت کا مرکز بنایا۔ تھوڑی ہی دیر میں فلستیوں اور دوسرے سرکش رئیسوں کو مسخر کرلیا۔ اس طرح ایک عالی شان اسرائیلی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اس سلطنت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے (973ق م۔933ق م)۔ حضرت نے یروشلم میں ہیکل تعمیر کرایا، نیز دوسری بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ اس عہد میں فلسطین کی خوش حالی وفارغ البالی درجۂ کمال پر پہنچ گئی۔

سلطنت میں تفرقہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کا فرزند رجعان (Rehoboam) مسند نشین ہوا، لیکن شمالی سمت کے اسرائیلی قبیلوں نے مطالبہ پیش کر دیا کہ ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ بادشاہ نے انکار کیا تو انھوں نے سلطنت سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے لیے جداگانہ بادشاہی کا انتظام کر لیا اور یربعام (Jeroboam) کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ یوں سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ تاریخ میں پہلی کو سلطنت یہودیہ کہتے ہیں اور دوسری کو سلطنت اسرائیل۔

سلطنت یہودیہ:

سلطنت یہودیہ 933ق م سے 586ق م تک قائم رہی اس پر نشیب وفراز کے مختلف دور گزرے۔ 735 میں اشوریہ کے بادشاہ تغلت پلسر نے حملہ کیا۔ یوسیع نے مذہبی احیاء کا کام انجام دیا (638ق م) اور ہیکل کو پوری سلطنت میں مرکزی حیثیت دے دی۔ 609ق م میں وہ فرعون مصر کے خلاف جنگ کرتا ہوا شہید ہوا۔ مصر کے بعد بابل کے حکمران فلسطین پر قابض ہوگئے۔ 597ق م میں جن یہودی پیشواؤں کو شاہ بابل اپنے ساتھ لے گیا تھا، ان میں حزقیل نبی بھی تھے۔ صدقیہ سلطنت یہودیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ یرمیاہ نبی نے مشورہ دیا تھا کہ بخت نصر کی مخالفت نہ کی جائے۔ صدقیہ نے اس مشورے پر عمل نہ کیا، چنانچہ بخت نصر نے یروشلم کو 586ق م میں تباہ کر دیا اور سلطنت یہودیہ ختم ہوگئی۔

سلطنت اسرائیل:

یربعام نے پہلے شِشم کو اپنا دارالحکومت بنایا، بعد ازاں سامریہ مرکز بن گیا۔ اس سلطنت میں بھی متعدد بادشاہ ہوئے۔ ایک زمانے میں سلطنت اسرائیل اشوریہ، کے بادشاہ شلمنسر کی باجگزار بن گئی تھی، پھر تغلت پلسر سوم نے اس سے بہ زور خراج وصول کیا۔ ھوسیع نے 732ق م میں خراج ادا کرنے سے انکار کیا، لہٰذا

اسے تخت سے اتار دیا گیا۔ 725 ق م سے 722 ق م تک سرغون نے سامریہ کا محاصرہ جاری رکھا اور اسے مسخر کر لیا۔ اس نے سولہ سترہ سال میں ستائیس ہزار دو سو نوے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور اسرائیلی سلطنت ختم ہو گئی۔

یہودیوں کی باقی سرگزشت:

یہودیوں کی باقی سرگزشت اختصاراً ذیل میں درج ہے۔

(1) 586 ق۔م۔538 ق م تک یہودی بابل کے ماتحت تھے۔ جو لوگ وطن میں رہ گئے تھے وہ خستہ حال تھے اور اپنے ہمسایوں یعنی ادویوں اور سامریوی کے مقابلے میں دبے ہوئے تھے۔ جو جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے تھے ان کی حالت اچھی تھی۔

(2) 538 ق م۔332 ق م تک یہودی ایرانی حکومت کے ماتحت رہے۔ سائرس نے انھیں ہیکل از سرِ نو تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ نحمیاہ نبی نے یروشلم کی فصیلیں بنوائیں اور شرعی قانون نافذ کیے۔

(3) 332 ق م۔198 ق م تک یہودی سکندر اور بطلیموسیوں کے ماتحت رہے۔

(4) 198 ق م۔168 ق م تک ان پر سلوکی مسلط رہے۔

مکابیوں کا دور:

168 ق م میں یہودا مکابی اور اس کے بھائیوں نے سلوکی بادشاہ کے خُلاف بغاوت کی، جس نے یہودیت کو جبراً ختم کر دینے کا اعلان کیا تھا۔ یہودیوں نے لڑ کر مذہبی آزادی حاصل کی اور اپنا ایک نظام قائم کر کے وہ مسلسل لڑائیاں کرتے رہے۔ 63 ق م میں فلسطین رومیوں کے زیرِ اثر آ گیا اور 395ء تک یہی کیفیت رہی۔

ہیرودیس کی بادشاہی:

37 ق م میں ہیرودیس نے رومیوں سے یہودیہ کی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا۔ اس نے ہیکل کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور قیصر آگسٹس کے لیے سامریہ میں ایک ہیکل تعمیر کرایا۔ اسی کے عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے (حضرت کی صحیح تاریخ ولادت 6 ق م اور 4 ق م کے درمیان ہے)۔

اگرچہ ہیرودیس نے اور بھی اچھے کام کیے مگر فریسی، صدوقی اور مذہبی جنونی اسے برابر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ ہیرودس کے بعد سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ 66ء سے 73ء تک یہودی

رومیوں کے خلاف لڑتے رہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 70ء میں یروشلم کو تباہ کر دیا گیا۔قیصر ٹراجن کے عہد میں 115ء سے 117ء تک پھر لڑائیاں ہوئیں۔پھر ہیڈرین کے زمانے میں یہودیوں نے بغاوت کی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ یہودیہ کا پورا علاقہ تباہ کر دیا گیا۔یروشلم کو رومیوں کی نو آبادی بنا لیا گیا۔یہودیوں کے لیے وہاں آنا اور بسنا ممنوع قرار پا گیا۔اس وقت سے طبریہ اور بابل یہودی تعلیمات کے مرکز رہ گئے۔انھی دو مرکزوں میں تالمود کے نسخے پانچویں صدی عیسوی میں مرتب ہوئے۔

فونیقیہ اور شام

جائے وقوع اور تہذیب:

فونیقیہ لبنان کے مغربی حصے میں مختصر سے ساحلی علاقے کا نام تھا۔ چودھویں صدی قبل مسیح کی معلومات کے مطابق اس کے بڑے بڑے شہر یہ تھے: عکہ، صور، بیروت، بلوس، جسے آج کل جبل کہتے ہیں۔

اگر اہل فونیقیہ کی زبان کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ لوگ کنعانیوں کی ایک شاخ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بولی مغربی سامی بولی تھی جو کنعان کی عبرانی سے بہت ملتی جلتی تھی۔ اس گروہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے چودھویں صدی قبل مسیح میں، بلکہ اس سے بھی پیشتر حروف ابجد ایجاد کیے، اسی سے موجودہ زمانے کی ابجد پیدا ہوئی۔ جب منویوں اور مائی سینیوں کی بحری قوت پر زوال آیا تو بارھویں صدی قبل مسیح میں اہل فونیقیہ نے بحری تجارت کا آغاز کیا اور جزیرۂ قبرص نیز شمالی افریقہ، جنوبی ہسپانیہ اور بعض دوسرے خطوں میں نوآبادیوں کے قیام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت قرطاجنہ نے پائی، جس کی بنیاد 814 ق م میں رکھی گئی۔ یہ لوگ زیادہ تر ارغوانی رنگ، بلوری ظروف اور پارچات فروخت کیا کرتے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مصنوعات میں جدت کا کوئی پہلو نہ تھا، بلکہ جو چیزیں بناتے تھے عام طور پر یہ مصریوں اور بابلیوں کے نمونے کی بناتے تھے۔

یہ لوگ بھی بعل کی پوجا کرتے تھے اور مختلف شہروں میں اس بت کے مختلف نام رکھ لیے گئے تھے۔

ابتدائی سرگزشت:

ابتدائی سرگزشت کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

(1) فونیقیہ میں جو چیز سب سے بڑھ کر جذب وکشش کا باعث تھی وہ اس کے عالیشان دیودار تھے، جن کی ضرورت ہر قوم کو تھی۔ چنانچہ مصریوں نے ابتداء میں انھی دیوداروں کے لیے فونیقیہ مصریوں نے ابتداء میں انھی دیوداروں کے لیے فونیقیہ پر حملہ کیا اور وہ مختلف شہروں پر قابض ہو گئے۔ یہ 2900 ق م سے 2000 ق م تک واقعات ہیں۔ اسی دور میں سمیری اور اکادی حملے کرتے ہوئے بحیرۂ روم تک پہنچے۔

(2) 2000 ق م سے 1500 ق م تک اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ ببلوس مصر کے ماتحت تھا۔

(3) پندرہویں صدی قبل مسیح میں فرعون مصر نے فونیقیہ کا بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن چودھویں صدی کے نصف اول میں اہل فونیقیہ نے ہٹیوں کے ساتھ مل کر ان تمام رئیسوں کو شکست دی جو مصر کے خراج گزار تھے۔ بعد ازاں مصر نے فونیقیہ کو از سر نو مسخر کر لیا۔

(4) بارہویں صدی قبل مسیح میں بحیرۂ ایجہ کی طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور فونیقیہ کے بڑے بڑے شہر بہ استثناء بیروت، خوشحال آزاد ریاستوں کی حیثیت حاصل کر گئے۔

(5) دسویں صدی قبل مسیح میں حیرام اول فونیقیہ کا بادشاہ تھا جو ابی بعل کا فرزند تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بحیرۂ روم کی تجارت کے لیے ایک بیڑا تیار کرانا چاہتے تھے تو حیرام نے اس غرض سے تعمیر کا سامان اور اچھے کاریگر مہیا کیے تھے۔

بعد کا دور:

774 ق م سے 625 ق م تک فونیقیہ اشوریوں کے قبضے میں رہا۔ جب بابل کی سلطنت نے نبوکدنزر کے ماتحت عظمت کا خواب دیکھا تو فونیقیہ بابل کی ماتحتی میں آ گیا۔ اس دور میں صور نے اپنی آزادی بحال رکھنے کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ بابلیوں کے بعد ایرانیوں کو عروج حاصل ہوا تو فونیقیہ ان کے قبضے میں آ گیا۔ انھوں نے پورے علاقے کو چار ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ شہنشاہان ایران کے لیے ضرورت کے وقت بیڑے مہیا کرتے تھے۔ سکندر ایشیا پہنچا تو فونیقیہ پر قابض ہو گیا۔ صور کے محاصرے میں سے بڑی مشکلات پیش آئی تھیں۔ 323 ق م سے 286 ق م تک مصر کے بطلیموسی اور سلوکی یکے بعد دیگرے قابض ہوتے رہے۔ آخری دور میں بھی مصریوں اور سلوکیوں کی حکومتوں کا تبادل جاری رہا۔ 64 ق م میں رومہ کے مشہور جرنیل پومپی نے شام کو رومی سلطنت کا صوبہ بنایا تو فونیقیہ کو بھی اس میں شامل کر لیا۔

قرطاجنہ:

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ فونیقیوں نے 814 ق م کے لفظی معنی فونیقی زبان میں "شہر بانو" (نیا شہر) کے ہیں۔ یہ شہر اس مقام سے قریب تعمیر ہوا تھا جہاں بعد میں تیونس کی بنیاد رکھی گئی۔ اب تک صرف فونیقیہ کے حالات بیان ہوتے رہے، لیکن فونیقیوں نے قرطاجنہ میں جو عظمت حاصل کی وہ تاریخی لحاظ سے ان کے وطن کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ اہم ہے۔ اب وہاں کے حالات بھی اختصاراً سن لیجیے۔ قرطاجنہ کی زبان

فونیقیوں ہی کی ایک بولی تھی جسے اہل رومہ "پیونک" کہتے تھے۔حکومت کا انتظام دو اعلیٰ ناظموں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ایک مجلس بھی کاروبارِ حکومت میں شریک تھی، جس کے ممبر ہر سال منتخب کیے جاتے تھے۔

لڑائیاں:

اہل قرطاجنہ نے اپنی تجارت پھیلانی شروع کی تو افریقہ، سسلی اور سارڈینیا میں انھیں بارہا لڑائیاں پیش آئیں، جن میں وہ کامیاب ہوتے رہے۔زیادہ کشمکش سسلی کے ساتھ جاری رہی۔آہستہ آہستہ اُنھوں نے اپنی بحری قوت کو بہت ترقی دے لی اور پورے مغربی بحیرۂ روم پر قابض ہو گئے۔یہاں تک کہ وہ آبنائے بھی انھی کے زیرِ اثر آ گئی جو بعد میں جبل طارق کے نام سے مشہور ہوئی۔

رُومیوں سے مقابلہ:

خاص طور پر قابل ذکر وہ لڑائیاں ہیں جو رومیوں کے ساتھ 268ق م سے 146ق م تک جاری رہیں۔یہ تین لڑائیاں ہیں، جنہیں پہلی دوسری اور تیسری پیونک جنگیں کہتے ہیں۔پہلی جنگ کے بعد ہمیلکار نے ہسپانیہ کو دریائے ابرہ تک فتح کر لیا۔دوسری جنگ میں قرطاجنہ کا سپہ سالار ہینی بال تھا، جو دنیا کے چند بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔یہ جنگ 219ق م سے 202ق م تک جاری رہی۔ہینی بال ہسپانیہ سے فوج لے کر اٹلی پہنچا اور رومیوں کو 216ق م میں شکست فاش دی۔پھر حالات بگڑ گئے۔جو کمک اس کے لیے بھیجی گئی تھی وہ نہ پہنچ سکی، اسے واپس ہونا پڑا اور افریقہ میں آخری لڑائی پیش آئی، جس میں ہینی بال نے شکست کھائی۔تیسری جنگ میں رومیوں نے کارتھیج کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔بعد ازاں 439ء تک قرطاجنہ رومیوں ہی کے ماتحت رہا۔

شام:

شام وسیع معنی میں اس علاقے کو کہا جاتا تھا، جو کوہ طارس کے جنوب میں مشرق بحیرۂ روم اور دریائے فرات کے درمیان تھا، لیکن بعد میں یہ نام مذکورہ بالا علاقے کے صرف شمالی و مشرقی حصے کے لیے استعمال ہونے لگا۔فونیقیہ اور فلسطین کو اس سے الگ کر دیا گیا۔شام کے مشہور شہر یہ تھے![1] ارپدا، حلب□í (Aleppo) انطاکیہ□í (Antioch) قادس□í (Kadesh) حماۃ□í (Hamath) تدمر[2]، دمشق۔

قدیم سرگزشت:

شام میں سب سے پہلے آرامیوں کی آبادی کا نشان ملتا ہے جو چودھویں صدی ق م میں انھوں نے وادی، دجلہ پر یورشیں شروع کر دیں، لیکن ہتیوں اور اشوریوں کا دباؤ اتنا پڑا کہ وہ بادیۂ شام کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر سمندر پار کر کے لوگوں کی آمد شروع ہوئی۔ جا بجا تجارتی مرکز قائم ہوئے، جن میں سے تدمر بطور خاص قابل ذکر ہے۔ دسویں صدی قبل مسیح میں ایک طاقتور آرامی سلطنت کا انتظام ہوا جس کا مرکز دمشق تھا۔ اس وقت سے چوتھی صدی قبل مسیح تک بین الاقوامی بری تجارت ارامیوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔

یہاں وہ تفصیلات پیش نہیں کی گئیں جو فونیقیہ، فلسطین یا دوسرے آس پاس کے علاقوں کی سرگزشتوں میں پیش کی جا چکی ہیں، یعنی یہ کہ جس قوت کو فروغ حاصل ہوتا تھا وہ شام کے علاقے پر بھی قابض ہوتی رہی، مثلاً اکادی، اہل آر، حمورابی، ہتی یا فراعنۂ مصر۔ اشوریوں نے بھی اپنے زمانۂ اقتدار میں شام کو بری طرح پامال کیا۔

دمشق:

دمشق 1450 ق م سے ایک سو سال تک مصریوں کے ماتحت، بعد ازاں ڈیڑھ سو سال تک ہتیوں کے ماتحت رہا، پھر مصریوں نے اسے فتح کر لیا، لیکن 1000 ق م میں یہ آرامی سلطنت کا مرکز بن گیا جو 732 ق م تک جاری رہی۔ پھر اشوری اور بابلی یکے بعد دیگرے اس پر قابض رہے۔ ایرانیوں کے زیر اثر دمشق نے پھر خاصی ترقی کر لی۔ سکندر نے ایرانی سلطنت کا شیرازہ بکھیرا تو اس سلطنت کے دوسرے علاقوں کی طرح دمشق بھی یونانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ سکندر کی وفات کے بعد پہلے مصر کا بادشاہ بطلیموس اول دمشق پر قابض ہو گیا، پھر اینٹی گونس اس کا مالک بن گیا۔ اینٹی گونس کی وفات پر سلوکیوں نے دمشق کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ایشیائے کوچک

موقع اور محل:

ایشیائے کوچک یا اناطولیہ کو یورپ اور ایشیا کے درمیان ایک پل کی حیثیت حاصل ہے۔ مغرب سے مشرق کی طرف آئیں تو سمندر کے راستے بہ آسانی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اگر مشرق سے مغرب کی طرف جائیں تو خشکی کا راستہ بہترین ہے۔ اس کے جنوب میں طارس کا کوہستانی سلسلہ ہے۔ شمالی سمت میں بھی پہاڑوں کی اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں، جنہیں عبور کرنا آسان نہیں، صرف دروں سے آ جا سکتے ہیں، جنہیں عام زبان میں سلیشیا کے دروازے کہتے ہیں۔ اس کے وسط میں بھی سطح مرتفع ہے جس میں کپاڈوشیا (Cappadocia) لائی کا اونیا (Lycaonia) اور فرجیا واقع ہے۔

یہاں کے اصل باشندے مخلوط نسل کے تھے جن میں ارامیوں کے خصائص بھی موجود تھے اور ہتیوں کے خصائص بھی، پھر وہ لوگ بھی یہاں آباد ہو گئے تھے جو بحیرۂ روم کی طرف سے آئے تھے۔

ہتی:

ایشیائے کوچک میں سب سے پہلے ہتیوں کی سلطنت کا سراغ ملتا ہے۔ ان کا مرکز ''ہتوشاش'' (Hattushash) تھا، جسے آج کل ''بوغاز کوئی'' کہتے ہیں۔ اس سلطنت کے دو دور مانے جاتے ہیں۔ ایک کو قدیم سلطنت کہتے ہیں اور دوسری کو جدید۔ یہ اپنی وضع و ہیئت کے اعتبار سے جاگیردار امراء کی سلطنت تھی۔ قدیم دور میں امرا بادشاہ کا انتخاب کرتے اور اسے تاج پہناتے، جدید سلطنت میں بادشاہوں نے خاصا اختیار حاصل کر لیا اور حکومت موروثی بن گئی، تاہم جاگیرداریوں کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ ایک ضابطہ قانون بھی آخری دور میں مرتب کر لیا گیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرموں کی سزائیں بہت ہلکی تھیں۔ کھیتی باڑی کرنا اور ریوڑ پالنا لوگوں کے عام مشغلے تھے۔ دوسری قوموں کی طرح یہ لوگ بھی دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی دیوی وہ تھی، جو سورج سے منسوب تھی۔

حکومت کی سرگزشت:

قدیم سلطنت کا زمانہ 1750 ق م سے 1430 ق م تک رہا، لیکن اس میں سے آخری ستر سال کے زمانے کے حالات ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں۔ 1600 ق م میں ایک ہتی بادشاہ نے حلب پر قبضہ کر لیا تھا، نیز وہ بابل پر بھی حملہ آور ہوا تھا۔ اسی نے ہتوشاش کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔

جدید سلطنت کا آغاز 1430 سے ہوا اور یہ 1200 ق م تک جاری رہی۔ [2] شُبی لولیو (Shubbiluliu) نہ محض اس عہد کا سب سے بڑا بادشاہ ہے، بلکہ ہتیوں میں کسی کو بھی اس کی سی عظمت

حاصل نہ ہوئی۔ اس نے پورے اناطولیہ کو از سر نو فتح کیا، اس کے علاوہ شام کے شمالی علاقوں کو بھی مسخر کر لیا۔ اس کا عہد حکومت 1390 ق م سے 1350 ق م تک جاری رہا۔ بعد ازاں ہٹیوں کے ایک بادشاہ نے مصر کے جابر فرعون رعمسیس ثانی کو نہر العاصی [1] کے کنارے شکست دی۔ 1200 ق م میں بحیرۂ ایجہ سے مہاجروں کا سیل آ گیا اور ہٹیوں کی سلطنت ختم ہو گئی۔ یہی مہاجر تھے جنھوں نے ٹرائے آباد کیا۔ اس شہر کو ہومر کی رزمیہ نظم کے باعث عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔

فرجیا:

اہل فرجیا مہاجروں کے اس سیل کے ساتھ تھریس سے ایشیائے کوچک پہنچے تھے، جو بارہویں صدی عیسوی میں آیا تھا۔ انھوں نے وسطی اناطولیہ پر قبضہ کر لیا۔ گورڈین [2] ان کا دارالحکومت تھا۔ یہ سیبیل کی پوجا کرتے تھے جو اموموت کا نشان تھی۔ ایک گاڑی میں مادر کبیر کا بت بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اسے گاڑی کو گھوڑوں کی جگہ شیر لگائے گئے تھے۔ 1000 ق م سے 700 ق م تک فرجیا میں ایک مستقل سلطنت قائم رہی، لیکن حالات معلوم نہیں۔ 696 ق م میں یہ سلطنت حملہ آوروں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی۔

لیڈیا:

لیڈیا (Lydia) کا دارالحکومت سارڈس (Sardis) تھا جو ایشیا کوچک کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ یہ ریاست مشرق و مغرب کے درمیان ثقافت و تجارت کا ایک رابطہ بن گئی۔ اہل لیڈیا کی وجہ سے قدیم اٹلی کی تہذیب کو بہت فائدہ پہنچا۔ یہ لوگ بڑے تاجر اور اعلیٰ درجے کی تہذیب کو بہت فائدہ پہنچا۔ یہ لوگ بڑے تاجر اور اعلیٰ درجے کے دستکار تھے۔ سمجھا جاتا ہے کہ سکے سب سے پہلے انھی نے بنائے۔ ابتدائی زمانے میں انھیں اسپ سواری کا بہت شوق تھا۔ یہاں سب سے پہلے 670 ق م میں بادشاہی کی بنیاد پڑی۔ پھر یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب سائرس نے یہ 547 ق م میں لیڈیا کو فتح کر لیا۔ اس زمانے میں کروئی سس (Croesus) لیڈیا کا بادشاہ تھا۔ چنانچہ لیڈیا سکندر کی آمد تک ایرانیوں ہی کے قبضے میں تھا۔

یونانی حکومتیں:

سکندر نے فرجیا کو فتح کرنے کے بعد اینٹی گونس کو وہاں کا گورنر بنا دیا تھا۔ سکندر کی وفات کے بعد اینٹی گونس نے ایشیائے کوچک کا بڑا علاقہ فتح کر لیا اور 306 ق م میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ 301 ق م میں اس کے وفات پا جانے پر ایشیائے کوچک کے ساحلی علاقے سلوکیوں اور بطلیموسیوں کے درمیان تقسیم ہو گئے۔ پھر مختلف حکومتیں وہاں پیدا ہوئیں، جن کے حکمران یونانی تھے، مثلاً پرگیم (Pergamum) بتھینیا (Bithynia) کپاڈوشیا، پونٹس (Pontus) اور گلاٹیا (Galatia) آخر میں رومیوں نے ان سب کو مسخر کر لیا۔

ایران
(دارا سوم تک)

جغرافیائی کیفیت:

ایران ایک سطح مرتفع ہے، جو دریائے دجلہ کے مشرق سے شروع ہو کر وادی سندھ تک چلی آتی ہے۔ یہ ملک دراصل خلیج فارس اور بحر ہند سے بحیرۂ قزوین اور سیر دریا یا دریائے سیحوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سطح مرتفع میں سے مادہ (دارالحکومت اکبتانا اور رغائی عیلام (دارالحکومت سوس)۔ ایران (دارالحکومت پرسی پولس) جو مغرب میں واقع ہیں، تاریخ میں انتہائی اہمیت کے مالک سمجھے گئے ہیں۔ ان کے برعکس مشرق علاقوں یعنی سغد یا نا باختر، آریا درنگیانا اور اراکوسیا کو وہ حیثیت حاصل نہیں۔ اس سطح مرتفع کے شمالی و مغربی حصے میں پارتھیوں نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ مشرق قریب میں رومہ کے حریف بن گئے۔

ایران کی آبادی قدیم زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار یا پانچ ہزار سال قبل سوس میں ایسے لوگ آباد تھے جو تانبے کا استعمال جانتے تھے اور مٹی کے برتنوں پر جانوروں کی ایسی تصویریں بناتے تھے جو اصل سے بالکل مشابہ ہوتی تھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل عیلامیوں کو اقتدار حاصل ہوا۔ سولھویں صدی قبل مسیح میں کسی عروج پا گئے اور وہ قریباً چار سو سال تک بابل پر حکمران رہے۔ پھر آریاؤں کا دور شروع ہوا، جن کے اخلاف ایک طرف یورپ اور دوسری طرف ایران و ہندوستان پہنچے۔

مذہب:

قدیم ایرانیوں کا مذہب ہندوستانیوں کے ویدک دھرم سے ملتا جلتا تھا۔ وہ متھرا کی پوجا کرتے تھے، جو سورج دیوی کا نام تھا۔ ابتدائے آفرینش کے متعلق ان میں عجیب و غریب کہانیاں مشہور تھیں۔ زرتشت نے پرانے آریائی مذہب میں اصلاح کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کا آغاز علاقہ مادہ میں حضرت مسیح علیہ السلام سے 660 سال قبل ظہور ہوا، لیکن اسے خاص فروغ باختر کے علاقے میں ہوا جو افغانستان کے شمال میں کوہ ہندوکش اور دریائے جیحوں کے درمیان واقع تھا۔ ایران کے بادشاہ گشتاسپ نے پہلے پہل یہ مذہب قبول کیا اور اس کے پرانے بھجن اوستا کی شکل میں مرتب ہوئے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ دنیا میں خیر و شر اور حق و باطل کی دو قوتیں ایک دوسرے کے مقابلے پر جمی ہوئی ہیں۔ جو شخص خیر کے دیوتا کے

احکام مانے گا، وہ نجات پائے گا۔ خیر کے دیوتا کو اھورمزدہ یا ھومزد یعنی خدائے عقل کہتے تھے۔ باطل یا شر کی قوت کا نام اھرمن رکھا تھا، یعنی شیطان۔ موت کے بعد انسان کو اپنے اعمال کا بدلہ لینے کے لیے ایک پل پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ نیک لوگ اس پر سے صحیح سالم گزر جاتے ہیں اور شریر لوگ گزرتے وقت نیچے گر جاتے ہیں۔

ابتدائی سرگزشت:

پرانی سرگزشت کے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ سمیریوں، اکادیوں اور عیلامیوں کے درمیان مسلسل لڑائیاں جاری ہیں۔ پہلے عیلامیوں پر دباؤ پڑا، پھر انھوں نے اکادیوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے مندر تباہ کر ڈالے۔ حمورابی نے عیلامی بادشاہ کو معزول کر دیا۔ 1130 ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر اول نے عیلامیوں کو شکست دی۔ پھر عیلام و بابل کے بادشاہوں نے مل کر 721 ق م میں اشوری قوت کو کچل دیا۔ آخری دور میں بابلیوں کو دوبارہ خاصا عروج حاصل ہو گیا، یہاں تک کہ سائرس[1] کا ظہور ہوا اور اس نے ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی، جس کا ایک دارالحکومت سوس بھی تھا، جو عیلامیوں کا مرکز چلا آتا تھا۔

مادی سلطنت کا آغاز 835 ق م میں ہوا اور یہ 705 ق م تک جاری رہی۔ پھر مادہ اشوریوں کے زیر اثر آ گیا۔ 625 ق م میں دوبارہ مادی سلطنت نے سنبھالا لیا اور بابلیوں کے ساتھ مل کر نینوئی کو تباہ کیا۔

ہخامنشی سلطنت:

ہخامنشی سلطنت کا آغاز سائرس اعظم سے ہوا جس نے 550 ق م میں مادی بادشاہ اسٹیاگس کو معزول کیا۔ 546 ق م میں لیڈیا کو فتح کیا، 538 ق م میں بابل کو۔ اس کے بعد مشرقی سمت میں اپنی سلطنت دریائے سندھ تک بڑھا لی۔ ایشیا میں یہ پہلی بڑی شہنشاہی تھی، بلکہ اس سے پیشتر دنیا کی تاریخ میں ایسی شہنشاہی کا سراغ نہیں ملتا۔ 530 ق م میں سائرس ترکستانی قبیلوں سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔

ایرانی شہنشاہ:

ہخامنشی سلطنت 330 ق م تک قائم رہی۔ اس دور میں متعدد شہنشاہ تخت نشین ہوئے، مثلاً سائرس کا بیٹا کمبوچہ، جس نے مصر فتح کیا۔ سائرس کے بعد سب سے بڑا بادشاہ دارا گشتاسپ تھا، جو 521 سے 485 تک حکمران رہا۔ اس نے پوری سلطنت کو بیس صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور حکومت کے چار مرکز بنائے تھے یعنی سوس، پرسی، پولس، اکبتانا اور بابل۔ اس نے پوری مملکت میں عمدہ سڑکیں بنوائیں۔ شاہی

قاصدوں کے لیے قیام گاہیں تعمیر کرائیں۔ دریائے نیل سے بحیرہ قلزم تک ایک نہر کھدوائی اور یونان کے خلاف جنگ کا آغاز اسی سے ہوا۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے شکست کھائی۔

یونانیوں سے کشمکش:

یونانیوں سے کشمکش کا آغاز ہوا تو مختلف بادشاہ اپنے اپنے وقت میں حملے کرتے رہے۔ سب سے بڑا حملہ زرکسیس اول کا تھا لیکن اس نے بھی خشکی اور تری دونوں مقامات پر شکست کھائی۔ 456 میں قبرص پر حملہ کر دیا۔ اس وقت سے ہخامنشی سلطنت پر زوال کا دور شروع ہو گیا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ دارا سوم تھا جس نے سکندر اعظم کے مقابلے میں شکست کھائی۔ ایران پر یونانی قابض ہو گئے اور دارا بھاگتا ہوا اپنے ہی درباریوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

ہندوستان

(پہلی صدی ق۔م تک)

ابتدائی دور:

ہندوستان کے اندر سب سے پہلے جس شہری تہذیب کا ظہور ہوا وہ وادی سندھ کی تہذیب تھی، جس کے آثار ہڑپہ اور موہن جودڑو میں ملتے ہیں۔ ان کی کھدائی 1920ء سے شروع ہوئی۔ ابھی تک یہ طے نہیں ہوسکا کہ اس تہذیب کو عراق کی تہذیب سے کیا تعلق تھا، جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل پیدا ہو چکی تھی اور اس تہذیب سے کیا تعلق تھا جس نے بعد میں ہندوستان کے اندر فروغ پایا۔ ایرانی سطح مرتفع کے آریاؤں کی ابتدائی حالت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں، لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ ہندوستان پر ان کے حملے شروع ہوئے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے شمالی ہند کے زرخیز میدانوں پر قبضہ کر لیا اور سیاہ فام دراوڑیوں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ ان فتوحات کا سلسلہ دو ہزار سال (2000) قبل مسیح سے 1200 ق م تک جاری رہا۔

1200 ق م۔ 800 ق م کا زمانہ:

ہندوستانی آریہ بھی رومیوں اور یونانیوں کی طرح قدرتی مظاہر کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا دیوتا اندر تھا، جسے ہوا اور طوفان کا دیوتا کہتے تھے۔ اگنی دیوی کی بھی وہ پوجا کرتے تھے، جو قربانیوں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ جو منتر قربانیوں کے موقع پر پڑھے جاتے تھے ان کا پہلا مجموعہ دریائے گنگا کے مغربی حصے میں 1200 ق م۔ 1000 ق م کے درمیان مرتب ہوا، اس مجموعے کا نام رگ وید ہے۔ بعد میں شام وید، یجروید اور اتھرووید مرتب ہوئے۔ رگ وید سے معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کے معاشرے کا نظام قبیلوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر قبیلے کے سردار کو مختار مانا جاتا تھا، وہ لوگ مویشی پالتے تھے اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بالغوں کی شادیوں کا رواج تھا۔ بیوہ عورتیں دوبارہ شادی کر لیتی تھیں۔ قبیلے آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے اور آس پاس کے مقامی قبیلوں سے بھی رزم و پیکار کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

800 ق م۔ 550 ق م کا زمانہ:

اس زمانے میں آریہ مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مگدھ تک پہنچ گئے یعنی موجودہ زمانے

کے صوبہ بہار تک۔ اسی زمانے میں ویدوں کی شرحیں لکھی گئیں اور اپنشدوں کا آغاز ہوا۔ ویدوں کے مطابق ذات پات کا پیدا ہوا۔ اول برہمن یعنی مذہبی پروہت یا مذہبی پیشوا، دوم چھتری یعنی سپاہی اور سپہگر، سوم ویش جن میں کسان اور دستکار سب شامل تھے۔ چوتھا گروپ شودروں کا تھا، جن بے چاروں سے غلاموں کا کام لیا جاتا تھا اور وہ مقامی باشندے تھے۔ ان کے رنگ کالے تھے اور انھیں عام آبادیوں سے الگ رکھا جاتا تھا۔ ذات پات کے نظام پر زیادہ زور دیئے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ مذہبی پیشوا اور سپہگر اپنا اقتدار ہمیشہ کے لیے بحال رکھنے کے خواہاں تھے اور جن لوگوں کے مختلف پیشوں میں خاص مہارت حاصل کرلی، وہ کسی کو ساجھی بنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ذات کے اندر شادی کرنے کا رواج بھی اسی عہد میں عام ہوا۔ برہموں یعنی مذہبی پیشواؤں نے آہستہ آہستہ مذہبی رسموں کو اتنا پھیلالیا کہ عام آدمیوں کے لیے پیشواؤں کی مدد کے بغیر کوئی رسم ادا کرنا ممکن نہ رہا۔ ان میں تناسخ کا عقیدہ عام ہوگیا، یعنی انسان اپنے اعمال کی بنا پر نیا جنم لیتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی مدت تک جاری رہتا ہے۔ تناسخ کے چکر سے نجات حاصل کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ انفرادی روح ''روح کل'' میں جذب ہوجائے جو کائنات میں جاری وساری ہے۔

جین مت کا ظہور:

جس علاقے پر آریہ قابض ہوئے تھے وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا تھا۔ ابتدائی فہرست میں ایسی سولہ ریاستوں کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

آہستہ آہستہ برہمنوں کے خلاف تحریکیں جاری ہوئیں، جن میں سے زیادہ بلند حیثیت جینی تحریک نے اختیار کی۔ جین مت کا ظہور چھٹی صدی قبل مسیح میں مگدہ کے اندر ہوا۔ اس کا بانی اپنے پیروؤں سے چار حلف اٹھواتا تھا۔ کسی جان کو نقصان نہ پہنچانا، چوری نہ کرنا، ہمیشہ سچ بولنا، اور کسی شے کو اپنی ملک نہ بنانا۔ جین مت نے زیادہ ترقی مہاویر کے زمانے میں کی، جو اس مت کا سب سے مشہور پیشوا ہے۔ اس نے مندرجہ بالا چار باتوں کے علاوہ شادی نہ کرنے اور سختی سے درویشی کی زندگی گزارنے پر بھی زور دیا۔ وہ کہتا تھا کہ اسی طرح انسان کی روح مادی دنیا کے جکڑ بندوں سے نجات پا کر غیر فانی بن سکتی ہے۔

مہاتما بدھ:

چھٹی صدی قبل مسیح ہی میں ساکیا قبیلے کے راجا کا بیٹا گوتم بدھ راج پاٹ چھوڑ کر درویش بنا اور نجات کی تلاش کرتے کرتے اسے ایک خاص روشنی ملی۔ اس نے مہاتما بدھ کا لقب پایا۔ وہ کہتا تھا کہ برہموں کا نظام اور سنیاس یعنی درویشی دونوں بے اثر ہیں۔ نجات ہر انسان کی انفرادی کوشش پر موقوف ہے۔ ہر شخص کو

چاہیے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر غور و فکر میں لگ جائے اور مذہبی معرفت حاصل کر لے۔ اسے اپنے اخلاق بہت بلند بنانے چاہئیں۔ بدھ نے جس دھرم کی بنیاد رکھی اس کی اشاعت کے لیے وہ جگہ جگہ پھرتا رہا۔ اس کی وفات پر پانچ سو چیلے جمع ہوئے، جنھوں نے پورا مذہبی نظام مرتب کر لیا، پھر اس کی اشاعت شروع کی۔

ایرانیوں کا اقتدار:

چھٹی صدی قبل مسیح کے آخری حصے میں دارا گشتاسپ نے آریاؤں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر گندھارا پر قبضہ کر لیا اور اپنے امیر البحر کو جو یونانی تھا، حکم دیا کہ دریائے سندھ کے متعلق تمام حالات فراہم کرے۔ ہندوستان سے ایرانیوں کے براہ راست تعلق کا یہ پہلا دور تھا، لیکن یہ صرف دریائے سندھ اور اس کے آس پاس تک محدود رہا۔

سکندر کا حملہ:

327 ق م میں سکندر پنجاب پہنچا۔ فروری 326 ق م میں وہ دریائے سندھ عبور کر کے ٹیکسلا آیا اور کچھ مدت بعد دریائے جہلم کے کنارے پورس سے جنگ کی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور چاہتا تھا کہ ہندوستان کے آخری مشرقی گوشے تک جائے، لیکن فوج نے انکار کر دیا، لہٰذا اسے واپس ہونا پڑا۔

موریہ سلطنت کی ابتداء:

321 ق م میں موریہ سلطنت کی ابتداء ہوئی جاس کا دارالحکومت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا۔ اس سلطنت کے بانی چندر گپت موریہ نے پہلی مرتبہ شمالی ہندوستان کو متحد کیا۔ یہ سلطنت مغرب میں ہرات تک پہنچی ہوئی تھی۔ 305 ق م میں سلیوکس نے حملہ کیا۔ چندر گپت نے اسے شکست دی۔ پھر سلیوکس کا سفیر میگا ستھنیز اموریہ دربار میں آگیا۔ اس نے ہندوستان کے حالات تفصیل سے لکھے، لیکن اس کتاب کے وہی حصے باقی رہ گئے ہیں جو مختلف مورخوں نے اپنی کتاب میں شامل کر لیے تھے۔

مہاراجہ اشوک:

موریہ خاندان کا سب سے بڑا فرمانروا مہاراجا اشوک تھا جو 274 ق م میں مسند نشین ہوا اور 236 ق م میں وفات پائی۔ اس نے سب سے پہلے کلنگا (موجودہ اڑیسہ) کو فتح کیا۔ اس لڑائی میں بے شمار آدمی مارے گئے۔ اسی واقعے سے متاثر ہو کر اشوک نے خونریزی ترک کر دی، بدھ مت اختیار کر لیا اور اپنی باقی عمر

رعایا کی خدمت اور بدھ دھرم کے پرچار میں گزار دی۔اس نے بدھ مبلغوں کو شام، مصر، مقدونیہ، برما اور سیلون میں بھیجا۔اس کی بیٹی نے نیپال کے باشندوں کو بدھ دھرم کے حلقہ بگوش بنایا۔اشوک قدیم ہندوستان کا نہایت مشہور فرمانروا ہے۔اس نے جا بجا پتھر اور لوہے کی لاٹھیں نصب کیں، جن پر اپنے دھرم کے اصول کندہ کرائے۔

رامائن اور مہا بھارت:

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ آریاؤں کے زمانے میں دو کتابوں نے خاص مذہبی حیثیت حاصل کر لی تھی: ایک رامائن، دوسری مہا بھارت۔رامائن میں رام چندر جی کی زندگی کے واقعات درج کیے گئے ہیں۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بیٹے، بھائی، بیوی اور فرمانروا کے لیے مثالی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔مہا بھارت کا سب سے اہم حصہ بھگوت گیتا ہے، جو کرشن جی کا ایک اپدیش یا وعظ ہے۔کورو اور پانڈو ایک یہ خاندان کے دو حصے تھے۔ان کے درمیان تھانیسر کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔ جنگ میں سری کرشن جی پانڈو کے حامی تھے،لیکن پانڈو کے سب سے بڑے جنگجو ارجن نے میدان میں پہنچ کر لڑنے سے انکار کر دیا، اس لیے کہ مقابلہ اپنوں ہی سے تھا۔سری کرشن جی نے اسے حق اور باطل کا فرق بتایا اور یہ تلقین کی کہ حق کے لیے لڑنا اور ہر قربانی کرنا حد درجہ ضروری ہے۔ گویا انسان کی رشتہ داری خونی قرابت پر نہیں، بلکہ سچائی پر مبنی ہے۔ چنانچہ پانڈو نے سری کرشن جی کی مدد سے اس جنگ میں کامیابی حاصل کی۔

بیرونی حملے اور اندرونی حالت:

184 ق م میں موریہ سلطنت ختم ہوگئی۔اس وقت باختر کے یونانی بادشاہ پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔وادی گنگا میں پشیامتر نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی۔وہ 72 ق م میں ختم ہوگئی۔ یہ زمانہ ہے جس میں یواہ چی قبیلے نے ستھیوں کو شکست دی۔یونانیوں سے باختر چھین لیا، پھر وہ لوگ پنجاب بلوچستان اور سندھ پر قابض ہو گئے۔

چین

(پہلی صدی ق-م تک)

قوم اور زبان:

اب تک جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ چین کے ابتدائی باشندے جو بھی تھے، ان کی زبان اور تہذیب موجودہ چین کے شمالی باشندوں کی زبان اور تہذیب سے ملتی جلتی تھی۔ وہاں مختلف حصوں سے لوگ پہنچتے رہے اور ان کی نسل مخلوط ہوتی گئی۔ جدید حجری دور میں تین مختلف تہذیبوں کا سراغ ملتا ہے۔ پہلی تہذیب جس میں مٹی کے معمولی برتن بنائے جاتے تھے، دوسری تہذیب جس میں مٹی کے برتنوں پر سرخی اور سیاہی سے نقاشی کی جاتی تھی، تیسری تہذیب جس میں نہایت خوبصورت، نازک اور سبک برتن بنتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آخری تہذیب دراصل بحرالکاہل کی تہذیب تھی۔

ابتدائی حکومتیں:

ہمیں دو ایسے علمی ذخیرے ملتے ہیں جن میں 841 ق م سے پیشتر کی حکومتوں کا حال بیان کیا گیا ہے اور مختلف شاہی خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب بتائے گئے ہیں، لیکن ان کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے ایک خاندان حکمران رہا، پھر شنگ یا ین خاندان نے اس کی جگہ لے لی، جس میں تین بادشاہ گزرے۔ یہ لوگ دریائے زرد کے اردگرد کے علاقے پر قابض تھے۔

1000 ق م کے آس پاس چو خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس خاندان کے بادشاہ اپنے آباؤ اجداد اور دیوتاؤں کے لیے قربانیاں کرتے تھے اور نظم و نسق کا کاروبار کرتے تھے۔

770 ق م کے قریب ایک اور خاندان کی حکومت شروع ہوئی جسے مشرقی چو خاندان کہتے ہیں۔

بعد کی سرگزشت:

بعد کے حالات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

(1) 458 ق م-424 ق م، ملک تین مختلف حصوں میں بٹ گیا۔

(2) 403 ق م-221 ق م، تک باہم رزم و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔

(3) 307 ق م میں دولنگ نے خاصا اقتدار حاصل کرلیا اور اس کے عہد سے ڈھیلے ڈھالے چینی لباس کے بجائے ایرانی شلوار اور کمر بند پہننے کا دستور جاری ہوگیا۔

(4) چئن (Chin) نے اپنے تمام حریفوں پر فتح پائی اور اسی کو چینی فلسفے کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔

چار اخلاقی دبستان:

اس عہد میں چار اخلاقی دبستان پیدا ہوئے، جن کی مختصر کیفیت یہ ہے:

(1) لاؤزو (Lao-tzu) اصل شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ انسان کائنات کا ایک جزو ہے۔ وہ آسمانی قانون کے تابع ہے اور اس کی اپنی فطرت اس کے لیے بہترین اخلاقی رہنما ہے۔

(2) موٹی (Moti) یہ محبت امن اور کفایت شعاری کی تعلیم دیتا تھا اور کہتا تھا کہ داناؤں کو عمل کے خاص معیار پیش کرنے چاہئیں۔

(3) کوانگ چو یا کنفوشس (Kung Chiu یعنی Confucius) اس کی تعلیم یہ تھی کہ انسان کو سوچ سمجھ اور ضبط نفس سے کام لینا چاہیے۔ اسی طرح اس کے تمام اعمال درست ہوتے ہیں۔ اسے چاہیے کہ علم حاصل کرے، اپنے اخلاق بلند رکھے اور شفقت و انصاف کی بنا پر عام لوگوں کو راہ راست پر چلائے۔ اس کے دانشمندانہ اقوال ایک صدی بعد مرتب ہوئے۔ چین کا یہ سب سے بڑا فلسفی اور معلم اخلاق مانا جاتا ہے۔

(4) شن کوانگ (Shunkuang یا Shuntzo) یا شنزو، اس کی تعلیم یہ تھی کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے اور اپنی عادتیں درست رکھنی چاہئیں۔ یہ کہتا تھا کہ انسانوں کو جبر سے بھی قواعد و ضوابط رکھنا جائز ہے۔

نظم ونسق:

چین کے وزیر شانگ ینگ نے مضبوط مرکزی نظام حکومت تیار کیا اور سرکاری کارکنوں کی ایک مستقل جماعت پیدا کردی۔ نیز اس نے زراعت کو بڑی ترقی دی۔

چینی تہذیب میں یونانی اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ غالباً سغد یانہ پر سکندر کے حملے کا نتیجہ ہیں۔

یونان

(جانشینانِ سکندر تک)

جغرافیائی حیثیت:

یونان بلقان کے کوہستانی علاقے کا ایک حصہ ہے، جو جنوب کی طرف آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس کے مشرق، مغرب اور جنوب میں سمندر واقع ہے۔ مشرق میں بحیرۂ ایجہ جو اسے ایشیائے کوچک سے جدا کرتا ہے اور مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک جو اس کے بیز اٹلی اور سسلی کے درمیان حائل ہے۔ یونان کی جنوبی سمت میں دو خلیجیں واقع ہیں جنھوں نے اسے قریباً دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ بیچ میں صرف ایک تنگ خاکنائے رہ گئی ہے، جو جنوبی حصے کو شمالی حصے سے ملاتی ہے۔ اس جنوبی حصے کا نام پلپونیس (Peloponnese) ہے۔ ان خلیجوں میں سے مغربی کا نام کارنتھ ہے، جو اس نام کی ایک بندرگاہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس خلیج کی وجہ سے کارنتھ ابتداء ہی میں بحری تجارت کا خاص مرکز بن گیا اور جنوبی و شمالی یونان کے تعلقات میں کارنتھ کو ابتدا ہی سے خاص اہمیت حاصل رہی۔

آبادکاری کی توسیع:

ملک زیادہ تر کوہستانی تھا اور اس میں کھیتی باڑی کے امکانات زیادہ نہ تھے۔ سمندر سے گھرے ہوئے ہونے کے باعث یونان کے لوگ ابتداء ہی سے ملاحی اور بحر پیمائی کی طرف مائل ہو گئے اور ان کے ملک میں بہت سی خودمختار شہری ریاستیں بن گئیں، جن میں سب سے بڑی ریاست سپارٹا کا رقبہ تین ہزار مربع کلومیل تھا۔ دوسری بڑی ریاست ایتھنز کا رقبہ ایک ہزار مربع میل تھا۔ واضح رہے کہ ان ریاستوں کا رقبہ غیر معمولی طور پر زیادہ تھا۔ باقی ریاستیں ان سے بہت چھوٹی تھیں۔

زیادہ موزوں بندرگاہیں یونان کے مشرقی ساحل پر واقع تھیں۔ ان کے سامنے بحیرۂ ایجہ میں جزیروں کا زنجیرہ پھیلا ہوا تھا، لہٰذا یونانی ملاح ابتدا میں اسی جانب سرگرم عمل ہوئے اور وہ مختلف جزیروں میں سے ہوتے ہوئے ایشیائے کوچک کے ساحل پر پہنچ گئے، جہاں انھوں نے نوآبادیاں قائم کر لیں۔ ساتھ ہی آبناؤں میں سے گزرتے ہوئے یوکسین[1] میں جا نکلے، جہاں سے انھیں ضرورت کا خام مال مل سکتا تھا۔ پھر مغربی جانب بھی توسیع کا سلسلہ جاری ہوا۔ چنانچہ یونانی ملاح جزیرہ کاریرا[2] ہوتے ہوئے خلیج ٹرنٹو، اٹلی اور

سسلی پہنچ گئے اور وہاں بھی نوآبادیاں قائم کرلیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے یونان کے بعض حصوں کی زمین کوہستانی تھی اور ندی نالوں کی وجہ سے بہت کٹ پھٹ گئی تھی، لہٰذا ہر حصے میں ضرورت کے مطابق غلہ پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ نیز دریا اور ندی نالے بہت تیزی سے بہتے تھے اور ان سے زمین کی آبیاری کا کام لینے کی صورت نہ تھی، لہٰذا جن حصوں میں غلہ کم پیدا ہوتا تھا وہ اپنے ملک کے افراط والے علاقوں سے یا سسلی، یوکسین وغیرہ سے غلہ درآمد کرتے تھے۔ قلیل پیداوار کے حصوں میں زیادہ تر زیتون اور انگور کی کاشت ہوتی تھی۔ شراب اور زیتون کا تیل یا بعض دوسری مقامی مصنوعات باہر بھیجی جاتی تھیں۔

بحیرہ ایجہ کی تہذیب:

یونانیوں سے پیشتر جزیرہ کریٹ میں تہذیب کا آغاز ہوا، جس کی اجمالی سرگزشت یہ ہے:

(1) کریٹ میں برنجی دور کا آغاز (قریباً 4000 ق م)۔ اس زمانے میں صنعت کو فروغ حاصل ہوا، خصوصاً مٹی کے برتن بنانے میں۔

(2) ہیروغلافی تحریرات کا آغاز (تقریباً 2300 ق م)۔

(3) جزیرے میں زیادہ سے زیادہ دو حکومتیں بنیں۔ نوسوس (Cnossus) میں محلات تعمیر ہوئے۔ چونکہ ٹیکس جنس کی صورت میں وصول کیے جاتے تھے لہٰذا ان کے لیے بڑے بڑے گودام بنائے گئے۔ باشندے عام طور پر شہروں میں رہتے تھے اور حکمران کے محل کے آس پاس مکان بناتے تھے۔ کھیتی باڑی عام تھی۔ صنعتیں بھی جاری تھیں اور تجارت بھی خوب ہوتی تھی۔

(4) 1600 ق م کے قریب کریٹ میں کوئی انقلاب آیا اور نئی تہذیب دور دور تک پھیلی اور اس کے اثرات یونان میں بھی پہنچے۔ یونانی قبیلوں کے سرداروں نے اپنے لیے مضبوط قلعے بنالیے۔ یہ تہذیب کوئی 1100 ق م تک جاری رہی۔

یونان پر حملے:

کوئی تین ہزار ق م سے دو ہزار ق م تک کوہستانی علاقوں سے مختلف قبیلے جنوبی سمت میں آتے رہے، پھر دور دور سے قبیلوں کی آمد شروع ہوئی۔ جو تازہ دم وحشی باہر سے آتے وہ پہلے سے آباد قبیلوں کو آگے دھکیل کر ان کی جگہ لے لیتے۔ اسی طرح مختلف طبقے تھریس اور ساحل ایڈریاٹک کے ساتھ ساتھ آباد ہوئے۔ انھی

میں سے کچھ لوگ ایشیائے کوچک پہنچے اور انھوں نے ٹرائے کو لوٹا جس کا پرانا نام ایلیم (Ilium) تھا۔ یہی قبیلے کریٹ، قبرص اور بحیرۂ ایجہ کے دوسرے جزیروں نیز سمرنا یا ایشیائے کوچک کے دوسرے مقامات پر آباد ہوئے۔

ابتدائی کیفیت:

شروع میں کہیں کہیں بادشاہیاں قائم ہو گئی تھیں، جن کی جگہ امراء نے لے لی اور وہی تمام اختیارات کے مالک بن گئے، اس لیے کہ ان کے پاس اعلیٰ درجے کے فولادی ہتھیار تھے، نیز انھوں نے غریب دھقانوں سے بڑی بڑی جائدادیں حاصل کر لی تھیں۔ ھومر کی نظمیں ایلیڈ (Lliad) اور آڈیسے [1] ایسے ہی امراء کے لیے لکھی گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ خوراک کی کمی محسوس ہونے لگی اور لوگ باہر نکل نکل کر ایسی جگہوں میں آباد ہونے لگے جہاں انھیں کھانے پینے کی کوئی دقت پیش نہ آ سکتی تھی اور کاروبار بھی بخوبی چلتا تھا۔ چنانچہ 800ق م اور 600ق م کے درمیان مصر، ایشیائے کوچک، سسلی، اٹلی و شمالی افریقہ وغیرہ میں بہت سی یونانی نوآبادیاں بن گئیں۔ یہ نوآبادیاں زیادہ تر انھی جگہوں میں قائم ہوئیں جہاں تجارتی روابط موجود تھے اور جہاں نوآبادیاں قائم ہوئیں وہاں تجارت کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ اسی زمانے میں مسکوک روپیہ جاری ہوا۔ اس وجہ سے اقتصادی حالات زیادہ بگڑ گئے اور غلامی کا دائرہ وسیع ہو گیا۔

استبداد کا آغاز:

650ق م کے آس پاس مختلف اسباب کی بنا پر یونان میں استبداد کا آغاز ہوا، جس کے مختلف اسباب تھے، مثلاً امراء نے بے زمین تاجروں اور صنعت کاروں کو برابر کا سیاسی درجہ دینے سے انکار کر دیا۔ کسانوں پر دولت مندوں کی طرف سے سخت ظلم و ستم شروع ہو گیا۔ قرضے بڑھ گئے اور مقروضوں کو مجبور ہو کر یا غلامی قبول کرنی پڑی یا وہ ملک چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ سرمایہ داروں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور بے چینی کو بڑھا دیا تا کہ قائم شدہ حکومتیں ختم ہو جائیں اور ارباب استبداد برسر اقتدار آ جائیں۔ چنانچہ انھوں نے سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور عوام کو خوش رکھنے کی غرض سے میلوں کا انتظام کرتے رہتے تھے۔

ایشیائے کوچک کی ریاستیں:

یونان میں متعدد ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ اکثر اصل یونان میں تھیں اور بعض بیرونی آبادیوں میں تھیں اور بعض بیرونی آبادیوں میں، مثلاً ایشیائے کوچک کی یونانی ریاستوں میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(1) ریاست فرجیا۔ یہ ریاست 705ق م میں قائم ہوئی تھی۔ ایشیا میں بس جانے والے یونانیوں پر اس نے خاصا گہرا اثر ڈالا۔ اسے کیمریوں (Cimerians) نے تباہ کیا جو جنوبی روس کی طرف سے آئے تھے۔ (یہ غالباً تاتاری تھے)

(2) لیڈیا۔ فرجیا کی جگہ لیڈیا کی سلطنت قائم ہوئی۔ کیمریوں نے اس کے مختلف شہروں پر بھی حملہ کیا اور مادہ یا میڈیا کے بادشاہ سے بھی لیڈیا کی لڑائیاں رہیں۔ بالآخر دونوں نے 585ق م میں باہم صلح کر کے دریائے ھیلس [1] کو حد مقرر کر لیا۔ اس کا آخری بادشاہ کروے سس تھا، جسے 546ق م میں سائرس نے شکست دے کر لیڈیا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

یونان کی ریاستیں:

یونانی ریاستوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مثلاً پلیپونس یعنی جنوبی حصے میں لیکونیا، میسیا، آرکیڈیا، آرکائیا، آرگوس، کارنتھ، میگارس وغیرہ۔ ان میں سے لیکونیا نے جو عام طور پر سپارٹا کے نام سے مشہور ہوئی، بہت اقتدار حاصل کر لیا۔ آس پاس کی ریاستوں کو جنگ کے ذریعے سے مسخر کیا۔ سب سے زیادہ لڑائیاں میسیا کے خلاف ہوئیں۔ اسے قبضے میں لے لینے کے بعد سپارٹا والوں نے ایسا انتظام کیا کہ آئندہ بغاوت کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ مثلاً سات سال کی عمر کے تمام آدمی فوج میں بھرتی کر لیے۔ ان کے لیے ضروری قرار دیا کہ بارکوں میں رہیں اور فوجی طعام گاہوں سے کھانا کھائیں۔

سپارٹا نے 560ق م میں پلیپونیس کی ایک لیگ بنائی، جس سے آرگوس اور آرکائیا کی ریاستیں باہر تھیں۔ اس لیگ میں طے ہوگیا کہ تمام ممبر ریاستیں خارجہ پالیسی کے متعلق رائے دینے کی یکساں حقدار ہوں گی۔ ہر ریاست جنگ کے موقعے پر دو تہائی فوج میدان میں بھیجے گی اور جنگی اخراجات کے سوا کسی سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے گا۔ خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ سپارٹا استبدادی حکومت کے خلاف رہا۔

شمالی کوریا:

شمالی یونان میں بھی متعدد ریاستیں تھیں۔ ان سب کی تعداد بارہ یا تیرہ سے کم نہ ہوگی۔ ان میں سے پہلا درجہ اٹیکا کو حاصل ہے، جس کا صدر مقام ایتھنز تھا اور یہ ایتھنز ہی کی ریاست کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے قدیم دستور کے مطابق تمام باشندوں کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ امراء کے طبقے نے آہستہ آہستہ بادشاہ کے اختیارات گھٹا دیئے۔ اس کے فوجی وظائف ایک شخص کے حوالے کر دیئے اور انتظامی

وظائف کے لیے ایک الگ شخص مقرر کر دیا۔ 683ق م میں موروثی بادشاہی ختم کر دی گئی۔ ہر سال فوجی ناظم یا سپہ سالار کی طرح اس عہدے کے لیے بھی ایک آدمی منتخب ہوتا۔ اس وقت سے دستور ہو گیا کہ ہر سال ایک آدمی منصب شاہی کے لیے منتخب ہوتا، ایک سپہ سالاری کے لیے، نو حاکم نظم و نسق کا کاروبار چلانے کے لیے چنے جاتے۔

حکیم سولن:

جب سے تجارت اور کاروبار کے لیے مسکوک روپیہ جاری ہوا تھا اور ضرورت مندوں نے سودی قرض لینا شروع کیا تھا، آہستہ آہستہ سود کی شرح بڑھتے بڑھتے 18 فیصد پر پہنچ گئی اور لوگوں کی مالی حالت سخت تشویش ناک ہو گئی، لہٰذا 593 میں ایتھنز نے زمانہ قدیم کے مشہور حکیم سولن [1] کو نظم و نسق کا مختار بنا دیا اور اصلاحات کے پورے اختیارات دے دیئے۔ سولن کا تعلق متوسط طبقے سے تھا لہٰذا سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے حقیقی حالات سے پوری آگاہی تھی، اس نے اختیارات سنبھالتے ہی وہ تمام قرضے منسوخ کر دیئے، جن میں زمینیں مکفول تھیں۔ جو لوگ قرضوں کے سلسلے میں غلام بنے تھے، ان سب کو آزاد کر دیا۔ جو لوگ غلاموں کی حیثیت میں بیرونی ممالک کے باشندوں کے ہاتھ فروخت ہو چکے تھے، ان کا روپیہ سرکاری خزانے سے ادا کر کے انھیں آزاد کرا دیا گیا۔ اسی طرح عدالتی قانون میں اصلاحات ہوئیں اور قتل کے سوا تمام جرموں کی سزاؤں میں نرمی کر دی۔ اس وجہ سے حکیم سولن کا نام بہت مشہور ہوا، لیکن اس کی اصلاحات کے بعض پہلو مزید توجہ کے محتاج تھے، مثلاً آزاد شدہ غلاموں کے لیے زمین یا کسی دوسرے وسیلہ معاش کا انتظام نہ کیا گیا تھا، نیز صنعت کار و تاجر سیاسی حقوق سے محروم ہو گئے تھے اس لیے کہ سیاسی ووٹوں کا نظام کھیتی باڑی کی بنا پر تیار کیا گیا تھا۔

دورِ استبداد:

561ق م سے 508ق م تک ایتھنز میں استبدادی حکومت کا دور رہا۔ اس کا بانی پِسیس ٹریٹس (Peisistratus) تھا، پھر اس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے جانشین بنے۔ 510 میں سپارٹا کی امداد سے استبداد کا خاتمہ ہوا اور جمہوری اصول کی بنا پر نیا دستور تیار ہوا۔ اس وقت سے سپارٹا کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا اور سپارٹا والے وقتاً فوقتاً یورشیں بھی کرتے رہتے تھے۔ 507 میں ایتھنز والوں نے سپارٹا کا اثر و اقتدار ختم کر دیا۔ وسطی اور شمالی یونان کی ریاستوں کا تفصیلی ذکر ضروری نہیں، اس لیے کہ ان میں قابل ذکر واقعہ ایک بھی نہیں۔ وہ آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے درمیان مقدس جنگ بھی ہوئی، جس کا تعلق ڈیلفی کے مندر سے تھا اور اس مندر کو اس زمانے کے یونانی بہت مقدس سمجھتے تھے۔ سسلی اور دوسری یونانی نو

آبادیوں کا ذکر آگے آئے گا۔

ایران کے ساتھ لڑائیاں:

یونانی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ یہ ہے کہ چھوٹے سے ملک کو جو مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، ایران جیسی عظیم الشان طاقت سے لڑائیاں پیش آ گئیں۔ ان کی ابتداء یوں ہوئی کہ پیسس ٹریٹس کا بیٹا بھاگ کر شہنشاہ ایران کے پاس چلا گیا۔ اس نے ایتھنز کو الٹی میٹم دے دیا کہ اس شخص کو پہلے کی طرح مطلق العنان حاکم بنا لیا جائے۔ یہ 506 ق م کا واقعہ ہے۔ ایتھنز نے اس الٹی میٹم کو ٹھکرا دیا۔ 498 ق م میں ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کی یونانی ریاستوں نے ایران کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنے اہل وطن سے امداد مانگی۔ ایتھنز نے فوراً بیس جہاز بھیج دیئے۔ جب مہم کامیاب ہوتی نظر نہ آئی تو شہنشاہ ایران کو راضی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی زمانے میں تھیمس ٹاکلیز ا حاکم اعلیٰ منتخب ہوا۔ اس نے ایرانیوں کی مخالف پارٹی کی امداد سے ضروری مقامات میں قلعہ بندیاں شروع کر دیں۔

دارا گشتاسپ نے یہ حالات دیکھے تو یونان کو مسخر کر لینے کا فیصلہ کیا اور ایک زبردست فوج حملے کے لیے بھیج دی۔

میراتھان کی لڑائی:

490 ق م میں یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان بمقام میراتھان [1] لڑائی ہوئی۔ اگرچہ یونانی فوج ایرانیوں سے بہت کم تھی لیکن ملٹیاڈیز (Miltiades) نے جو ایتھنز کے دس جرنیلوں میں سے ایک تھا اپنی فوج کو حملے پر آمادہ کر لیا۔ ایرانیوں نے شکست فاش کھائی اور یونانی بیڑا تیزی سے ایتھنز کی حفاظت کے لیے پہنچ گیا۔ ایرانی ناکام واپس چلے گئے۔

جلاوطنی کا قانون:

میراتھان کی کامیابی نے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور ایتھنز میں ایرانیوں کی مخالف پارٹیوں کو بہت تقویت پہنچی۔ ان پارٹیوں میں سے امرا کا سردار اریس ٹائی ڈیز (Aristides) تھا اور عوام کا تھیمس ٹاکلیز۔ اسی زمانے میں چاندی کی ایک نئی کان دریافت ہوئی تھی۔ تھیمس ٹاکلیز نے سب کو آمادہ کیا کہ اس کان سے جتنی چاندی ملے اسے نئی طرز کے دو سو جنگی جہاز بنانے میں صرف کیا جائے۔ اریس ٹائی ڈیز نے اس کی مخالفت کی چنانچہ اس کے لیے جلاوطنی کا حکم ہو گیا۔ اس قانون کا اصل مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص ریاست کے لیے خطرے کا موجب بن جائے اور اس سے بچاؤ کی اور کوئی صورت نہ ہو تو باہر نکال

دیا جائے، لیکن اسے پارٹیوں کے لیڈر ایک دوسرے کے خلاف غیر مناسب طریقے پر استعمال کرنے لگے اور اس کے نتیجے نہایت خراب نکلے۔

تھرما پلی اور سلیمس کی لڑائیاں:

دارا گشتاسپ کی وفات کے بعد زرکسیز جانشین ہوا۔ اس نے 480ق م میں فیصلہ کر لیا کہ یونان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔ چنانچہ بھاری جنگی بیڑا تیار کیا اور بہت بڑی فوج فراہم کر لی، جس کی تعداد عام روایات کے مطابق نو لاکھ بتائی جاتی ہے، لیکن بہرحال ایک لاکھ اسی ہزار کے لگ بھگ ضرور تھی۔ اس سرو سامان کے ساتھ یونان پر حملہ آور ہوا۔ بری فوج تھریس اور مقدونیہ میں سے ہوتی ہوئی ایتھنز پہنچنے والی تھی۔ راستے میں ایک تنگ درے سے گزرنا لازم تھا جو تھرما پلی [1] کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں یونانیوں نے جو فوج دشمن کو روکنے کے لیے متعین کی تھی وہ ایرانی فوج کی کثرت سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی، لیکن لیونی داس (Leonidas) سپارٹا کے تین سو بہادروں کے ساتھ اپنی جگہ جما رہا۔ مزید سات سو آدمی اس کے حامی تھے۔ ایک غدار نے ایرانیوں کو راستہ بتا دیا۔ وہ درے کے چکر لگا کر لیونی داس کے عقب میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے تین سو جوانمرد ساتھیوں کے ہمراہ موت کے گھاٹ اتر گیا، لیکن یونانیوں کو قومی فرض ادا کرنے کی موثر موت دے گیا۔ اس اثنا میں تھیمس ٹاکلیز نے ایرانی بیڑے کو سلیمس کی جنگ میں شکست فاش دی اور زرکسیز صرف ایک تہائی فوج اور بیڑے کا تھوڑا حصہ بچا کر واپس پہنچا۔ 479 میں ایرانیوں کو پلاٹائیا کے مقام پر شکست ہوئی۔ لڑائیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سکندر نے حملہ کر کے ایرانی سلطنت کو ختم کر دیا۔

خانہ جنگی:

پانچویں صدی ق م میں یونانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں ایک طرف سالاری کا درجہ ایتھنز کو حاصل تھا اور دوسری طرف سپارٹا کو۔ گویا یہ لڑائیاں سپارٹا اور ایتھنز کے درمیان اقتدار کی خاطر ہوئیں۔ تاریخ میں یہ عام طور پر پلپونیسیائی جنگیں کہلاتی ہیں۔ ایرانیوں کے خلاف جنگوں میں سپارٹا نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اب اس کے بیڑے نے قبرص بیز نطیم پر بھی قبضہ کر لیا۔ ایشیائے کوچک کے یونانی، سپارٹا کے مغرورانہ طرزِ عمل کو پسند نہ کرتے تھے اور انھوں نے ایتھنز کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا، جس کا مدعا یہ تھا کہ ایرانیوں کو تمام یونانی علاقوں سے خارج کر دیا جائے۔ اس غرض سے ایک لیگ (جمعیت اتحاد) بن گئی جو عام طور پر ڈیلین لیگ (Delian League) کہلاتی ہے، اس

لیے کہ اس کا ابتدائی اجلاس ڈیلاس کے مقام پر ہوا تھا۔ 460ق م میں ایتھنز اور پلیپونیسیا کے درمیان لڑائیاں شروع ہوئیں، جن میں ایتھنز نے پے در پے بحری فتوحات حاصل کیں۔ پھر سپارٹا ایتھنز کے خلاف جنگ میں شامل ہوا اور اسے شکست دی۔ اس اثنا میں ایک ایرانی فوج نے بھی ایتھنز پر ضرب لگائی، لیکن ایتھنز کا بیڑا کامیابی سے ساحل کا چکر لگاتا رہا۔ بڑی کشمکشوں کے بعد 446ق م میں تیس سال کے لیے صلح ہوگئی۔

دوسری جنگ:

431ق م میں دوسری مرتبہ پلیپونیسیا کی جنگ شروع ہوئی، یہ پلیپونیسیا کی سب سے بڑی جنگ ہے اور دس سال جاری رہی۔ آخر 421 میں صلح ہوگئی، جس میں تمام فریقوں نے اپنے جھگڑے ختم کر دیئے۔ 420ق م میں سپارٹا نے اس صلح کی شرطوں کو توڑا اور لڑائی تیسری مرتبہ جاری ہوگئی۔ یہی زمانہ ہے، جس میں سپارٹا نے یونانیوں کی مخالفت میں ایران کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ 405 میں سپارٹا کے جرنیل نے ایتھنز پر قبضہ کر لیا اس کی فصلیں منہدم کرا دیں۔ اس طرح عارضی طور پر سپارٹا کو ہمہ گیر اقتدار حاصل ہوگیا اور ایتھنز کی قوت ٹوٹ گئی۔ چنانچہ 404 میں یہ جنگ ختم ہوئی۔

اقتصادی اور معاشی حالات:

ایران کے ساتھ لڑائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تجارت اور صنعت وحرفت میں یونانی نوآبادیوں کے بجائے خود یونان نے زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ مشرق ومغرب سے خام جنسیں وہاں پہنچتی تھیں اور عمدہ دستکاریاں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ ابتداء میں کارنتھ (Corinth) اور آئی جینا[1] نے بحری تجارت میں بہت ترقی کر لی تھی، لیکن پانچویں صدی قبل مسیح میں ایتھنز نے شہریت کے حقوق دینے میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا تھا، البتہ یہ ظاہر ہے کہ جن یونانی ریاستوں میں صنعت وحرفت کو فروغ حاصل تھا، وہ کھانے پینے کی چیزیں باہر سے منگوانے پر مجبور تھیں۔

زراعت اور جہاز سازی میں کوئی خاص فرق پیدا نہ ہوا۔ مالیات کی حالت اچھی تھی۔ قرضہ عامہ ناپید تھا۔ بجٹ عموماً بہت معمولی ہوتی تھی۔ بڑی بڑی ریاستوں میں بھی اکثر لوگ زمینوں کے مالک تھے۔ کسی غیر ملکی کو زمین حاصل کر لینے کی اجازت نہ تھی۔ براہ راست ٹیکس اسی صورت میں وصول کر لینے کی اجازت نہ تھی۔ براہ راست ٹیکس اسی صورت میں وصول کیے جاتے تھے، جب کوئی خاص ضرورت پیش آجاتی تھی۔ اخراجات عموماً بہت معمولی ہوتے تھے۔ ایتھنز میں زیادہ تر روپیہ رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف ہوتا تھا۔

البتہ پلیپونیسیائی جنگوں میں یونان کو سخت مالی نقصان پہنچا تاہم اس نقصان کی جلد تلافی کر لی گئی۔

علوم وفنون:

پانچویں صدی قبل مسیح میں ادب، شعر اور ڈرامے نے خاصی ترقی کی۔ ڈراما نگاروں میں اپچی لس [1]، سفوکلیز [2]، یوری پائی ڈیز [3] اور ارسٹوفینز [4]، قابل ذکر ہیں۔ مورخوں میں هیرو ڈوٹس اور تھیوسی ڈائڈز [5] [6] تعمیرات اور سنگ تراشی کے فنون بھی کمال پر پہنچ گئے۔ ایتھنز کی شہرآفاق عمارتیں اور مندر اسی دور میں تعمیر ہوئے۔

مقدونیہ کا عروج:

چوتھی صدی قبل مسیح میں مقدونیہ نے خاصی اہمیت حاصل کر لی۔ اس کا عروج فیلقوس [6] دوم کے زمانے سے شروع ہوا، جو ابتداء میں مقدونیہ کے اصل بادشاہ کا محافظ ونگران تھا، مگر اسے معزول کر کے خود بادشاہ بن گیا تھا۔ اس زمانے میں ایتھنز کو بڑا عروج حاصل تھا۔ فیلقوس کی کوشش یہ تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو آہستہ آہستہ تمام یونانی ریاستوں کو ایک جمعیت میں منسلک کر دے۔ وہ 359 میں تخت نشین ہوا اور زندگی کے آخری سانس تک اسی کوشش میں لگا رہا۔ اس نے بعض ان مقامات پر بھی قبضہ کر لیا جو مقدونیہ کو طاقتور اور خوشحال سلطنت بنانے کے لیے ضروری تھے، لیکن اس بات کی بھی پوری کوشش کی کہ ایتھنز یا بعض دوسری ریاستوں کے لے شکایت کا کوئی موقع پیدا نہ ہو۔

جنگ کائی رونیا:

لیکن فیلقوس کے طرز عمل سے مختلف ریاستیں تشویش میں پڑی ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں ڈماستھینز ا (Demosthenes) نے جو ایتھنز کا بہت بڑا خطیب تھا، فیلقوس کے خلاف جنگ پر اپنے ہم وطنوں کو آمادہ کر لیا۔ ریاست تھیبز بھی ایتھنز کی حامی تھی۔ فیلقوس نے کائی رونیا (Chaeronea) کے مقام پر متحدہ قوت کو شکست دی۔ ایتھنز سے کچھ نہ کچھ کہا، البتہ تھیبز کا محاصرہ کر کے اسے ختم کر دیا۔ پھر تمام یونانی ریاستوں کو دعوت دے کر ایک جمعیت بنائی، جو جمعیت متحدہ یونان Hellenic League کے نام سے مشہور ہوئی۔ صرف سپارٹا اس سے باہر رہا۔ 337 ق م میں کارنتھ کے مقام پر اس جمعیت کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا اور ایران کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔ فیلقوس جمعیت کا سردار تھا۔

سکندر اعظم:

336ق م میں فیلقوس اچانک مارا گیا اور اس کا بیٹا سکندر تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے خاندان میں سکندر سوم کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ دو سکندر اس سے پہلے ہو چکے تھے، لیکن دنیا کی تاریخ میں سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے دو سال یونانی ریاستوں کے انتظام میں بسر کیے۔ 334ق م میں بتیس ہزار پیادے اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ ایشیا کی تسخیر کے لیے نکل پڑا۔ چھوٹے بڑے ایک سو ساٹھ جہاز ساتھ تھے۔

تسخیر ایران:

ایرانیوں کے ساتھ پہلی لڑائی دریائے گرینی کس (Granicus) کے کنارے ہوئی جو ایشیائے کوچک کے شمال میں ہے۔ دوسری لڑائی اسوس[1] میں ہوئی۔ ایرانیوں نے دونوں جگہ شکست کھائی۔ پھر سکندر شام کے ساحلی علاقے کو فتح کرتا ہوا مصر جا پہنچا۔ مصر کو باجگوار بنا کر پھر ایران کی طرف پلٹا۔ اربیلا سے تھوڑے فاصلے پر بمقام گاگا میلا (Gaugamela) یکم اکتوبر 331 کو شہنشاہ ایران سے آخری لڑائی ہوئی۔ سکندر نے فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ شہنشاہ ایران مرکز چھوڑ کر بھاگا اور اپنے درباریوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سکندر پوری سلطنت ایران کا مالک بن گیا۔

مزید لڑائیاں اور وفات:

فتح ایران کے بعد سکندریہ نے باختر اور ترکستان کو فتح کیا۔ ایک بڑے سردار کی بیٹی روشنک[1] سے شادی کی، پھر وہ ہندوستان پہنچ گیا، لیکن فوج نے شمالی ہند ہی سے واپسی پر مجبور کر دیا۔ اس نے بیڑے کو نیارکس (Nearchus) کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ خود فوج کے ساتھ مکران و ایران کے راستے بابل پہنچا، جسے وہ اپنی عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ وہیں 13 جون 323ق م کو بتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے مشرق دنیا میں اپنے نام سے پچیس نئے شہر آباد کیے، جن میں سے بعض ایک اب تک موجود ہیں اگرچہ ان کے نام بدل گئے ہیں۔ مصر کی مشہور بندرگاہ اسکندریہ کی بنیاد بھی اسی نے رکھی تھی۔

جانشین:

سکندر کی وفات کے ساتھ ہی اس کے بڑے بڑے جرنیلوں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ ان میں سے پیرڈکارس (Peridiccas)، انٹی پیٹر (Antipater)، انٹی گونس (Antigonus)، کریٹی رس (Craterus) بطلیموس (Ptolemy) (تالمی) اور سلیوکس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلے

سکندر کے علاتی بھائی کو فیلقوس ثالث کے لقب سے بادشاہ بنا دیا گیا اور پیرڈ کاس اس کا نائب السلطنت بنا، پھر وہ مارا گیا اور اینٹی پیٹر کو نائب السلطنت بنا دیا گیا۔ اس نے اینٹی گونس کو ایشیائے کوچک بھیجا، اس لیے کہ وہاں ایک جرنیل باغی ہو کر پہاڑوں میں جا بیٹھا تھا۔ 349 ق م میں اینٹی پیٹر فوت ہوا تو اس کی جگہ ایک اور شخص نائب السلطنت بن گیا۔ بطلیموس نے، جو مصر کا حاکم تھا، نئے نائب السلطنت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شام کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

اس اثناء میں اینٹی پیٹر کے بیٹے کیسنڈر (Cassander) نے مقدونیہ پر قبضہ جما کر سکندر کی والدہ اولمپیاس اور فیلقوس ثالث کو قتل کرا دیا۔ سکندر کے کمسن بیٹے اور اس کی بیوی روشنک کو قید میں ڈال دیا 310 ق م میں یہ دونوں بھی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

مزید کشمکش اور فیصلہ:

ان حالات کا طبعی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ کشمکش بڑھ جاتی چنانچہ مختلف جرنیلوں نے مل کر اینٹی گونس کے خلاف اتحاد کر لیا، اس لیے کہ وہ شام پر قبضہ جما کر اپنی سلطنت کی بنادیں مضبوط کر چکا تھا۔ لڑائیاں جاری رہیں یہاں تک کہ ایک موقع پر اینٹی گونس کے بیٹے نے کیسنڈر کے خلاف لڑ کر ایتھنز کو رزم و پیکار سے نجات دلائی اور جمعیت متحدہ یونان از سر نو قائم کی جس کی بنیاد فیلقوس نے رکھی تھی۔

انجام کار اتحادیوں نے مل کر اینٹی گونس کو 301 میں شکست دی اور وہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ پھر یہ فیصلہ ہوا کہ کیسنڈر مقدونیہ لے لے اور اس کے بھائی کو جنوبی ایشیاء دے دیا جائے۔ بطلیموس مصر پر قابض رہے اور شام سلیوکس کے حوالے کر دیا جائے۔ ایک اور جرنیل کو ایشیائے کوچک کا وسطی اور مغربی علاقہ دے دیا گیا۔ اس اثنا میں بطلیموس نے شام کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ لڑائیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں۔ مختلف حصوں میں مختلف لوگ برسر حکومت آتے رہے۔ سلیوکس نے 305 ق م میں ایک سلطنت قائم کر لی، جس کا مرکز ابتداء میں وہ مقام تھا جسے سلوکیہ کہتے تھے۔ اس جگہ بعد میں طاق کسریٰ بنا۔ ظہور اسلام کے وقت اس کا نام مدائن تھا۔ بعد میں اس خاندان کی لڑائیاں مختلف مقامی حاکموں یا مصر کے فرمانرواؤں یا اشکانی بادشاہوں سے ہوتی رہیں۔ پھر اس نے اپنا مرکز حکومت انطاکیہ کو بنا لیا تھا۔ 64 ق م میں رومہ کے جرنیل پومپی نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا اور اس کے مقبوضات رومی سلطنت میں شامل ہو گئے۔

تیسری صدی قبل مسیح میں سیلٹوں نے مقدونیہ کو لوٹا۔ ان کا ایک گروہ تھریس پہنچا، دوسرے گروہ نے وسطی ایشیائے کوچک میں اپنی مستقل سلطنت قائم کر لی۔ خود مقدونیہ میں سیلٹوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد جو خاندان برسر اقتدار آیا اس کی حکومت 168 ق م تک قائم رہی۔

یونانی دنیا:

آخر میں یونانی دنیا کی سیاسی ثقافتی اور علمی ترقیات کے متعلق مختصر ساذکر سن لینا چاہیے۔ سیاسی اعتبار سے یونانیوں کا عام معاملہ شہری ریاستوں سے آگے نہ بڑھا۔ ان ریاستوں میں اقتدار کی باگ ڈور دولت مندوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھ میں رہی۔ عوام بے اختیار ہوتے گئے۔ جس حد تک بیرونی تعلقات کا معاملہ ہے یہ شہری ریاستیں یا تو مختلف بادشاہوں کے زیر اثر کام کرتی رہیں یا وہ مل کر ایک جمعیت بنالیتی تھیں۔

سکندر کی فتوحات نے یونانی ثقافت کے لیے ہمہ گیر اشاعت کا بندوبست کر دیا، یہاں تک کہ وہ مشرقی سمت میں وادی سندھ پر پہنچ گئی۔ سکندر نے اگرچہ بڑا عروج حاصل کیا، لیکن مقدونوی فوج دراصل مقدونوی عوام کی فوج تھی اور وہ لوگ بادشاہ کے سامنے اس طرح جھکنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے جس طرح دوسرے لوگ جھکتے رہے۔ سلوکیوں نے ایرانیوں کی پیروی میں جابجا سڑکیں بنائیں اور مختلف صوبوں کو مستقل حیثیت میں زیر انتظام رکھا۔ ان کی سلطنت میں مقدونوی آبادکاروں کو خاص رعایتیں دی جاتی تھیں۔ یہی طریقہ مصر میں بطلیموسیوں نے اختیار کیا۔ اسکندریہ کی آبادی میں یہودیوں کی بھی خاصی تعداد شامل ہوگئی تھی۔ تیسری صدی میں انھوں نے ستر آدمیوں کے زیر اہتمام عبرانی بائبل کا ترجمہ یونانی زبان میں کرایا۔ اسکندریہ کی عمارتوں میں سے روشنی کا ایک مینار اور علماء کے لیے ایک اکیڈمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کے ساتھ ایک عالیشان لائبریری بھی تھی۔

اقتصادی حالات:

بحیرۂ روم کے مشرقی حصے کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہوگئی، اس لیے کہ زمینیں نئی اور زرخیز تھیں۔ خشکی اور تری میں آمدورفت کے ذریعے بہت اچھے ہوگئے تھے اور تجارت نے بڑا فروغ پایا۔ اس طرح مختلف شہروں کے لوگ بہت دولت مند ہوگئے۔ مشرق قریب کی دولت کے خزانے انھی کے قبضے میں آگئے تھے اور سکندر کی فتوحات نے دور دور سے دولت کے ذخیرے وہاں پہنچا دیئے۔ سونے اور چاندی کا رواج بہت بڑھ گیا۔ اس سلسلے میں دو ملکوں کے حالات پر اچھا اثر نہ پڑا۔ ان میں سے ایک یونان ہے اور دوسرا مصر۔ فتوحات اور مال غنیمت کے لالچ نے اکثر یونانیوں کو تجارت یا فوجی خدمات کے لیے باہر پہنچا دیا اور ملک کی آبادی گھٹ گئی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یونانی زمین اتنی زرخیز نہ تھی اور وہاں زیادہ بڑی تعداد کے لیے اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ مصر کے وسائل اگرچہ بہت

زیادہ تھے لیکن بطلیموس فرمانروا متواتر یہ کوشش کرتے رہے کہ یونان اور آس پاس کے جزیروں کو ساتھ ملا کر ایک وسیع سلطنت قائم کرلیں۔ اس وجہ سے مصر کے وسائل ضائع ہوتے رہے۔ بہ ایں ہمہ یہ دور مشرقی بحیرۂ روم کی آبادیوں کے لیے خاصی اقبال مندی کا دور تھا۔

علوم وفنون:

اس عہد میں علوم وفنون نے بڑی ترقی کی۔ مثلاً علم مساحت میں اقلیدس [1]۔ ہیئت اور جغرافیہ میں اراٹوستھنیز (Eratosthenes) طبیعات میں ارشمیدس (Archimedes) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فلسفے میں اکیڈمی نے افلاطونی روایات قائم رکھیں، لیکن تشکک کا زیادہ زور ہوگیا۔ مشائین 2 زیادہ تر سائنس اور تاریخ کی طرف متوجہ رہے۔ وقت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دو نئے دبستان قائم ہوئے۔ ایک رواقی دبستان، جس کا بانی زینو (Zeno) (264-336) تھا۔ اس کی تعلیم کا نام رواقی اس لیے رکھا گیا کہ یہ ایک رواق میں بیٹھ کر درس دیتا تھا۔ دوسرا دبستان اپی کیورس (Epicurus) (270-342) کا تھا۔ زینو کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ نیکی اور نیک عملی ہی انسان کے لیے راحت وآسودگی کا حقیقی ذریعہ ہے۔ اپی کیورس کا فلسفہ یہ تھا کہ تنہا جسمانی لذت روح کے سکون کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ اس کے لیے نیکی پر کاربند ہونا لازمی ہے۔ دونوں کا مقصد ایک تھا، دونوں یہ چاہتے تھے کہ انسان ضبط ونظم سے ایسی حالت پیدا کرے کہ باہر کا کوئی حادثہ اس کے سکون میں خلل انداز نہ ہوسکے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا پر ''عقل کل'' حکمران ہے، جس میں سب شریک ہیں۔ اس طرح انھوں نے قوم، نسل اور مجلسی اختلافات سے بالا ہو کر انسانی اخوت کا تصور پیدا کیا۔ ان کے بعد رواقیت میں مبالغہ کرنے والے دنیا کو چھوڑ بیٹھے اور اپی کیورس کے پیرو لذتی بن گئے، جن کا عقیدہ یہ تھا، کھاؤ پیو اور عیش کرو، اس لیے کہ تمھیں، بہت جلد مرجانا ہے۔

اشکانیہ، باختریہ اور بطلیموس:

اشکانی سلطنت 249 میں ارشک (Arsaces) اول نے قائم کی۔ اس کے ایک طرف سلیوکی سلطنت تھی اور دوسری طرف باختری سلطنت۔ یہ ابتداء میں صرف پارتھیا اور ہرکانیا پر مشتمل تھی اور کم وبیش تین سو برس قائم رہی۔ اس کے بادشاہوں میں سے متھری ڈے ٹیز [1] اول نے سلیوکیوں سے بابل اور میڈیا کے علاقے بھی چھین لیے۔ پھر عیلام وفارس کی سلطنت کے علاوہ باختریہ کے کچھ حصے بھی لے لیے اور ایک عظیم الشان سلطنت پیدا کرلی۔ اس مقام کو اپنا دارالحکومت بنایا، جو بعد میں مدائن کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا زمانہ 171 ق م سے 138 ق م تک ہے۔ اس خاندان کا دوسرا قابل ذکر بادشاہ متھری دے ٹیز دوم ہے،

جو 124 ق م سے 88 ق م تک حکمران رہا۔ اس نے ستھیوں کو شکست دی، پھر آرمینیا کے بادشاہ سے لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ متھری ڈے نیز نے 92 ق م میں رومیوں کے ساتھ دوستی کا عہد نامہ کر لیا۔ اس خاندان کا آخری قابل ذکر بادشاہ بلاش اول تھا، جو 51 عیسوی سے 77 عیسوی تک حکمران رہا، اگرچہ یہ سلطنت تیسری صدی عیسوی تک رہی، یہاں تک کہ اردشیر ساسانی نے اس کا خاتمہ کیا۔

باختر یہ ابتداء میں سکندر اعظم کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ سکندر کی وفات پر وہاں بغاوت ہوئی، جسے بہت جلد فرو کر دیا گیا۔ 302 ق م میں اس پر سلیوکی قابض ہو گئے، لیکن 250 ق م میں وہاں کے حاکم نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور سغدیانہ کو فتح کر کے اپنی سلطنت بڑھا لی۔ اس کا قائم کیا ہوا حکمران خاندان 139 ق م تک قائم رہا، پھر یہ لوگ ستھیوں کے دباؤ کے تحت پنجاب کی طرف چلے آئے۔

مصر کے بطلیموسی:

اس خاندان حکومت کی بنیاد 305 قبل مسیح میں بطلیموس نے رکھی تھی۔ اصل میں وہ سکندر کی وفات کے ساتھ ہی مصر کا مطلق العنان حکمران بن گیا تھا، لیکن بادشاہی کا اعلان اٹھارہ سال بعد کیا۔

بطلیموس دوم (285-246) نے قدیم مصری فرعونوں کی رسم پیش نظر رکھتے ہوئے بھائی اور بہن کی شادی کو رواج دیا۔ دراصل اسے اپنی بہن سے بہت محبت تھی اور وہ ہر حال میں اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ اس وقت سے آخری دم تک اس خاندان کی ہر لڑکی کی شادی حکمران بھائی سے ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس خاندان کے بادشاہ برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ یونان اور آس پاس کے جزیروں کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیں۔ بطلیموسیوں کا آخری بادشاہ بطلیموس سیزدہم تھا، جس کی شادی اس کی بہن کلیوپیٹرا سے ہوئی تھی۔ یہ شادی جولیس سیزر نے کرائی تھی، جو مصر پر قابض ہو چکا تھا۔ 44 قبل مسیح میں سیزر مارا گیا تو کلیوپیٹرا نے اپنے شوہر کو قتل کرا دیا۔ سیزر کے جرنیل اینٹونی کو ساتھ ملا کر خود مختار بطلیموسی سلطنت کی داغ بیل ڈال دی اور رومہ سے آزادی کا فیصلہ کر لیا، لیکن سیزر کے جانشین آکٹیولس نے ایکٹم (Actuum) کی جنگ (31 ق م) میں مصری بیڑے کو تباہ کر دیا۔ اینٹونی کو خبر ملی کہ کلیوپیٹرا ماری گئی تو اس نے خودکشی کر لی۔ کلیوپیٹرا نے آکٹیوس پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ جب اسے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو جان دے دینا ہی لازم سمجھا۔ چنانچہ اپنے آپ کو ایک زہریلے سانپ سے ڈسوا کر وہ بھی ختم ہو گئی اور مصر رومی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

رومہ

جمہوریت اور سلطنت

ابتدائی دور:

دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں رومہ کی سلطنت آہستہ آہستہ پھیلتی اور مستحکم ہوتی گئی۔ اس زمانے میں رومہ کو مختلف طاقتوں سے پنجہ آزما ہونا پڑا، جن میں سے عظیم ترین طاقت قرطاجنہ کی تھی اور اس سے رومہ کو تین مرتبہ نہایت خوفناک لڑائیاں پیش آئیں، یہاں تک کہ قرطاجنہ بالکل تباہ ہو گیا۔ ساتھ ساتھ رومہ نے یونان اور اس کے مقبوضات پر بھی آہستہ آہستہ ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ جب کوئی دوسری قابل ذکر طاقت مقابلے پر نہ رہی تو رومہ تنہا وقت کی متمدن دنیا کا مالک بن گیا اور اس سلطنت کی بنیاد پڑی جس کے تاریخ قدیم کی سلطنتوں میں سب سے زیادہ شہرت پائی۔

قرطاجنہ سے پہلی جنگ:

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے قرطاجنہ سے تین مرتبہ لڑائیاں پیش آئیں۔ ان میں سے پہلی جنگ 264 ق م۔ 241 ق م تک جاری رہی۔ یہ لڑائی اس بنا پر شروع ہوئی تھی کہ شاہ سائراکیوز کے خلاف لڑنے والے گروہوں میں سے ایک نے رومہ سے امداد مانگی اور دوسرے نے قرطاجنہ سے۔ قرطاجنہ کا بیڑا پہلے پہنچ گیا تھا۔ رومیوں کا بیڑا بعد میں پہنچا اور انھوں نے اہل قرطاجنہ کو ابتداء میں باہر نکال دیا، پھر خود ان کے نرغے میں آ گئے۔ یہ لڑائی تیس سال جاری رہی۔ آخر کار اہل قرطاجنہ نے ان شرطوں پر صلح کر لی کہ وہ سسلی چھوڑ دیں گے اور دس سال میں تین ہزار دو سو ٹیلنٹ کی رقم بطور تاوان ادا کریں گے۔

دوسری جنگ:

دوسری جنگ 218 قبل مسیح میں شروع ہوئی اور سترہ سال جاری رہی۔ تاریخی لحاظ سے یہ بڑی ہی اہم جنگ ہے۔ اس وقت قرطاجنہ انتہائی عروج پر پہنچا ہوا تھا اور ہنی بال جیسا عظیم الشان سپہ سالار اس کی فوجوں کا قائد تھا، جسے دنیا کے چند بڑے سپہ گروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

لڑائی کا آغاز اس وجہ سے ہوا کہ قرطاجنہ کے سپہ سالار ہملکار بارقا نے ہسپانیہ میں قدم جما کر اپنے مقبوضات بڑھانے شروع کر دیئے تھے۔ 228 قبل مسیح میں بارقا نے وفات پائی تو اس کے داماد حیس

ڈروبال نے توسیع کا کام جاری رکھا۔ رومہ کو یہ گوارا نہ ہوا، چنانچہ مطالبہ پیش کر دیا کہ اہل قرطاجنہ نے تو دریائے ابرہ سے آگے بڑھیں گے اور نہ ان یونانی آبادیوں پر حملہ کریں، جو دریائے ابرہ کے جنوب میں واقع تھیں۔ جیس ڈروبال مارا گیا تو 221 قبل مسیح میں ھینی بال نے اس کی جگہ لے لی اور رومہ کے مطالبے کو ٹھکرا کر یونانی آبادی کو تباہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ھینی بال نے اس بارے میں اپنی حکومت سے اجازت نہ لی تھی اور قرطاجنہ کے قدامت پسند لوگ بارقا خاندان کی قوت و طاقت کو اچھی نگاہوں سے نہ دیکھتے تھے تاہم انھوں نے ھینی بال کے فعل سے اختلاف نہ کیا۔

اٹلی پر حملہ:

218 قبل مسیح میں ھینی بال نے خود اٹلی پر حملے کا فیصلہ کر لیا، تاکہ رومیوں کو ان کے گھر میں شکست دے۔ چنانچہ اس نے فوج لے کر ہسپانیہ سے کوچ کیا اور جنوبی فرانس میں سے گزرتا ہوا کوہستان ایلپس کو عبور کر کے شمالی اٹلی میں داخل ہو گیا۔ تاریخ قدیم میں یہ فوجی اقدام بہت یہ حیرت انگیز مانا جاتا ہے۔ اس نے دو رومی جرنیلوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ یہ دیکھتے ہی اہل گال ھینی بال سے مل گئے۔

ھینی بال کوہستان ایپی نائنز [1] کو عبور کر کے شمالی اٹلی میں داخل ہو گیا۔ رومیوں نے دو فوجیں اس کے مقابلے کے لیے تیار کی تھیں۔ ھینی بال نے انھیں تباہ کر ڈالا اور مزید جو فوج بھیجی گئی اسے بھی شکست دے دی۔ پھر وہ اٹلی کے مشرقی ساحل کی طرف، یعنی بحیرہ ایڈریاٹک کے مغربی ساحل کی طرف بڑھا اور جنوبی حصے میں پہنچ گیا۔ اس کا اصل مدعا یہ تھا کہ اٹلی کے ان باشندوں کو رومہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دے، جنھیں رومہ کی طاقت کے مقابلے میں جھکنا پڑا تھا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ (ممکن ہے اسے یہ بھی خیال ہو کہ جنوب کی طرف سے رومہ کا احاطہ کر لے، پھر ہسپانیہ سے جو کمک آئے گی وہ شمالی سمت سے حملہ کرے گی۔ اس طرح رومہ کو تباہ کیا جا سکے گا)۔

رومیوں کی خوفناک شکست:

216 قبل مسیح میں رومیوں نے چھیاسی ہزار فوج ھینی بال کے مقابلے کے لیے بھیجی، جو اپولیہ کے علاقے میں بیٹھا تھا۔ ھینی بال کے کنائی [2] کے مقام پر اسے خوفناک شکست دی۔ یہ دور رومہ کے لیے بڑا نازک تھا۔ مقدونیہ کے بادشاہ نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ھینی بال سے دوستی کا معاہدہ کر لیا، لیکن رومی سخت مشکلات کے باوجود مقابلے پر جمے رہے۔

چونکہ ھینی بال کے علاوہ انھیں مختلف اطراف میں لڑائی کا خطرہ پیش آ گیا تھا۔ مثلاً مقدونیہ، سسلی اور

ہسپانیہ میں، لہٰذا انھوں نے ہر جگہ فوجیں بھیج دیں تا کہ ھینی بال کے خلاف آخری مقابلے سے پیشتر اطراف کے مقبوضات میں اطمینان کی شکل پیدا کر لیں۔ ادھر ھینی بال بڑی دیر تک کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھا سکا۔ اس وجہ سے اس کے حملے نے جو خوف و ہراس پیدا کیا تھا وہ آہستہ آہستہ کم ہو گیا۔ نیز اسے کمک کی امید تھی۔ قرطاجنہ کی حکومت نے اس کا کوئی انتظام نہ کیا۔ ھینی بال کا بھائی ہسپانیہ میں کمک کا مناسب بندوبست کر رہا تھا، اسے رومی فوجوں نے وہاں لڑائی میں الجھا لیا۔ ھینی بال نے 212 میں رومیوں کو مزید شکست دیں، لیکن لڑائی کے خاتمے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، بلکہ اٹلی کے جن گروہوں نے شروع میں ھینی بال کا ساتھ دیا تھا، وہ بھی نتائج کی طرف سے مایوس ہو کر رومیوں سے جا ملے۔

ھینی بال کی واپسی:

اس اثنا میں رومیوں نے اہل مقدونیہ کو صلح پر مجبور کر دیا تھا۔ سسلی میں سائرا کیوز[1] پر وہ قبضہ جما چکے تھے۔ (211 قبل مسیح) ھینی بال کے لیے سب سے زیادہ دردناک خبر یہ تھی۔ کہ اس کا بھائی ھیس ڈروبال، جو ہسپانیہ سے کمک لا رہا تھا، راستے میں مارا گیا اور امید کی یہ آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی۔ 206 قبل مسیح میں رومہ کے مشہور جرنیل سپی او (Scipio) نے پورے ہسپانیہ کو اہل قرطاجنہ سے پاک کر لیا اور نیومیڈیا کے بادشاہ سے معاہدہ کر لیا، تا کہ وہ مشرق کی جانب سے قرطاجنہ پر حملہ کر دے۔ 204 قبل مسیح میں وہ فوج لے کر افریقہ پہنچ گیا اور قرطاجنیوں کے گھر میں جنگ شروع کر دی۔ حکومت قرطاجنہ نے ھینی بال کو اٹلی سے واپس بلوایا۔ 202 قبل مسیح میں زاما[1] کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ قرطاجنیوں نے شکست کھائی۔ ان کی فوج تباہ ہو گئی۔ ھینی بال میدان جنگ سے نکل کر ایشیائے کوچک پہنچ گیا۔ رومی اس کی حوالگی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جب ھینی بال کو یقین ہو گیا کہ جن لوگوں کے پاس پناہ لی ہے وہ رومیوں کے مطالبے کو زیادہ دیر تک التوا میں نہ ڈال سکیں گے، تو 183 قبل مسیح میں اس کا زہر کا پیالہ پی لی اا ور غریب الوطنی میں وفات پائی۔

قرطاجنہ سے صلح:

جنگ زاما کے بعد قرطاجنہ نے رومہ کی تمام شرطیں تسلیم کر کے 201 قبل مسیح میں صلح کر لی۔ شرطیں یہ تھیں:

(1) قرطاجنہ ہسپانیہ اور بحیرہ روم کے تمام جزیروں سے دستبردار ہو جائے

(2) صفاکس[2] مشرقی نومیڈیا کے حوالے کیا جائے۔

(3) پچاس سال تک خراج ادا کیا جائے، جس کی مقدار دو سو ٹیلنٹ سالانہ ہو گی۔

(4) دس جنگی جہازوں کے سوا تمام جنگی جہاز برباد کر دیئے جائیں۔

(5) رومہ کی اجازت کے بغیر کسی سے جنگ نہ کی جائے۔

تیسری جنگ:

اگرچہ صلح کی رو سے قرطاجنہ کے ہاتھ پاؤں توڑے جا چکے تھے، لیکن اہل قرطاجنہ نے اپنی محنت، عقل مندی اور ہنر دانی کی بنا پر بہت جلد پھر پرانی اقبال مندی کا دور تازہ کر لیا۔ رومہ کو یہ اقبال مندی بھانہ سکتی تھی، چنانچہ معمولی بہانہ پیش نظر رکھ کر 149 ق م میں پر قرطاجنہ پر حملہ کر دیا گیا۔ شدید اور لمبے محاصرے کے بعد ایک غدار کی خیانت سے رومیوں نے قرطاجنہ پر قبضہ کیا۔ شہر تباہ کر دیا اور بہت سے باشندے اسی دوران میں مارے گئے یا آگ میں جل گئے۔

متفرق واقعات:

اس اثناء میں کم وبیش چار مرتبہ مقدونیہ سے لڑائیاں پیش آئیں۔ رومہ نے بہت سے جزیروں اور ایشیائے کوچک کے مختلف علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ سلیوکی خاندان کے بادشاہ اینٹی اوکس سوم سے بھی لڑائی ہوئی۔ 190 ق م میں اینٹی اوکس نے شکست کھائی اور رومیوں نے دوسری شرطوں کے علاوہ مطالبہ کیا کہ ھینی بال کو حوالے کر دے جو اینٹی اوکس کی سلطنت میں موجود تھا۔ ھینی بال وہاں سے بھاگ کر بتھینیا[1] چلا گیا۔ جب دیکھا کہ وہاں کا بادشاہ بھی حوالے کر دینے کے لیے تیار ہے، تو اس نے خودکشی کر لی۔

اس طرح رومہ نے دوسری صدی قبل مسیح تک خاص عظمت حاصل کر لی تھی۔

داخلی اصلاحات:

رومہ میں امراء نے بڑی بڑی جاگیریں لے لی تھیں اور غریب بہت پریشان حال ہو گئے تھے، لہٰذا ضروری ہو گیا کہ زمینوں کی ملکیت محدود کر دی جائے، تاکہ غریب بھی ان میں سے حصہ پا سکیں۔ اس سلسلے میں دو بھائی ٹائی بیریس گریگ ہس (Tiberius Gracchus) اور کیئس گریس ہس (Caius Gracchus) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنھوں نے بڑی مردانگی سے غریبوں کے مقاصد کی حمایت کی اور اسی حمایت کے سلسلے میں اپنی جانیں دیں۔

ٹائی بیریس نے 133 ق م میں زرعی اصلاحات کے لیے قانونی سازی شروع کی۔ اس قانون کا مفاد

یہ تھا کہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ تین سو بارہ ایکڑ زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اگر اس کے بیٹے ہوں تو دو کے لیے مزید اڑھائی سو ایکڑ اسے دیئے جا سکتے ہیں۔ باقی زمین لے لی جائے گی، تا کہ غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اس قانون کے مطابق جن لوگوں کے پاس زمین زیادہ تھی، اس کی چھان بین اور واپسی کے لیے ایک کمیشن مقرر ہو گیا۔ اس اثناء میں ایک چھوٹی سی بادشاہت کا تاجدار فوت ہوا اور وہ اپنا پورا علاقہ حکومت رومہ کے حوالے کر گیا۔ ٹائی بیرس نے یہ زمین صرف غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے رکھ لی۔ غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء اور بڑے بڑے لوگ ٹائی بیرس کے مخالف بن گئے اور اس بے چارے کو تین سو ہمنواؤں کے ساتھ انتخابات میں قتل کر دیا گیا۔

دس سال بعد ٹائی بیرس کے بھائی گیئس نے زرعی اصلاحات کا کام شروع کیا۔ اس نے بھی ایسے قوانین بنائے جن سے غریبوں کا کام شروع کیا۔ اس نے بھی ایسے قوانین بنائے جن سے غریبوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ آخر میں یہ قانون پیش کر دیا کہ ایشیا کے تمام صوبوں میں نقد ٹیکس منسوخ کر دیا جائے اور پیداوار کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کیا جائے، جیسا کہ سسلی میں دستور تھا۔

گیئس نے اپنے بھائی کے زرعی قوانین از سر نو جاری کر دیئے۔ تین نئی تجارتی آبادیوں کی بنیاد رکھی، جن میں صرف پرانے فوجیوں اور آزاد غلاموں کو قیام کی اجازت تھی۔ ایک قانون یہ منظور کیا کہ حکومت مناسب نرخ پر غلے کی فراہمی کا انتظام کرے، تا کہ عام لوگ نایافت سے محفوظ رہیں۔ ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے خلاف بھی امراء اور سرمایہ دار کھڑے ہو گئے اور 121 ق م میں وہ بھی مارا گیا، یا کہنا چاہیے کہ دشمنوں کے تعاقب سے مجبور ہو کر اس نے خودکشی کر لی۔

متھری ڈے ٹیز سے لڑائی:

پہلی صدی قبل مسیح میں رومہ کو تین مرتبہ متھری ڈے ٹیز سے لڑائیاں پیش آئیں، جو 120 ق م سے پونٹس کا بادشاہ تھا۔ وہ آس پاس کے علاقے لے چکا تھا، بلکہ کریمیا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔ پھر اس نے بتھینیا پر حملہ کر دیا۔ بتھینیا کا بادشاہ رومیوں کا حلیف تھا، لہٰذا اس سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پہلی لڑائی 88 ق م سے 84 ق م، تک چار سال جاری رہی۔ متھری ڈے ٹیز نے عام روایات کے مطابق ایک دن میں اسی ہزار رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر اس نے تمام مفتوحہ علاقے چھوڑ دیئے۔ اسی 80 جنگی جہاز رومیوں کے حوالے کیے۔ تین ہزار ٹیلنٹ تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ 83 ق م میں دوسری مرتبہ جنگ شروع ہوئی، اس لیے کہ رومیوں ان کپاڈوشیا اور پونٹس پر حملہ کر دیا تھا، لیکن سابقہ شرطوں پر صلح کی تجدید ہو گئی۔ تیسری جنگ 74 ق م سے 64 ق م تک جاری رہی۔ یہ اس وجہ سے شروع ہوئی کہ متھری ڈے ٹیز نے رومیوں کو

مشکلات میں مبتلا دیکھا تو اپنے داماد شاہ آرمینیا کو کپاڈوشیا اور شام پر قبضہ کر لینے میں مدد دی۔ بتھینیا کے بادشاہ نے اپنی سلطنت اس وجہ سے رومیوں کے حوالے کر دی کہ متھری ڈے ٹیز کے مقابلے میں اس کی حفاظت ہو سکے۔ متھری ڈے ٹیز نے شکست کھائی اور آرمینیا کے بادشاہ سے تمام علاقے چھین لیے گئے، نیز اس پر چھ ہزار ٹیلنٹ تاوان عائد کیا گیا۔

تین مشہور جرنیل:

اس زمانے کے رومہ میں تین جرنیلوں نے اپنی سپہ گری کی بنا پر بڑا اونچا درجہ حاصل کر لیا۔ ایک کریسس (Crassus) دوسرا پومپی (Pompey) تیسرا جولیس سیزر۔ پومپی نے متھری ڈے ٹیز کو شکست دینے کے علاوہ ایشیا میں مختلف علاقے فتح کیے، پھر ان تمام علاقوں کا انتظام ازسرنو کر دیا۔ یہودیہ میں بار بار بغاوتیں ہوتی تھیں، 64ق م میں پومپی نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ شہر کا انتظام ایک مقامی مذہبی پیشوا کے حوالے کیا، لیکن اس کے ساتھ انتظامی معاملات کے لیے اینٹی پیٹر نام ایک شخص کو لگا دیا جو ادوم کا رہنے والا تھا۔ یہودیہ کو شام کے رومی گورنر کی تحویل میں دے دیا۔

یہ انتظامات کر چکنے کے بعد وہ رومہ پہنچا تو سینٹ نے اس کے انتظامات کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ پومپی نے یہ حالت دیکھی تو فوج توڑ دی اور خود ایک عام شہری کی حیثیت میں رہنے لگا۔

ارباب ثلاثہ کی مجلس:

اسی زمانے میں جولیس سیزر کی کوشش سے پومپی، کریسس اور سیزر کے درمیان ایک سمجھوتا ہو گیا۔ اس سمجھوتے کو تاریخ میں ارباب ثلاثہ کی پہلی مجلس [1] قرار جاتا ہے۔ یہ سمجھوتا 60ق م میں ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پومپی کے پرانے فوجیوں کو کمپانیا کی نوآبادی میں زمینیں دے دی گئیں۔ مشرقی علاقوں کا جو انتظام اس نے کیا تھا، اس کی تصدیق کر دی گئی۔ خود جولیس سیزر کو پانچ سال کے لیے ایلپس کے پار کا علاقہ مل گیا اور اسے ایلپس کے پار کے فرانسیسی علاقے میں اقدامات کی اجازت دے دی گئی۔ گویا تین جرنیلوں کے سمجھوتے نے سب کے لیے من مانی کاروائیوں کا موقع پیدا کر دیا۔

جولیس سیزر کی فتوحات:

جولیس سیزر نے اپنے نئے علاقوں کا انتظام سنبھالتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پورا گال فتح کر لیا اور برطانیہ پر بھی حملہ کیا۔ 56ق م میں سیزر، پومپی اور کریسس پھر ایک مرتبہ ملے اور آئندہ کے لیے پروگرام کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ یہ قرار پایا کہ پومپی اور کریسس قنصل بن جائیں اور سیزر مزید پانچ سال کے لیے

گال کا مختار بنا رہے۔ کریس نے شام کو اور پومپی نے ہسپانیہ کو سنبھال لیا۔ کریس 53ق م میں اشکانیوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ سمجھوتے میں ایک تجویز یہ بھی طے ہوئی تھی کہ پومپی کی شادی جولیس سیزر کی بیٹی جولیا سے ہو جائے، لیکن جولیا کی وفات سے یہ تجویز بیچ میں رہ گئی۔ یوں پومپی اور سیزر کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔

پومپی اور سیزر:

پومپی نے رومہ میں بیٹھے بیٹھے اپنے لیے ایسی حیثیت حاصل کر لی جسے ڈکٹیٹری کہنا مناسب ہو گا، لیکن اسے یہ خیال بھی تھا کہ سیزر کے ساتھ تعلقات توڑنے میں جلدی نہ کرنی چاہیے، لہٰذا وہ آہستہ آہستہ ایسے انتظامات کرتا رہا کہ سیزر کے اقتدار کو نقصان پہنچے۔ 49ق م میں سینٹ سے ایک قرارداد منظور کرا لی گئی، جس میں سیزر کو دشمن عوام قرار دے دیا گیا۔ یہ سنتے ہی سیزر فوج لے کر رومہ کی طرف بڑھا۔ پومپی لڑائی سے پہلو تہی کرتا ہوا یونان کی طرف نکل گیا، لیکن سیزر نے تعاقب کیا۔ جب اسے قبضے میں نہ کر سکا تو ہسپانیہ چلا گیا اور وہاں پومپی کے کمانداروں کو شکست پر شکست دی۔ واپس آیا تو پومپی خوف کے مارے مصر کی طرف بھاگا۔ وہاں بطلیموس دوازدہم کے وزیر نے اسے قتل کرا دیا۔ اس طرح میدان سیزر کے لیے خالی رہ گیا۔

مصر اور ہسپانیہ کے انتظامات:

48ق م میں سیزر مصر پہنچا۔ کلیوپیٹرا نے اسے اپنے پھندے میں پھانسنے کی کوشش کی، لیکن سیزر جیسے تجربہ کار سپہ سالار کا قابو میں آنا مشکل تھا۔ اس نے کلیوپٹرا کی شادی اس کے دوسرے بھائی بطلیموس سیزدھم سے کر دی اور رومیوں کے زیر اثر مصر پر بطلیموس حکومت کرنے لگے۔ سیزر واپس ہوا تو شام میں متھری ڈیٹیز کے بیٹے نے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا، اسے شکست دی۔ پھر افریقہ گیا، جہاں پومپی کے بیٹے نے فوج جمع کر لی تھی۔ سارے افریقہ کو مخالفوں سے پاک کرتا ہوا سیزر ہسپانیہ پہنچا اور پومپی کے دونوں بیٹوں کو شکست دے کر رومہ واپس آیا۔

سیزر کا قتل:

اب سیزر مختار کل تھا۔ اس کے مشیروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے بادشاہ بنا دیا جائے۔ 15 مارچ 44ق م کو بادشاہی اس کی خدمت میں پیش ہونے والی تھی، لیکن جو لوگ جمہوریت کے حامی تھے، انھوں نے خفیہ سازش کی۔ سازشیوں میں سیزر کا عزیز دوست بروٹس بھی شامل تھا۔ ابھی تقریب شروع ہوئی تھی کہ سازشیوں نے خنجر مار کر سیزر کا خاتمہ کر دیا۔

ارباب ثلاثہ کی دوسری مجلس:

اب تین آدمی قابل ذکر رہ گئے، جنہیں سیزر سے خاص تعلق تھا۔ ایک سیزر کی بھانجی کا بیٹا اوکٹیوین [1] دوسرا سیزر کا وفادار جرنیل مارک اینٹونی (Marmk Antony) اور تیسرا لیپی ڈس (Lepidus) ان تینوں نے باہم سمجھوتا کر کے سیزر کے قاتلوں کے خلاف اقدامات شروع کیے۔ قاتلوں میں سے بروٹس اور کیسیس فوج لے کر تھریس چلے گئے تھے، اوکٹیوین اور اینٹونی نے انھیں شکست دی۔ کیسیس نے خودکشی کر لی، بروٹس بیس روز بعد شکست کھا کر جان دینے پر مجبور ہوا۔ اینٹونی مشرقی صوبوں میں چلا گیا، جہاں اس کی ملاقات قلیوپیٹرا سے ہوئی۔ قلیوپیٹرا نے اسے اس طرح مسحور کر لیا کہ وہ سب کچھ ملکہ کی خاطر قربان کرنے پر تیار ہو گیا۔

اوکٹیوین کی کامیابی:

اوکٹیوین خود مصر پہنچا۔ مصری بیڑے کو ایکٹیم کی جنگ میں شکست دی۔ مارک اینٹونی کے پاس جب یہ خبر پہنچی کہ قلیوپیٹرا ماری گئی تو اس نے خودکشی کر لی۔ قلیوپیٹرا نے اوکٹیوین کو اپنے ساتھ ملانا چاہا، ناکام رہی تو اس نے بھی خودکشی سے اپنا خاتمہ کر لیا۔ اوکٹیوین تنہا رومی سلطنت کے بڑے حصے کا مالک بن گیا۔ لیپی ڈس کے پاس صرف افریقہ رہ گیا، پھر اس نے اوکٹیوین سے کشمکش پیدا کر لی اور تمام اختیارات چھنوا بیٹھا۔ 13 ق م میں اس نے وفات پائی۔

آگسٹس سیزر: (31 ق م-14ء)

تمام مخالفوں کا فیصلہ کر چکنے کے بعد 23 جنوری 31 ق م کو اوکٹیوین نے رومہ میں مستقل حکومت قائم کی۔ اس وقت اس کی عمر بتیس سال کے لگ بھگ تھی (پیدائش 23 ستمبر 63 ق م) اس نے خاص حالات کے ماتحت خاص اختیارات بطور خود اپنے قبضے میں لے لیے تھے، سینٹ نے اس امر کی تصدیق کر دی۔ اوکٹیوین نے حکومت قائم کرتے وقت اعلان کر دیا تھا کہ وہ جمہوریت کو بحال کر دے گا، یعنی اپنے غیر معمولی اختیارات چھوڑ کر سینٹ کو مختار کل بنا دے گا، لیکن سارے اختیارات اسی کے قبضے میں رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سینٹ کی طرف سے ان کی رسمی تجدید ہوتی رہی، یہاں تک کہ اسے آگسٹس کا لقب دے دیا گیا اور اس نے عملاً بادشاہی (جنوری 16 ق م) کی بنیاد رکھ دی۔ عجیب امر یہ ہے کہ اس نے جس شہنشاہی کی بنیاد رکھی وہ اس وقت تک قائم رہی، جب تک رومی سلطنت کا وجود باقی رہا، حالانکہ اس کا نسلی جانشین کوئی نہ

تھا اور اس کے بعد جو جانشین بنا وہ اس کی دوسری بیوی کا بیٹا تھا جو پہلے خاوند سے پیدا ہوا تھا۔
آگسٹس نے ملکی انتظام کا ڈھانچہ بڑے اچھے طریقے پر تیار کیا۔ اشکانیوں سے صلح کر لی۔ سرکش جرمنوں کو شکست دی اور پوری سلطنت میں امن بحال کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش:

آگسٹس ہی کے عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ 6 ق م اور 4 ق م کے درمیان کا واقعہ بتایا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ہیرودیس اعظم (Herod the Great) یہودیہ کا بادشاہ تھا۔ یہ شخص ادوم کا رہنے والا تھا اور اس کا باپ اینٹی پیٹر پہلے سے رومیوں کے ساتھ وابستہ تھا۔ ہیرودیس نے رومیوں کو وفاداری کا یقین دلا کر اپنی گورنری کو بادشاہی کی شکل دے دی تھی۔ رومیوں کو اطمینان تھا کہ اس طرح یہودیہ میں امن بحال رہے گا۔
عیسوی سنہ کا آغاز یکم ق م سے اختتام پر ہوتا ہے گویا یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سنہ واقعی حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوا، حقیقتاً یہ ولادت سے کم از کم چار سال بعد شروع ہوا۔

آگسٹس کے جانشین:

آگسٹس نے وفات سے قریباً دس سال پیشتر اپنے اخیافی بیٹے ٹائبیریس متبنیٰ بنا لیا تھا۔ 19 اگست 14ء کو وفات پائی اور ٹائبیریس اس کی جگہ شہنشاہ بنا۔ جانشینوں کی کیفیت یہ ہے:

1- ٹائبیریس۔ 14ء-37ء
2- کیلیگولا 6□(Caligula)37ء-37
3- کلاڈیس۔ 41ء-54ء

ان شہنشاہوں کے عہد میں بغاوتیں بھی ہوئیں، جو فرو کر دی گئیں ٹائبیریس ہی کے عہد میں پیلاطس رومی نے یہودیوں کے اصرار پر حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیئے جانے کا حکم سنایا۔ (30ء)
کیلیگولا کو بھی آگسٹس سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ یہ آگسٹس کی دوسری بیوی کے ایک بیٹے کی اولاد میں سے تھا۔ یہ 24 جنوری 41ء کو فوج کے ہاتھوں قتل ہو گیا، پھر اس کا چچا کلاڈیس تخت نشین ہوا، جس نے چار شادیاں کیں۔ اس کی تیسری بیوی میسے لینا (Messalina) اپنی اوباشی کی وجہ سے تاریخ قدیم کی ایک رسوا شخصیت ہے۔ یہ 48ء میں ماری گئی۔ میسے لینا کے قتل کے بعد کلاڈیس نے خاص اجازت لے کر اپنی بھتیجی سے شادی کر لی، جو بیوہ ہو چکی تھی۔ اس کے سابقہ شوہر کا بیٹا نیرو کلاڈیس کے بعد تخت نشین

ہوا۔ یہ تاریخ کے رسوا ترین بادشاہوں میں سے ہے۔ اگرچہ مشہور حکیم سینیکا کا شاگرد تھا، لیکن اس میں شرافت وانسانیت کا کوئی بھی جوہر نہ تھا۔ اپنی ماں اور بیوی کو قتل کرایا۔ سینکڑوں دوسرے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتروایا۔ اس کے عہد میں یہودیوں نے بغاوت کی۔ 64ء میں روما کا بڑا حصہ آگ کی نذر ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ آگ نیرو نے خود لگوائی تھی۔ شہر آگ سے جل رہا تھا اور نیرو اس وقت ستار بجا رہا تھا۔ 68ء میں اس کے خلاف زبردست بلوہ ہوا اور یہ خودکشی پر مجبور ہو گیا۔ نیرو پر بادشاہوں کی وہ نسل ختم ہوئی جسے کسی نہ کسی حیثیت سے آگسٹس سے تھوڑا بہت تعلق تھا اور فوج میں سے مختلف سردار بادشاہ ہونے لگے۔

ایک عجیب وغریب مرقع:

اگرچہ رومی سلطنت نے بڑی شہرت پائی اور زمانہ قدیم کی وہ بہت بڑی سلطنت تھی، لیکن اس کا یہ پہلو بڑا عبرت ناک ہے کہ جولیس سیزر سے جسٹینین (527ء-565ء) تک کم وبیش باسٹھ بادشاہ مسند نشین ہوئے، جن میں سے بیالیس مارے گئے، تین نے خودکشی کر لی، دو تخت سے دستبردار ہو گئے اور صرف پندرہ بادشاہ ایسے ہیں جو طبعی موت مرے۔ قتل ہونے والوں میں سے بیشتر وہ ہیں جنہیں فوج نے خوش ہو کر تخت پر بٹھایا اور ناراض ہوئی تو ختم کر دیا۔ دو تین ایسے بھی ہیں جو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے یا دشمن کے ہاتھ اسیر ہوئے اور اسیری ہی میں مرے یا مارے گئے۔ اب ہم ان میں سے بعض مشہور بادشاہوں اور مشہور واقعات کا ذکر اجمالاً کرتے ہیں۔

ہیڈرین۔ مارکس اوریلیس: (117ء-192ء)

ہیڈرین کو سینٹ نے اگست 117ء میں شہنشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس نے دستور کے مطابق کام کرنے کا حلف اٹھایا اور یہ اقرار بھی کر لیا کہ سینٹ کے کسی بھی ممبر کو ہمسروں کے فیصلے کے بغیر موت کی سزا نہ دے گا۔ اس نے پرانے یونانی شہروں کی زائل شدہ رونق بحال کرنے کے لیے خاص کوشش کی۔ برطانیہ میں سڑکیں بنوائیں اور رومی حدود پر ایک لمبی دیوار کھنچوا دی تا کہ وہ...... سرحد کا کام دے۔ اس نے بعض ٹیکس منسوخ کر دیئے تا کہ عوام کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ 132ء میں یہودیوں نے بغاوت کی، اس لیے کہ رومیوں نے ہیکل کی جگہ جوپیٹر کا مندر بنا دیا تھا۔ ہیڈرین نے بغاوت فرو کر دی اور یہودیوں کو باہر نکال دیا۔ کوئی یہودی سال بھر میں ایک مرتبہ کے سوا یروشلم کے اندر نہ جا سکتا تھا۔ اسی وقت سے یہودیوں کی مستقل جلاوطنی کا آغاز ہوا۔

ہیڈرین کے بعد 138ء سے 161ء تک انٹونس اوریلیس اور 161ء سے 180ء تک مارکس اوریلیس حکمران رہے، پھر مارکس کے بیٹے نے 192ء تک بادشاہی کی۔ سلطنت روما کی تاریخ میں اس عہد کو جو

ٹائٹس سے شروع ہوا اور اورلیس کے بیٹے پر ختم ہوا، عظمت کا خاص دور قرار دیا جاتا ہے۔

تیسری صدی عیسوی:

تیسری صدی عیسوی میں بھی متعدد بادشاہ ہوئے جن میں سے کئی مارے گئے۔ مثلاً کیراکلا â211(Caracalla)ء-217ء) جس کے بنائے ہوئے عالیشان حمام کھنڈر اب تک رومہ کے آثار قدیمہ میں قابل دید سمجھے جاتے ہیں۔ اسے فوجی سرداروں کے ایک گروہ نے قتل کر دیا تھا۔

اسی صدی میں ایران کے اندر ساسانی شہنشاہی قائم ہوئی۔ رومیوں کو پہلے اشکانیوں سے لڑائیاں کرنی پڑتی تھیں، اب اشکانیوں کے جانشین ساسانیوں سے ویسی ہی لڑائیاں شروع ہو گئیں، جن کی تفصیل ساسانیوں کے ذکر میں آئے گی۔

یہی دور ہے جس میں تدمر [1] کی حکومت نے خاص شہرت حاصل کی اور وہاں کی ملکہ زنوبیہ کا نام اکثر لوگوں کی زبان پر ہے۔ تدمر شام کے اندر ایک مشہور نخلستان تھا، جس نے اہم تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں کا حکمران رومیوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ وہ وفات پا گیا تو اس کی بیوہ زنوبیہ بڑی قابلیت سے حکومت کا کاروبار چلاتی رہی۔ آخر اسے مجبور ہو کر اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور وہ رومہ چلی گئی، وہیں اسے ایک جاگیر دے دی گئی جس میں باقی عمر گزاری۔

قسطنطین اعظم: (306ء-337)

رومی شہنشاہوں میں ایک دستور یہ بھی ہو گیا تھا کہ جس شخص کو بادشاہ بنا لیا جاتا، وہ اپنی پسند کے مطابق ایک اور شخص کو اپنا شریک کار بنا لیتا۔ 305ء میں ڈایوکلیشن (Diocletian) اور اس کے ساتھی نے تاج و تخت سے دست برداری اختیار کر لی تو گلیریس (Galerius) اور کونس ٹینٹیس (Cnstantius) شہنشاہ منتخب ہوئے۔ 306ء میں کونس ٹینٹیس کا بیٹا بادشاہ بن گیا جسے قسطنطین اعظم کہا جاتا ہے۔ اس کی والدہ ھیلینا [2] مسیحیت اختیار کر چکی تھی۔ عام روایت کے مطابق قسطنطین نے بھی مسیحیت اختیار کر لی اور اسے رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ اس کے ماتحت رومی سلطنت از سر نو متحد ہو گئی اور اس نے اپنے زیر نگرانی بڑے بڑے پادریوں کی کونسلیں منعقد کیں، تاکہ مسیحی عقائد و اعمال کے متعلق ایک مستقل فیصلہ ہو جائے۔

رومہ کی حالت خاصی مخدوش ہو چکی تھی۔ قسطنطین کو ایک نئے اور محفوظ دارالحکومت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے بیزنطیم کے مقام پر ایک نئے شہر کی بنیاد 11 مئی 330ء میں رکھی، جسے بانی کے نام پر شہر

قسطنطین (Constantinople) یا قسطنطنیہ کہنے لگے، آج کل اس کا نام استنبول ہے۔

بعد کا دور:

قسطنطین نے 22 مئی 337ء کو وفات پائی۔ اس کے وارث تین بیٹے اور دو بھتیجے تھے۔ اس نے اپنی سلطنت بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی اور بھتیجوں کو بھی کچھ علاقے دے دیے تھے، لیکن بڑے بیٹے نے دونوں بھتیجوں کو قتل کرا دیا۔ بیٹوں کے درمیان بھی لڑائیاں شروع ہو گئیں، جن میں قسطنطین ثانی کامیاب ہوا۔ اس نے جولین کو اپنا جانشین بنا لیا تھا جو عام طور پر جولین مرتد کے لقب سے مشہور ہے، اس لیے کہ اس نے مسیحیت ترک کر کے پرانے رومی مذہب کو رواج دینے کی کوشش کی تھی۔ 363ء میں اس نے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ واپسی کے وقت راستے میں وفات پائی۔ اس پر قسطنطین کی نسل ختم ہو گئی اور فوج یکے بعد دیگرے سپہ سالاروں کو بادشاہ بنانے لگی۔

اٹلی پر وحشی قبیلوں کے حملے شروع ہو گئے۔ افریقہ میں ونڈالوں نے حکومت قائم کر لی۔ رومیوں میں سے آخری قابل ذکر بادشاہ جسٹینین تھا جو 527ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے حالات آگے چل کر موقع پر بیان ہوں گے۔

ایران

(ساسانی دور) 226ء- 651ء

اردشیر بابکاں:

226ء میں اردشیر اول نے ایران میں ساسانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اردشیر کا باپ اشکانی سلطنت کی طرف سے صوبہ فارس کا حاکم تھا۔ منچلے بیٹے نے موقع مناسب دیکھ کر بغاوت کر دی اور آخری اشکانی بادشاہ اردوان[1] کو بمقام ہرمز شکست دی۔ اسی جگہ اردوان مارا گیا۔ مرو، بلخ اور خیوا اردشیر نے فتح کر لیے، کوشان، توران، اور مکران کے بادشاہوں نے باجگواری میں عافیت سمجھی۔ ہندوستان پر بھی حملہ ہوا اور پنجاب سے خراج کی وصولی پر معاملہ طے ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے رومہ کے ساتھ اشکانیوں کی لڑائیاں جاری تھی، اردشیر نے اشکانیوں کی میراث سنبھال لی اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ نہ صرف شام بلکہ پورے ایشیا کو رومیوں سے خالی کرا لیا جائے۔ آرمینیا پر اردشیر کی خاص نظر تھی۔ چنانچہ اس نے حملہ کر کے وہاں کے آخری بادشاہ کو قتل کر دیا ور آرمینیا اس کے قبضے میں آ گیا۔

اردشیر مطلق العنان بادشاہ تھا۔ مذہبی پیشوا اس کے حامی تھے۔ زرتشتیت از سر نو زندہ ہوئی۔ موبدوں کے تمام حقوق بحال کر دیئے گئے اور زند اوستا کو فراہم کر کے کتابی شکل میں مرتب کرا دیا گیا۔

شاپور اول: (240ء- 271ء)

شاپور اول کے زمانے میں رومہ سے لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ شاپور نے عراق و شام پر حملہ کر کے نصیبین اور انطاکیہ پر قبضہ کر لیا، لیکن انجام کار اس نے راء س العین (Resaina) میں شکست کھائی اور دریائے فرات سے اس پار آنے پر مجبور ہو گیا۔ چودہ سال تک صلح رہی، پھر لڑائی شروع ہو گئی، چنانچہ شاپور نے دوبارہ پیش قدمی کر کے نصیبین، الرحلہ (Edessa) اور انطاکیہ کے لیے اور رومی شہنشاہ ولیرین (Valerian) کو قید کر لیا۔ تدمر کے عرب حاکم نے بطور خود شاپور کے خلاف جنگ شروع کر دی اور شکست دے کرٹسی فون (طاق کسریٰ یا مدائن) کا محاصرہ کر لیا۔ اس طرح عراق، شام اور دریائے فرات کے

دوسرے مغربی صوبے بھی ایرانیوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔

شاپور نے رفاہی کاموں پر خاص توجہ کی۔ ششتر کے قریب ایک بند تعمیر کرایا۔ نشاپور بھی اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اسی کے عہد میں مانی کا ظہور ہوا جو مانویت کا بانی تھا۔

شاپور ثانی: (309ء-279ء)

شاپور اول کے بعد ھرمز، بہرام اول، بہرام ثانی، بہرام ثالث، نرسی اور ہرمز ثانی حکمران رہے۔ ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں، لڑائیاں البتہ ہوتی رہیں۔ نرسی نے تیرداد کو آرمینیا سے نکال دیا۔ رومہ سے مقابلے میں ایرانی فوج تباہ ہوگئی اور دجلہ کے پار کے تمام صوبے رومہ کے حوالے کرنے پڑے، یہاں تک کہ شاپور ثانی کا دور آیا جو تخت نشینی کے وقت کمسن تھا۔ سترہ سال کی عمر میں اس نے باگ ڈور سنبھالی اور سب سے پہلے عربوں کے خلاف شدید انتقامی کاروائیاں کیں، جنھوں نے اس کی کمسنی کے زمانے میں ایران پر یورشیں کی تھیں۔

رومہ سے لڑائیاں:

شاپور ثانی کے زمانے میں رومہ سے تین مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔ دوسری جنگ میں شاپور نے وہ تمام صوبے واپس لے لیے جو نرسی کے زمانے میں رومہ کے حوالے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ آرمینیا کو رومی سلطنت کے حلقۂ اثر سے آزاد کرالیا، پھر خود اسے فتح کرلیا۔ تیسری جنگ کسی نتیجے پر نہ پہنچی۔

شاہ پور کے بعد اردشیر ثانی، شاپور ثالث، بہرام چہارم اور یزدجرد اول حکمران رہے۔

بہرام گور: (420ء-440ء)

420ء میں بہرام پنجم تخت نشین ہوا۔ اس نے پوری تربیت عرب کے صحرا میں پائی تھی۔ تخت نشین ہوتے ہی رومہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، لیکن شکست کھائی اور صلح پر مجبور ہوگیا۔ بہرام نے ہفتلیوں کے خلاف بھی جنگ کی، جنہیں عام طور پر سفید فام ہن کہا جاتا ہے۔ یہ ماوراءالنہر سے نکل کر ایران پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن بہرام نے انھیں شکست دے کر پیچھے ہٹایا اور تعاقب کیا۔ جب تک وہ صلح پر آمادہ نہ ہوئے ان کی تادیب نہ چھوڑی۔ یہی بہرام پنجم ہمارے ہاں بہرام گور کہلاتا ہے، اس لیے کہ عام روایت کے مطابق اسے

گورخر کے شکار کا بہت شوق تھا۔

خسرا اوریا نوشیرواں:(579-531)

بہرام گور کے بعد یزدجرد ثانی، فیروز بلاش اور قباد حکمران رہے۔ قباد کے زمانے میں مزدک کا ظہور ہوا۔ مزدکیوں نے اپنے مذہب کی جبری تبلیغ شروع کی تو ایران و آرمینیا میں ہمہ گیر بے اطمینانی پیدا ہو گئی۔ موبدوں، امیروں اور فوج نے قباد کے خلاف ایک سازش کی اور اسے بھاگ کر ہیفتلیوں کے پاس پناہ لینی پڑی۔ ہیفتلیوں کی حمایت پر اس نے دوبارہ سلطنت حاصل کی۔ مزدکیوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور یہ تحریک دبا دی گئی۔ قباد ہی کے زمانے میں رومہ کے خلاف لڑائی شروع ہو گئی۔ اس لیے کہ درۂ دربند کی حفاظت کے لیے مشرقی رومی سلطنت نے جو روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ نہ دیا۔ 523ء میں مزدکیوں کا قتل عام ہوا۔ 531ء میں قباد کا بیٹا خسرو شہنشاہ بنا۔ ساسانیوں میں یہ سب سے زیادہ مشہور بادشاہ ہے اور عام طو رپر "نوشیروان عادل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رومہ کے ساتھ دو سال بعد صلح ہو گئی اور رومہ نے گیارہ ہزار پاؤنڈ سونا سالانہ اس غرض سے دینے کا وعدہ کیا کہ کوہ قفقاز کے دروں کی حفاظت ہوتی رہے۔ کچھ اور شرطیں بھی طے ہوئیں اور دوامی صلح کا فیصلہ کر لیا گیا، لیکن سات سال کے اندر پھر لڑائی شروع ہو گئی، اس لیے کہ نوشیرواں کو جسٹینین کی فتوحات سے تشویش پیدا ہو چکی تھی۔

مختلف واقعات:

رومہ کے ساتھ دوسری مرتبہ جو لڑائی شروع ہوئی، وہ 540ء سے 562ء تک جاری رہی۔ صلح ہوئی تو اس کی خاص شرطیں یہ تھیں۔

(1) لازی کا[1] (موجودہ جارجیا) کا علاقہ رومہ کے حوالے کر دیا گیا۔

(2) رومہ نے منظور کر لیا کہ وہ تیس ہزار دینار سرخ ہر سال ادا کرے گا۔

(3) ایران میں مسیحیوں کو مذہبی آزادی مل گئی۔

(4) تجارت کی غرض سے خاص راستے اور خاص منڈیاں مقرر کر دی گئیں۔

(5) یہ طے ہو گیا کہ کسی معاملے کے متعلق اختلاف ہو گا تو ثالثوں کے ذریعے سے فیصلہ کرا لیا جائے گا اور دونوں حکومتوں کے درمیان سفارتی تعلقات قائم رہیں گے۔

(6) یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ فریقین کے حلیفوں میں سے جو چاہے اس معاہدے میں شامل ہو جائے۔

(7) قفقاز کے دروں کی حفاظت ایران کے ذمے لگ گئی۔

یہ صلح پچاس سال کے لیے ہوئی تھی۔ 554ء میں نوشیرواں نے ہفتلیوں کو شکست دی اور دریائے جیحوں ایران کی سرحد قرار پائی۔ ترکوں کے قبیلے خزر پر بھی کامیاب حملے کیے۔ رومی شہنشاہ جسٹینین نے 572ء میں ایران کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ نوشیرواں نے سارے شام کو پامال کر ڈالا۔ جسٹینین تخت سے دستبرداری پر مجبور ہوا اور اسکے جانشین نے تاوان دے کر صلح کر لی۔

نظم و نسق:

نوشیرواں نے اپنی سلطنت کو انتظامی لحاظ سے چار بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مشرقی حصہ خراسان و کرمان، مغربی حصہ عراق و ما بین النہرین یعنی دوآبہ دجلہ و فرات۔ شمالی حصہ آرمینیا اور آذر بائیجان، جنوبی حصہ فارس اور خوزستان۔ اس سے پیشتر پیداوار کے مطابق جنسیں وصول کی جاتی تھیں، نوشیرواں نے زمین کے لیے مستقل لگان مقرر کر دیا۔ آبپاری اور حمل و نقل کے انتظامات بہتر ہو گئے۔ فوج کی اصلاح کر دی گئی۔ اجنبی سیاحوں اور تاجروں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ مسیحیوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ ہونے لگا۔ علم و فضل کی سرپرستی شروع ہو گئی۔ اسی زمانے میں ہندوستان سے شطرنج اور حکیمانہ کہانیاں ایران پہنچیں۔

خسرو پرویز:(589-628)

نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز چہارم تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بہرام ایران کا مشہور جرنیل تھا، جسے ہماری کتابوں میں "بہرام چوبیں" کہتے ہیں۔ اس نے رومیوں کے مقابلے میں شکست کھائی۔ بادشاہ نے اس کی تذلیل کی۔ بہرام نے بغاوت کر دی۔ ہرمز کو تخت سے اتار کر قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کا بیٹا خسرو ثانی بادشاہ بنا جسے عام طور پر خسرو پرویز کہا جاتا ہے۔ یہ نوشیرواں کا پوتا اور ساسانیوں کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ بہرام چوبیں کے تسلط نے پرویز کو قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اسی نے رومی فوج کی مدد سے دوبارہ تخت حاصل کیا۔ بہرام ملک چھوڑ کر بھاگا اور ترکوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

پرویز کے عہد کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ رومی سلطنت کے ساتھ لڑائیاں جاری رہیں۔ یہ 610ء سے شروع ہوئیں اور تھوڑے سے وقفے کے سوا پرویز کی آخری سانس تک نہ رکیں۔ ابتداء میں ایرانیوں کو غیر معمولی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ایک مرتبہ پرویز بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ شمالی سمت سے وحشی حملہ آواروں نے حملہ کر دیا۔ پورے تھریس کو پامال کر ڈالا اور رومی سلطنت کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ 610ء سے ہرقل شہنشاہ بن چکا تھا۔ ایک موقع پر وہ اتنا ہراساں ہوا کہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بھاگ جانے

کے لیے تیار ہو گیا۔ یہی زمانہ ہے جب قرآن مجید میں سورۂ روم نازل ہوئی اور رومیوں کی کامیابی کی واضح پیش گوئی کردی گئی۔ چنانچہ ایک ایرانی فوج کو ہرقل کے بھائی تھیوڈور نے 626ء میں شکست دی۔ دوسری فوج جو ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوئی تھی اسے رومی بیڑے نے آواروں کی امداد کے لیے نہ پہنچنے دیا۔ اس اثنا میں ہرقل نے عراق پر حملہ بول دیا اور نینویٰ کے قریب ایرانیوں کو شکست دی۔ پرویز میدان جنگ سے بھاگا اور ہرقل نے آگے بڑھ کر ٹسی فون پر حملہ کر دیا۔ یہ حالات دیکھ کر ٹسی فون کی ایرانی فوج باغی ہو گئی۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کی تمام مصیبتوں اور ملک کی بربادی کا ذمہ دار خسرو ہے چنانچہ اسے قید کر لیا گیا اور اسی حالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ساسانی سلطنت کا خاتمہ:

خسرو کی جگہ اس کا بیٹا شیرویہ، قباد ثانی کے لقب سے بادشاہ بنا۔ ہرقل کے ساتھ اس شرط پر صلح ہوئی کہ مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق جس صلیب پر حضرت مسیح علیہ السلام کو چڑھایا گیا تھا، وہ واپس کر دی جائے۔ ایرانیوں نے فتوحات کے دور میں یروشلم کو بھی مسخر کر لیا تھا اور وہاں سے یہ صلیب اٹھا کر لے آئے تھے۔ شرویہ نے اس خیال سے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کرا دیا تھا کہ کوئی مدعی سلطنت باقی نہ رہے، لیکن ایک سال بعد خود بھی طاعون کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد پرویز کی دو بیٹیاں پوران دخت اور آرزم دخت یکے بعد دیگرے فرمانروا بنیں۔ 634ء میں یزدجرد ثالث کو بادشاہ بنایا گیا، جو پرویز کا پوتا تھا۔ یہ آخری ساسانی بادشاہ تھا۔ عربوں سے جنگ شروع ہو چکی تھی۔ قادسیہ 637ء اور نہاوند 642ء کی فیصلہ کن لڑائیوں نے ساسانی سلطنت کی قسمت پر آخری مہر لگا دی۔ یزدجرد بلخ کی طرف بھاگا، تاکہ شہنشاہ چین سے امداد لے۔ وہ 651ء میں مرو کے قریب مارا گیا۔

ہندوستان

(500ء تک)

کوشانی:

پہلی صدی قبل مسیح میں ہمیں کوشانیوں کی حکومت کا سراغ ملتا ہے۔کوشانیوں کے سردار کدفیسز نے باختر میں یواہ چی کے پانچ قبیلوں کو زور وقوت سے متحد کیا اور وادی کابل نیز آس پاس کے علاقوں پر قابض ہوگیا۔اس کے بیٹے نے شمالی ومغربی ہندوستان کو بھی فتح کرلیا۔یہ کوشانیوں کا پہلا خاندان تھا۔

کنشک:

دوسرے کوشانی حکمران خاندان کا بانی کنشک ہے، جس نے اپنی سلطنت ایک طرف کابل سے بنارس تک اور جنوبی سمت میں وندھیاچل تک پھیلائی تھی۔یہ 78ء کے آس پاس تخت نشین ہوا،لیکن اس کے پورے حالات واضح نہیں۔بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے چین کے خلاف کاشغر کو مدد دی تھی،پھر جواہرات اور شیروں کا تحفہ چین بھیج کر وہاں کی شہزادی سے شادی کی درخواست کی تھی۔انکار ہوا تو اس نے ستر ہزار فوج گوشالی کے لیے پامیر کے راستے بھیج دی۔چینیوں نے اس کے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز مہیا نہ ہونے دی اور وہ تباہ ہوگئی۔بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کنشک نہ تھا، بلکہ ختن کا بادشاہ تھا، جسے ایک چینی سفیر نے غلطی سے قتل کرادیا تھا۔

ہندوستانی روایات میں بتایا گیا ہے کہ کنشک مذہب میں بڑا روادار تھا۔پشاور اس کا دارالحکومت تھا، جہاں اس نے مہاتما بدھ کے نام پر ایک ستوپا تعمیر کرایا اور اس میں مہاتما کے بعض تبرکات رکھے۔بدھ دھرم کی چوتھی کونسل اسی نے جالندھر میں بلوائی تھی۔کنشک کے بعد اس خاندان کے پانچ اور حکمرانوں کا ذکر ملتا ہے اور یہ خاندان غالباً 176ء میں ختم ہوا۔

متفرق حالات:

کنشک کے کوشانی خاندان کے بعد کسی بڑی سلطنت کا سراغ نہیں ملتا، البتہ مختلف حصوں میں چھوٹے چھوٹے حکمران ہر سمت پھیلے ہوئے تھے۔اس اثناء میں بدھ مت کے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے، ایک حصے کا نام ھنیان مشہور ہوا۔اس کے پیرو دھرم کی قدیم سادگی اور اصول کے پابند تھے۔دوسرے حصے کا نام

مہایان پڑا۔ ان لوگوں نے مہاتما بدھ کی شخصیت کو اپنی عقیدت کا مرکز بنالیا اور اس کے بت بنا کر پوجا شروع کردی۔ بدھ دھرم کے پیروؤں کا بہت بڑا گروہ مہایان ہی کا پابند بن گیا۔

ہندوستان کی پرانی تحریرات کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، اس کی بنا پر ان تحریرات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اول دھرم شاستر، یعنی مذہبی و اخلاقی تحریرات، دوم ارتھ شاستر، یعنی سیاسی تحریرات اور عملی زندگی کے اصول و ضوابط، سوم کام شاستر یعنی عشق و محبت کے قوانین۔ ارتھ شاستر میں مطلق العنان حکمرانی کی بنا پر سب کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے ذریعے اختیار کیے جا سکتے ہیں، جاسوس لگائے جا سکتے ہیں اور دغا بازی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ عیاری اور قتل میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکمران کو بہت نیک دل ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر وہ منتوح طبقوں کی محبت اور عقیدت حاصل نہیں کر سکتا۔

گپت خاندان:

کنشک کے بعد ہندوستان میں جو عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی وہ گپت خاندان کی سلطنت تھی، جو 320ء سے 535ء تک باقی رہی۔ اس کا بانی چندر گپت اول تھا، جس کی ابتداء پاٹلی پتر (پٹنہ) سے ہوئی۔ اس کا بیٹا سمدر گپت (330ء-37ء) بہت بڑا فاتح گزرا ہے۔ اس نے پہلے پورے آریہ ورت یعنی شمالی ہند کو مسخر کیا، پھر دکن پہنچ گیا اور وہاں کے راجاؤں کو بھی ادائے خراج پر مجبور کر دیا۔ جنوبی و مشرقی بنگال، آسام، نیپال، کابل اور گندھارا کے حکمران اس کے تابع تھے، بلکہ سیلون بھی اس کا لوہا مانتا تھا اور اجین کے فرمانروا بھی اسی کے آگے جھکتے تھے۔ ویدوں کے اصول کے مطابق اس نے اشومیدھ یگ کیا، یعنی ایک گھوڑے کو آراستہ کر کے چھوڑ دیا۔ فوج اس کے پیچھے پیچھے چلتی، جو حکمران خراج دینے پر آمادہ ہو جاتا اس سے خراج لے لیا جاتا، جو گھوڑے کو روک لیتا، اس سے جنگ کی جاتی۔

بکرماجیت:(375ء413)

سمدر گپت کا بیٹا چندر گپت ثانی کے لقب سے حکمران بنا۔ تاریخ و روایات میں یہ بکرماجیت کے نام سے مشہور ہے اور بہت بڑا راجا مانا جاتا ہے۔ اس نے مالوہ، گجرات اور سوراشٹر کو فتح کر کے اجین کا راج بھی ختم کر دیا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کے دو بڑے مرکز تھے: شمالی ہند میں اجودھیا (موجودہ فیض آباد) اور مغربی ہند میں اجین۔

بکرماجیت کے بعد اس سلطنت میں زوال آگیا اور آہستہ آہستہ اس کا اقتدار گھٹتا گیا۔ یہ لوگ بہار

سے اٹھ کر سارے ہندوستان میں چھا گئے تھے، پھر مگدھ (موجودہ بہار) ہی میں ان کی حکومت باقی رہ گئی۔ اس کا سلسلہ آٹھویں صدی عیسوی تک چلا۔ ہندوستان میں جتنے خاندان مسلمانوں کی آمد سے پیشتر حکمران رہے، ان میں سے صرف گپت خاندان کو حقیقی معنی میں ہندو خاندان کہا جا سکتا ہے، اس لیے کہ اس خاندان کے بادشاہ برہمن مت کے معتقد اور حامی تھے۔ باقی خاندانوں میں سے کوئی بھی ہندو نہ تھا، اس لیے مسلمانوں کی آمد سے پیشتر کے دور کو ہندو دور نہیں، بلکہ مسلمانوں سے پیشتر کا دور کہنا صحیح ہے۔

برہمن مت اور منو شاستر:

گپت خاندان ہی کے عہد حکومت میں برہمن مت کو از سر فروغ حاصل ہوا اور یہی اصل ہندو دھرم کی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ منو کے دھرم شاستر تیار کیا جو بعد میں ہندوؤں کے تمام قوانین وضوابط کا مرکز بنا رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستی، یعنی بیواؤں کا شوہروں کے ساتھ جل مرنا شروع ہو چکا تھا۔ مختلف قسم کی سزائیں جاری تھیں، مثلاً کھال اتارنا، پھانسی دینا، آگ میں جلانا، ہاتھ پاؤں کاٹنا، جرمانے کرنا اور ذات سے باہر کر دینا۔ مدعی کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ مدعا علیہ کے دروازے پر مرن برت کا اعلان کر کے بیٹھ جائے اور اسے اپنے مطالبے کی تکمیل پر مجبور کرے۔ چین کا مشہور سیاح اور بدھ یاتری فاهیان، گپت خاندان ہی کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر جرمانوں کی سزائیں دی جاتی تھیں اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا صرف ڈاکوؤں اور باغیوں کے لیے مخصوص تھی۔ شمالی ہندوستان اور سیلون میں امن اور خوشحالی کی وہ بڑی تعریف کرتا ہے۔

ہندو فلسفہ:

حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو سال قبل اور ایک سو سال بعد کے زمانے میں ہندو فلسفے کے چھ دبستان بروئے کار آئے۔ اگرچہ انھیں فلسفے کے دبستان نہ کہنا چاہیے، بلکہ مذہب کو عقل کے رنگ میں پیش کرنے کے مختلف پہلو قرار دینا چاہیے۔ وید تمام مذہبی معلومات کا اصل سرچشمہ تھے، لیکن ہندو قوم کے نزدیک کامیابی یا نجات اس امر پر موقوف تھی کہ انسان جنم کے چکر سے نجات حاصل کر لے۔ چنانچہ قرار یہ پایا کہ روح کو علم کے ذریعے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں جو مختلف اصول تجویز ہوئے وہ چھ کتابوں میں جمع ہیں۔ ایک پورو میمانسا جس میں قربانی کے اصول بیان کیے گئے ہیں، دوم ویسیشک شاستر، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وقت اور جہت کے لحاظ سے مادے کے اجزا پر کیا اثر پڑتا ہے اور روح کی وابستگی یا نجات مادے ہی کے تجزیے پر موقوف ہے۔ سوم نیا شاستر، جس میں منطق کا نظام پیش کیا گیا ہے، لیکن اس

منطق کا جو روح کی نجات کا علم حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ چہارم یوگ شاستر، اس میں روح اور جسم کی تپسیا کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ پنجم برہم شاستر، اس میں ویدوں کا نقطۂ نگاہ صاف اور واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ششم اتر میمانسا۔

ادبیات:

گپت خاندان کے عہد میں ادبیات نے بھی بڑی ترقی کی۔ کالی داس اس زمانے کا مشہور شاعر ہے، جس کے ڈرامے شکنتلا، وکرم اروسی اور میگھ دوت عام طور پر مشہور ہیں اور ان کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف لوگوں نے شعر و ادب کی بڑی خدمات انجام دیں۔

علوم وفنون:

مختلف فنون کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا، مثلاً تعمیرات، مصوری، نقاشی اور طب، علوم میں سے ہیئت، ریاضیات، الجبراء اور مہندسی کے اصول وضع ہوئے۔ آریہ بھٹ نے زمین کی گردش کا دعویٰ کیا۔ جنوبی ہند اور سیلون میں اس کا دور کا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں۔

چین

(618ء تک)

چن خاندان:

221 ق م میں شی ہونگ ٹی (Shih Hung Ti) نام ایک شخص نے چن خاندان (Ch'in) حکومت کی بنیاد رکھی اور اپنے آپ کو سب سے پہلا شہنشاہ قرار دیا۔ لی سو (Li Ssu) اس کا مشیر تھا۔ پوری سلطنت کو چھتیس صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کے لیے دیوانی، فوجی اور نگران کار افسر مقرر کیے۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ غیر مسلح ہو جائیں، چنانچہ جو ہتھیار اسے ملتے انھیں پگھلا کر ختم کر دیتا۔ اس نے قوانین کو معیاری بنا دیا، وزن اور پیمانے مقرر کر دیے، شمالی سمت کے وحشی قبیلوں کے حملوں کی روک تھام کے لیے مختلف دمدموں کو ملا کر ایک دیوار[1] بنانے کا کام 214 ق م میں شروع کیا۔ اس کے لیے بیگار سے کام لیا گیا۔ جو لوگ سزا پا چکے تھے ان کے خاندانوں کو نیز مزدوروں کے خاندانوں کو اٹھا کر دیوار کے پاس آباد کر دیا، تاکہ کام باقاعدہ جاری رہ سکے۔ جنوبی و وسطی چین کو فتح کیا۔ 213 میں سائنس کی کتابوں کے سوا تمام کتابیں پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ لکھنے کے لیے ریشم کا کپڑا استعمال ہونے لگا، رسم الخط کی اصلاح ہوگئی۔

نیا خاندان حکمران:

202 ق م میں نئے خاندان حکومت کی بنیاد پڑی جسے عام طور پر مغربی ہن خاندان کہا جاتا ہے۔
192 ق میں چاؤ ٹو (Chao T'o) کو اس علاقے کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، جسے آج کونگ کہتے ہیں۔
181 ق م میں اس کے خلاف مہم بھیجی گئی، جو تباہ ہوگئی۔
لیو ٹی (Liu Teh) نے تمام پرانی کتابیں فراہم کر کے ایک کتب خانہ بنایا۔ وو ٹی (Wu Ti)â140 ق م۔ 87 ق م) بڑا جنگجو شہنشاہ تھا۔ اس نے فتوحات بھی کیں اور حکیم کنفیوشس کی تصانیف کے مطالعے کا بھی اچھا بندوبست کر دیا۔ جو لوگ دیوانی محکموں کے انچارج تھے، ان کے لیے ضروری تھا کہ حکیم کنفیوشس کی تصانیف میں انھیں پوری مہارت ہو۔ 136 ق م میں تمام تصانیف پانچ حصوں میں تقسیم ہو گئیں، اول دینیات، دوم منظومات، سوم عام تاریخ، چہارم حکیم کنفیوشس کے متعلق حکایات، پنجم مراسم اور دعائیں۔

اس زمانے میں جاگیریں بڑے بیٹوں کو میراث میں ملتی تھیں، اس وجہ سے چھوٹے بیٹے بہت پریشان رہتے تھے۔ 127ق م میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جاگیروں کا نصف حصہ چھوٹے بیٹوں کو دیا جائے۔ 124ق م میں دیوانی کے کارکنوں کی تربیت کے لیے ایک کالج بنایا گیا، اس میں حکیم کنفیوشس کی کتابوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ 108ق م میں کوریا فتح ہوا، پھر طاس طارم اور فرغانہ کی ریاستیں مسخر ہوئیں۔

روپے کا انتظام:

مستقل جنگی مہموں کے باعث خزانہ بالکل ختم ہو چکا تھا، لہٰذا بادشاہ نے روپیہ پیدا کرنے کی یہ تجویز سوچی کہ اول روپیہ لے کر فوجی خطابات دینا، دوم نمک اور لوہے کے اجاروں کا بندوبست کر لیا، سوم امراء سے جبراً رقمیں وصول کیں۔

پہلی صدی قبل مسیح میں چین کی پہلی عام تاریخ مرتب ہوئی۔ یہی تاریخ آئندہ کی تاریخی کتابوں کے لیے ایک نمونہ بن گئی۔ سوما چیان (Ssu-ma ch'ien) اس کتاب کی ترتیب کا ذمہ دار تھا۔

ونگ منگ (Wang Mang) ابتداء میں کمسن بادشاہ کا نائب السلطنت تھا، پھر خود بادشاہ بن گیا اور اس نے بڑی اصلاحات کیں، مثلاً زمین کو قومی بنایا اور اسے بڑی بڑی جاگیروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ غلاموں کی آزادی کا قانون منسوخ کر دیا گیا اور غلام رکھنے پر ایک ٹیکس لگایا گیا۔ نمک، لوہے اور ضرب سکہ کے اجاروں کا بندوبست پہلے ہو چکا تھا، ان میں شراب اور کان کنی کے اجارے بھی شامل کر لیے گئے۔ ساہوکاری اور مہاجنی لوگوں کے لیے خاصی مصیبت کا سامان بن چکی تھی۔ سود خوری نے اقتصادی حالت کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ بادشاہ نے سود کی روک تھام کے سلسلے میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تدفین کے لیے قرضہ لینا چاہیں، ان سے تین مہینے تک کوئی سود نہ لیا جائے گا۔ اگر وہ نفع بخش کاروبار کے لیے قرض کے خواہاں ہوں تو مہینے بھر کے لیے تین فیصد اور سال بھر کے لیے دس فیصد سود لیا جائے گا۔ ونگ نے تاجروں اور سرمایہ داروں کو بھی نظم و نسق میں شریک کر لیا تھا، اس پر بغاوتیں ہوئیں اور ایک بغاوت میں ونگ مارا گیا۔

مشرقی ہن خاندان:

ونگ منگ پر مغربی ہن خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور 25ء میں مشرقی ہن خاندان کی حکومت شروع ہوئی، جو 220ء تک قائم رہی۔ اسی زمانے میں بدھ مت ہندوستان اور وسطی ایشیا سے چین پہنچا۔ 43ء میں جاوا، سماٹرا، ہند چینی، انام، ملایا وغیرہ چین کے زیر اثر آ چکے تھے۔ پن چاؤ (Pan ch'ao) بڑا

عقل مند اور دوراندیش بادشاہ تھا۔74ء سے 94ء تک حکمران رہا۔اس نے صرف اپنی دانش مندی اور دوراندیشی سے ترکستان کی تمام چھوٹی ریاستیں مسخر کرلیں اور مشرقی روسی سلطنت کے ساتھ ریشم وریشمی پارچات کی تجارت کا راستہ کھول دیا۔اس کا ایک کارکن خلیج فارس تک جا پہنچا تھا۔کچھ مدت بعد اس خاندان میں زنانہ حکمرانوں کا دور شروع ہوگیا۔چین میں بہت پہلے سے خواجہ سراؤں کا رواج پڑ گیا تھا۔یہ لوگ بڑے طاقتور ہوگئے تھے۔لوگوں کو بے دردی سے لوٹتے اور عالموں کو قتل کرتے۔آخر انھیں دبایا گیا اور 189ء میں خواجہ سرا قتل کردیئے گئے۔سین اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔جو 190ء سے 220ء تک حکمران رہا۔اسی کے زمانے میں اختیارات بڑے بڑے فوجی افسروں نے سنبھال لیے اور تین نئی سلطنتیں ظہور میں آئیں، جو 220ء سے 264ء تک قائم رہیں۔پھر مختلف حصوں میں مختلف خاندان برسر اقتدار آتے رہے۔افراتفری کا یہ عالم تھا کہ 304ء سے 439ء تک شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ کم وبیش سولہ ریاستیں قائم ہوچکی تھیں۔

چینی سیاح اور یاتری:

مہاتما بدھ کے متعلق چینیوں کی جتنی معلومات تھیں، وہ دوسروں سے مستعار لی گئی تھیں۔ہندوستان میں بہت سے فرقے پیدا ہوچکے تھے اور ان کی کیفیت دیکھ کر چینیوں کو بڑی تشویش ہوئی، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ خود ہندوستان پہنچ کر بدھ مت کی کتابیں جمع کریں اور ان کا ترجمہ چینی زبان میں کردیا جائے تاکہ اہل چین مہاتما بدھ کی صحیح تعلیم سے آشنا ہوسکیں۔چنانچہ 200ء سے 600ء تک کم وبیش بیاسی چینی عالموں نے صرف اس غرض سے ہندوستان کی سیاحت کی۔انھی میں فاھیان بھی تھا، جو وسط ایشیا کے صحرائی علاقے میں سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا اور سمندر کے راستے واپس گیا۔سنگ یُن، اودیانہ اور گندھارا ھی کے راستے آیا اور اسی راستے واپس گیا۔

407ء میں آواروں کے وحشی قبیلے نے منگولیا میں ایک مستقل سلطنت قائم کی، جو 552ء تک باقی رہی۔579ء میں چین کی سلطنت متحد ہوگئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں مٹ گئیں۔605ء میں ایک عظیم الشان نہر کھودی گئی تاکہ اندرون ملک کے بحری راستوں کو باہم ملا دیا جائے۔اس کی کھدائی میں دس لاکھ مزدوروں نے کام کیا۔606ء میں قومی کالج میں توسیع کردی گئی۔613ء میں ملک کے اندر بغاوتیں شروع ہوئیں۔618ء میں بادشاہ مارا گیا اور نئے خاندان حکومت کی بنیاد پڑی۔

جاپان

(645ء تک)

جاپان مختلف جزیروں کا مجموعہ ہے، جو کوریا کے جنوبی گوشے کے پاس سے شروع ہو کر پہلے مشرق کی طرف پھر شمال کی طرف نکل جاتے ہیں۔ زیادہ تر زمین چار بڑے جزیروں نے گھیر رکھی ہے، جن میں سے ہونڈو (Hondo) سب سے بڑا ہے۔ پھر ہوکائڈو (Hokkaido) کا نمبر آتا ہے۔ کیونکہ کیوشو (Kyushu) جنوبی حصے میں واقع ہے اور شکوکو (Shikoku) اس سے مشرق میں ہے۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ جاپان کے اصل باشندے کس نسل کے تھے، اس لیے کہ ان کے بارے میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ آثار قدیمہ اور جسموں کی دیکھ بھال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا تعلق کوریا کے باشندوں سے تھا۔ جس حد تک مذہب کا تعلق ہے، دوسری قدیم قوموں کی طرح جاپانی بھی مظاہر قدرت کی پوجا کرتے تھے اور انھوں نے خاص مذہبی مراسم کا ایک نظام مرتب کر لیا تھا۔

اگرچہ جاپانی کہتے ہیں کہ ان کا پہلا بادشاہ 660 ق م میں ہوا، لیکن یہ بادشاہ اور اس کے جانشین بڑی حد تک افسانوں کی کہر میں گم ہیں۔ جاپان کے متعلق پہلا ذکر چین کی تاریخوں میں آیا ہے اور یہ تیسری صدی عیسوی سے پیشتر کا نہیں۔ اس ذکر میں جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم مغربی جاپان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سیاسی یونٹ موجود تھے اور ان میں سے بعض کی عنان حکومت عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔

اہم واقعات:

230ء جو ریکارڈ ملتے وہ تاریخی اعتبار سے ایک حد تک قابل اعتماد ہیں۔ 360ء میں جاپان کو ایک ملکہ نے کوریا پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ خود کوریا کی دستاویزوں میں بھی جاپانیوں کی یورش کا ذکر ملتا ہے۔ کوریا سے یوں تعلق پیدا ہوا تو چینی تہذیب کے لیے جاپان میں داخلے کا اچھا موقع پیدا ہو گیا۔ 413ء میں چین کے ساتھ جاپان نے براہ راست تعلقات قائم کر لیے، بلکہ رسم الخط بھی چینی ہی اختیار کر لیا۔

جاپان کا مجلسی نظام قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ایک قبیلے کے باشندے اس امر کے دعویدار تھے کہ وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ قبیلے کا سردار مذہبی پیشوا کا کام بھی انجام دیتا تھا۔ 527ء میں کیوشو کے اندر بغاوتیں

شروع ہوئیں۔552ء میں بدھ دھرم کی تبلیغ شروع ہوئی۔سوئی کو نام کی ایک ملکہ(593ء،628ء)اس زمانے میں حکمران تھی، جب بدھ مت مذہب پھیلا اور چینی تہذیب کے اثرات جاپان کی حکومت اور معاشرے میں نمایاں ہوئے۔ملکہ کا ولی عہد شہزادہ شوٹو کو تھا۔اسی نے بدھ مت کی سرپرستی اختیار کی۔اسی نے اپنے ملک میں چین کے انداز حکومت کی داغ بیل ڈالی اور بڑی بڑی خانقاہیں تعمیر کیں۔645ء میں ایک بغاوت ہوئی، جس میں پہلا شاہی خاندان ختم ہو گیا اور دوسرے خاندان کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور آئی۔

قرون وسطیٰ

ابتدائی دور
کلیسائی نظام

کلیسائی نظام کا آغاز:

روم آگے چل کر کلیسائی نظام کا مرکز بن گیا اور مسیحی دنیا میں اس نے بلند ترین حیثیت حاصل کر لی، لیکن مسیحیت کے آغاز میں صورت حال مختلف تھی۔ اس زمانے میں مشرق کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس لیے کہ تمام مقدس مذہبی مقامات مشرقی رومی سلطنت کے قبضے میں تھے اور سیاسی مرکز بھی قسطنطنیہ تھا، جہاں شہنشاہ رہتے تھے۔

اسقفی نظام:

ابتداء میں مذہبی امور کی دیکھ بھال کے لیے جگہ جگہ مختلف لوگ مقرر ہو گئے تھے۔ جیسے جیسے مذہب کی اشاعت کا دائرہ پھیلتا گیا، شہنشاہی نظام کی طرح مذہبی نظام میں بھی مرکزیت پیدا ہوتی گئی، چنانچہ بڑے بڑے شہروں میں اسقف یا بڑے بڑے پادری اردگرد کے وسیع علاقوں کی دیکھ بھال کے لیے مقرر ہو گئے۔ 241 عیسوی میں پوری مسیحی دنیا کے اندر پانچ بڑے اسقف مانے گئے تھے۔ ان میں سے چار مشرق میں تھے، یعنی قسطنطنیہ، یروشلم، انطاکیہ (Antioch) اور اسکندریہ۔ پانچواں اسقف روم میں تھا۔

عقائد اور نظم و نسق کے جو خاص مسئلے پیش آ جاتے تھے، ان کے تصفیے کے لیے شہنشاہ ایک کونسل منعقد کر لیتا تھا، جس میں مختلف حصوں کے نمائندے شریک ہوتے تھے۔ خود شہنشاہ یا پوپ کے نمائندہ کونسل کی صدارت کے فرائض انجام دیتا تھا۔

پاپائیت:

تمام اسقفوں کو 425 عیسوی تک عام طور پر پاپا کہا جاتا تھا۔ جس معنی میں پاپا کا لفظ بعد ازاں استعمال ہونے لگا، اس کا نشان ساتویں صدی سے پیشتر نہیں ملتا۔

روم کے اسقف کو دوسرے اسقفوں جیسا ہی روحانی اقتدار حاصل تھا۔ آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا

کا اثر مغرب کی سرزمینوں میں کم ہونے لگا اور رومہ کا کلیسا مغرب کا واحد بڑا مذہبی مرکز باقی رہ گیا۔ اسی وقت سے رومہ کے اسقفوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم لوگ پطرس رسول اور پولوس رسول کے مقبروں کے مجاور ہیں اور رومہ ہی میں پطرس نے شہادت پائی تھی۔ اس وجہ سے رومہ کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ شہنشاہ ڈائیوکلیشین کے وقت تک رومہ سلطنت کا بھی مرکز تھا۔ بعد ازاں میلان مرکز حکومت بنا تو اس نے رومہ کے برابر حیثیت حاصل کر لی۔ 330ء میں مرکز حکومت قسطنطنیہ میں منتقل ہوا تو رومہ کا سیاسی اقتدار یقیناً زائل ہو گیا، لیکن وہاں کے اسقفوں کا مذہبی اقتدار اس سبب سے بڑھ گیا کہ آس پاس کوئی سیاسی حریف ان سے مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔

ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ مسیحیت کی تبلیغ اور اخلاقی عقیدوں کی روک تھام کے لیے رومہ کے اسقفوں کی حمایت کرتے تھے۔ ان کے پاس دولت بھی زیادہ جمع ہو گئی تھی اور خیراتی اداروں کا کاروبار بھی انھی کے حوالے تھا۔ کبھی کبھی یہ اسقف اپنے دائرہ اختیار سے باہر کے مذہبی امور میں بھی دخل دے دیتے تھے۔ غرض ان اسباب کی بنا پر ان کا اقتدار ترقی کرتا گیا۔

کلیسا کا پطرسی نظریہ:

متی کی انجیل میں بعض ایسے کلمات تھے، جن سے یہ مطلب نکالا گیا کہ پطرس رسول فرمایا تھا کہ وہ کنجیوں کا مالک ہے اور باندھنے کھولنے کا اسے اختیار دے دیا گیا ہے[1□6] رومہ کے اسق فوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ پطرس رسول کے وارث ہیں اور تمام اختیارات ان کے حوالے ہوئے ہیں۔ یہی پطرسی نظریہ تھا، جسے پہلے پہلے پوپ سیلسٹائن (Celestine) اول (422ء-432ء) نے رواج عام دیا۔ اس طرح رومہ کا اسقف محض اسقف نہ رہا، بلکہ سب سے فائق و برتر مذہبی پیشوا بن گیا۔

خانقاہی نظام:

عام لوگوں کے اخلاقی حالات اچھے نہ تھے اور مذہبی پیشوا اس سلسلے میں ہر اصلاح کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے۔ بعض پیشواؤں نے رہبانیت پر زور دیا، یعنی ایسی زندگی بسر کرنا جو دنیا کی تمام خواہشات سے پاک ہو۔ انھوں نے خالص دوستی وفقیری سے سروکار رکھا۔ اس غرض کے لیے جا بجا خانقاہیں بن گئیں، جن میں لوگوں کو راہبی کی تربیت دی جاتی تھی۔

اس سلسلے میں تین مذہبی پیشوا خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

اول جیروم (Jerome) (340ء-420ء) یہ شخص راہبی کا بہت بڑا حامی تھا۔ اس نے بائبل کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا تھا اور یہ ترجمہ اب تک مستند مانا جاتا ہے۔ دوسرا ایمبروز (Ambrose) (340ء-397ء) اس نے پادریوں کے فرائض کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی۔ اسی کے عہد میں میلان رومہ کا ہم پلہ بنا تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے شہنشاہ کو اس امر پر مجبور کیا کہ گناہوں کی بخشش کے لیے ریاضت کرے۔ ساتھ ہی کہا کہ مذہبی معاملات میں اسقف کا درجہ بادشاہ سے اونچا ہے۔ تیسرا آگسٹائن (Augustine) (354ء-430ء) مغربی سرزمین کے مذہبی پیشواؤں میں اسے سب سے بڑا مانا جاتا ہے اور مغربی دینیات کا بانی بھی یہی تھا۔ اس کی وجہ سے مذہبی امور میں فلسفیانہ غور و فکر کا آغاز ہوا۔

لیو اعظم: (440ء-461ء)

پوپ انوسینٹ (Innocent) اول نے دعویٰ کیا کہ پوپ ہی رسولوں کی روایات کے محافظ ہیں اور انھیں تمام رومی کلیساؤں پر اقتدار حاصل ہے۔

اس عہد کا سب سے بڑا پوپ لیو اعظم (Lep the Great) تھا۔ اس نے شہنشاہ سے فرمان حاصل کرلیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ پوپوں کی طرف سے جو فیصلے صادر ہوں، انھیں قانون کا درجہ حاصل ہے۔ اسی نے یہ کہا کہ پطرس رسول کے جانشین جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں، اسے خود رسول کی طرف سے سمجھنا چاہیے۔ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دو فطرتوں (انسانی اور الوہی) کو متحد قرار دیا اور یہ ماننے سے انکار کردیا کہ قسطنطنیہ کے کلیسا کو تمام کلیساؤں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے عہد میں وحشی قبیلوں کے حملے شروع ہوگئے تھے۔ وہ حملے صرف اس کی کوشش سے رکے۔ عام لوگوں نے ان واقعات کو خود لیو کی کرامت قرار دے دیا۔

وحشی قبیلوں کی نقل وحرکت

حملہ آوروں کے گروہ:

مغربی یورپ پر وحشی قبیلوں کے حملوں کا سلسلہ ابتدا ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ ان میں سے پہلے قابل ذکر جرمن قبیلے ہیں، جو ڈنمارک نیز دریائے ایلب اور اوڈر کے درمیان آباد تھے۔ ان کے مشرق میں لٹ (Letts) رہتے تھے اور مغرب میں سیلٹ (Celts)۔

مغربی جرمنوں نے، جنھیں عام طور پر ٹیوٹانی کہا جاتا ہے، 1000 ق م میں سیلٹوں کو نکال کر باہر کیا، پھر وہ جنوبی جرمنی پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ جانور پالتے تھے اور کھیتی باڑی کرتے تھے، پھر انھوں نے نئے نام اختیار کر لیے۔ مشرقی سمت کے جرمنوں نے بحیرۂ بالٹک کو عبور کیا اور وہ دریائے وچولا کے ساتھ ساتھ کوہستان کارپیتھین تک پہنچ گئے۔ شمالی سمت کے جرمن اپنی جگہ بیٹھے رہے۔

ان کا عام نظام قبائلی جمہوریت پر مبنی تھا۔ بڑے آدمیوں کی ایک مجلس شاہی خاندان میں سے موزوں آدمی کو بادشاہ چن لیتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ قبیلے بحیرۂ اسود تک پہنچ گئے اور وہاں ان میں نئی تقسیمات ہوئیں۔

قبیلہ ہن:

ہن قبیلہ منگولی خانہ بدوشوں کا قبیلہ تھا، جو بیرونی دباؤ کے ماتحت ایشیا سے نکلے اور چوتھی صدی میں یورپ پہنچ گئے۔ قریباً پچاس برس تک یہ دریائے ڈینیوٹ کی وادی میں رکے رہے۔

ہنوں نے اپنے سردار ایٹی لا (Attila) (445ء-453ء) کے زمانے میں بڑا عروج حاصل کیا۔ شہنشاہ ویلنٹینین (Valentinian) سوم کی بہن کی شادی جہاں ٹھہری تھی، اس پر وہ راضی نہ تھی۔ اس شادی سے بچنے کے لیے اس نے اپنی انگشتری ایٹی لا کے پاس بھیج دی اور مدد مانگی۔ ایٹی لا نے انگشتری بھیجنے کو شادی کی پیشکش قرار دے لیا اور حملہ کر دیا۔ مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے وہ میٹز (فرانس) پہنچ گیا اور اس نے آس پاس کے صوبوں کو خوب لوٹا۔ رومیوں نے اس کے مقابلہ کے لیے بھاری فوج فراہم کی، لیکن ایٹی لا جنگ سے پہلو بچاتا رہا۔ چونکہ وہ رومی شہزادی سے شادی کرنا چاہتا تھا اس لیے اٹلی پر حملہ آور ہو گیا اور اسے بہت بری طرح برباد کیا۔ رومہ کا راستہ کھلا پڑا تھا۔ اس اثنا میں تین آدمیوں کو سفیر بنا کر ایٹی لا کے پاس بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک پوپ لیو اعظم بھی تھا۔ یکایک اس کی فوج میں پلیگ پھوٹ پڑی۔ رومی

نے فوج کے پاس مشرق کی طرف سے اور کمک پہنچ گئی۔ ایٹی لا ابھی کوئی قدم نہ اٹھا سکا تھا کہ 453ء میں وفات پا گیا۔ جو جرمن سردار اس کے باجگزار بن چکے تھے، انھوں نے بغاوت کی اور ہنوں کی قوت ختم ہوگئی۔

مغربی گاتھ:

مغربی گاتھ ہنوں کے مقابلے میں شکست کھا کر رومی سلطنت میں پناہ گزین ہوئے۔ شہنشاہ نے حکم دے دیا کہ وہ ہتھیار رکھ دیں اور مقررہ علاقے میں آباد ہو جائیں۔ رومی نظم و نسق کے ذمہ دار ہتھیار نہ لے سکے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سال انھیں جنگ کرنی پڑی۔ گاتھوں نے ادرنہ (ایڈریا نوپل) کے قریب قسطنطنیہ کے شہنشاہ کو شکست دی اور وہ مارا گیا۔ اس کے بعد شہنشاہ مسند نشین ہوا، اس نے گاتھوں سے صلح کر لی۔

ایلارک:

گاتھوں نے اپنے سردار ایلارک (Alaric) کے ماتحت بڑا عروج حاصل کیا۔ اس نے 401ء میں اٹلی پر ہلہ بولا اور وینس کے علاقے کو لوٹا۔ 410ء میں رومہ پر قبضہ کر لیا۔ تین روز تک شہر میں غارتگری کا دور جاری رہا، پھر اس نے افریقہ کا قصد کر لیا، جہاں سے اٹلی کے لیے غلہ آتا تھا، لیکن اس کا بیڑا تباہ ہو گیا۔ اس وجہ سے اسے واپس لوٹنا پڑا۔ اسی حالت میں وہ مر گیا، پھر اس کا نسبتی بھائی مغربی گاتھوں کا رئیس بنا۔ اس نے فوجیں لے کر شمالی سمت کا رخ کر لیا۔ ایلپس کو عبور کر کے وہ گال پہنچا۔ وہاں سے ہسپانیہ کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوا اور 415ء میں مارا گیا۔

اس قبیلے کی کئی بادشاہیاں قائم ہوئیں، جن میں سے سب سے بڑھ کر قابل ذکر بادشاہی ہسپانیہ کی تھی۔ یہ 507ء میں قائم ہوئی۔ جب مسلمان عربوں نے ہسپانیہ پر حملہ کیا تو یہ بادشاہی اختتام کو پہنچی۔ راڈرک مغربی گاتھوں کی ہسپانوی سلطنت کا آخری بادشاہ تھا۔ شہنشاہ جسٹینین (Justinin) کے زمانے میں ہسپانیہ پر حملہ کیا گیا تھا، لیکن صرف جنوبی و شرقی علاقہ مسخر ہو سکا۔ آگے چل کر گاتھوں نے یہ بھی واپس لے لیا۔

ونڈال:

یہ قبیلہ 406ء میں دریائے رہائن کو عبور کر کے فرانس پہنچا اور 409ء میں ہسپانیہ کی طرف نکل گیا۔ جنوبی ہسپانیہ میں انھوں نے ایک سلطنت قائم کر لی 1 تھی۔ 429ء میں یہ لوگ سمندر کو عبور کر کے افریقہ پہنچ گئے اور وہاں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔ یہ بہت وحشی تھے، جو سامنے آتا اسے قتل کر دیتے اور جو

چیز ہاتھ آتی اس پر قبضہ جما لیتے۔ ان کے سردار کے بیٹے کی نسبت شہنشاہ قسطنطنیہ کی بیٹی سے ہو گئی تھی اور افریقہ میں رومیوں کے جتنے علاقے تھے وہ سب ونڈالوں کو مل گئے۔ صرف قرطاجنہ کا علاقہ رومیوں کے قبضے میں رہ گیا۔ 439ء میں ونڈالوں نے وہ بھی لے لیا اور وہاں اپنا بحری مرکز بنایا۔ 455ء میں انھوں نے رومہ پر حملہ کیا اور دو ہفتے تک شہر میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا۔ شہنشاہ جسٹینین کے عہد میں ونڈالوں کی قوت برباد ہوئی۔

مشرقی گاتھ:

مشرقی گاتھوں نے اپنے سردار تھیوڈورک (Theodoric)(489ء-526ء) کے ماتحت بڑی قوت پیدا کر لی۔ قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے اسے جائز حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ اس نے جرمان قبیلوں کے ساتھ اتحاد جاری رکھا۔ اس کی وفات سے کوئی دس برس بعد جسٹینین کے حملے شروع ہو گئے اور 554ء تک مشرق گاتھ اٹلی سے نکال دیئے گئے۔

وحشی قبیلوں کے حملوں کے باعث رومہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اس کی آبادی پانچ لاکھ سے کم نہ تھی، لیکن ان حملوں کے بعد صرف پچاس ہزار رہ گئی۔ پھر تحریک احیائے علوم کے زمانے میں شہر کے اندر از سر نو آبادی شروع ہوئی۔

فرینک:

فرینک ابتدا میں دریائے رہائن کے زیریں حصے میں آباد ہوئے تھے اور ان کے دو گروہ تھے: ایک وہ جو سمندر کے قریب آباد تھے 1 اور دوسرے وہ جو دریا کے کنارے مقیم تھے 2۔ سمندر کے قریب رہنے والے فرینکوں نے 431ء میں اپنی سلطنت قائم کی۔ ان کا پہلا بڑا بادشاہ کلووس (Clovis)(481ء-511ء) تھا، جو 496ء میں مسیحیت کا حلقہ بگوش بنا۔ اس نے پیرس میں مقدس رسولوں کا گرجا تعمیر کرایا اور پیرس کو دارالحکومت بنایا۔ اس حکمران خاندان کو میرو ونجی (Merovingian) خاندان کہتے ہیں۔ ان کا نظام حکومت رومیوں جیسا تھا۔ فوجی سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں۔ تنخواہوں کے بدلے میں تمام سرکاری ملازموں کو زمینیں دے دی جاتی تھیں، تاکہ کاشتکاری کرائیں اور فائدہ اٹھائیں۔ انھی جاگیروں کے باعث بادشاہ کا اقتدار گھٹ گیا، امیروں اور رئیسوں کا اقتدار بڑھ گیا۔

کارولنجی خاندان:

639 میں ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑی، جو عام طور پر کارولنجی (Carolingian) خاندان کہلاتا

ہے۔ اس خاندان کے بادشاہ پیپن دوم نے 687ء میں اقتدار قائم کیا۔ اس کا بیٹا چارلس مارٹل (Charles Martel) تھا، جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ تورز میں مسلمانوں کی شکست اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھی، چنانچہ اس کے بارے میں بہت سے افسانے مشہور ہو گئے۔ مارٹل نے 741ء میں وفات پائی۔

لمبارڈ:

شہنشاہ آگسٹس کے زمانے میں لمبارڈ دریائے ایلب کے زیریں حصے میں آباد تھے اور رومیوں نے 5ء میں انھیں شکست دی تھی۔ اس کے بعد چار سو سال تک ان کی سرگزشت پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہنوں کی سلطنت میں وہ حصے دار بن گئے تھے، جسٹینین نے 553ء کے قریب انھیں زمینیں دے کر آباد کر دیا تھا۔ اس اثنا میں والگا کی طرف سے ایک اور قبیلہ آ گیا، جسے فرینکوں نے شکست دی (565ء) اور وہ لمباڈوں کے ساتھ مل گیا۔ اس وقت لمبارڈ اٹلی کی طرف بڑھے۔ اٹلی کو گاتھوں کے حملوں نے بہت تباہ کر دیا تھا۔ قحط پڑا ہوا تھا، وبائیں پھیلی ہوئی تھیں اور مدافعت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکتا تھا۔ قسطنطنیہ کی طرف سے امداد کی امید ہو سکتی تھی، لیکن وہاں اس معاملے کو توجہ کے قابل ہی نہ سمجھا گیا اور 568ء میں لمبارڈوں نے اٹلی کو مسخر کر لیا۔ وہ عام طور پر تعداد میں بہت کم رہتے تھے اور دوسرے گروہوں کو ساتھ ملا کر قوت پیدا کر لیتے تھے۔ اٹلی کی تسخیر کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے لیے رومی القاب تجویز کر لیے، اطالوی زبان بولنے لگے۔ بایں ہمہ لمبارڈوں کو اطالوی نہ سمجھا گیا۔

پوپ گریگوری اعظم:

اسی زمانے میں گریگوری اعظم (590ء-604ء) گزرا ہے۔ اس نے چھ خانقاہیں سسلی میں اور ایک خانقاہ رومہ میں قائم کی، جس میں خود راہب بن کے بیٹھ گیا 590ء میں پوپ منتخب ہوا اور اس نے پاپائیت کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ وہ جن امور پر زور دیتا تھا ان میں سے ایک یہ تھا کہ پادریوں کو شادیاں نہ کرنی چاہئیں۔ انتخابات کی کڑی نگرانی کرتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ پادریوں کے جرموں کا فیصلہ صرف پادری ہی کر سکتے ہیں۔ کلیساؤں کی آمدنیوں کو اس نے چار حصوں میں تقسیم کر لیا تھا: ایک حصہ اسقفوں کے لیے تھا، دوسرا پادریوں کے لیے، تیسرا حصہ غریبوں میں خیرات کے طور پر تقسیم ہو جاتا تھا اور چوتھے حصے سے نئے گرجا تعمیر کیے جاتے تھے۔

اس نے اپنا اثر بہت بڑھا لیا۔ قسطنطنیہ کے بڑے مذہبی پیشوا کے خلاف بھی رومہ میں اپیلوں کا سلسلہ

اسی کے زمانے سے شروع ہوا۔ وہ پاپاؤں کے لیے مختاری مطلقہ کا دعویدار تھا۔ شہروں کے لیے حاکم مقرر کرتا، جرنیلوں کو جنگی ہدایات دیتا، قسطنطنیہ سے فوج کی تنخواہ کے لیے روپیہ وصول کرتا: لمبارڈوں کے خلاف وہ اطالویوں کا سب سے بڑا لیڈر بن گیا۔ اسی نے 596 میں انگلستان اپنے مشنری بھیجے، جن کا رئیس آگسٹائن تھا۔

پاپاؤں کی عام کیفیت:

نویں صدی میں بعض پوپ بڑے عظیم الشان ہوئے، مثلاً نکولس اول (Nicholas)(858ء-867ء) مغرب کی مسیحی دنیا میں اسے مختار کل مانا جاتا تھا، لیکن اس کی وفات پر پاپاؤں کی قوت گھٹ گئی، کیونکہ کوئی طاقتور حکمران ان کی پشتیبانی کے لیے موجود نہ تھا اور اٹلی میں جاگیردار نوابوں نے بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں اسقف بھی پوپوں کے اقتدار سے ایک حد تک بے پروا ہو چکے تھے اور کلیسائی وحدت محض برائے نام باقی رہ گئی تھی۔ گیارھویں صدی کے نصف آخر میں پاپاؤں نے جاگیرداروں کے مقابلے کا ڈھنگ سیکھ لیا تو پھر ان کی قوت بحال ہوئی اور کلیسا از سر نو ایک عظیم الشان نظام بن گیا۔

فرانس جرمنی اور ہسپانیہ

شارل مین کی سلطنت:

کارونجی خاندان کی حکومت کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ چارلس مارٹل کے بیٹے پیپن سوم نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نے کلیساؤں کو زمینیں اور جاگیریں دے کر راضی کر لیا۔ 752ء میں فرینکوں نے اسے اپنا بادشاہ بنالیا۔ پیپن کو اپنا اقتدار بڑھانے کے لیے پاپاؤں کی مذہبی حمایت درکار تھی۔ پاپاؤں کو اس امر کی ضرورت تھی کہ لمبارڈوں کے پھیلتے ہوئے اقتدار کے پیش نظر کسی بڑی طاقت کی پشتیبانی حاصل ہو جائے، اس طرح دونوں کا اتحاد ہو گیا اور پوپ سٹیفن ثانی نے خود گال (فرانس) پہنچ کر پیپن کو اٹلی کا محافظ اور نائب السلطنت قرار دے دیا۔ 754ء میں پیپن فوج لے کر اٹلی پہنچا اور لمبارڈوں کو شکست دے کر وسیع جاگیریں پوپ کے حوالے کر دیں۔ یہ پاپاؤں کی دنیوی سلطنت کا آغاز تھا۔ پیپن نے مغربی سمت میں بھی فتوحات کو جبل البرانس[1] تک پہنچا دیا جو فرانس اور ہسپانیہ کے درمیان واقع ہے۔ وفات پر اس کی سلطنت بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ 771ء تک وہ اکٹھے حکومت کرتے رہے۔ 771ء سے چارلس کی مستقل سلطنت کا آغاز ہوا۔ یورپ کی تاریخ میں یہ پہلی عظیم الشان بادشاہی ہے۔ یہ چارلس ہے جسے چارلس اعظم یا شارل مین کہا گیا۔

شارل مین کا عہد حکومت: (771ء-814ء)

شارلمین کشیدہ قامت اور کسرتی جسم کا آدمی تھا۔ اگرچہ لکھ نہ سکتا تھا لیکن یونانی اور لاطینی بھی بے تکلف بولتا تھا۔ اس کی پالیسی کے تین بنیادی نکتے تھے: اول تمام جرمنوں کو ایک حکومت کے ماتحت لے آنا، چنانچہ سکینڈے نیویا اور برطانیہ کے سوا اس نے تمام جرمن علاقے متحد کر لیے۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ پاپاؤں کے ساتھ اتحاد قائم رہے، تیسرا یہ کہ کلیسا کے نظام کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لائی جائے۔

اس فتوحات کی سرسری کیفیت یہ ہے:

(1) 773ء-774ء: لمبارڈی، وینس، ڈلمیشیا، کارسیکا اور آسٹریا۔

(2) 787ء-788ء: بویریا۔

(3) سیکسنی کے ساتھ لڑائیاں 785ء میں شروع ہو گئیں۔ اٹھارہ مہموں کے بعد اسے فتح کیا گیا اور وہاں مسیحیت کو جبراً جاری کر دیا گیا۔

(4) 795ء-796ء: ڈینیوب کے زیریں علاقوں کے آواروں کو مسخر کیا۔

778ء میں شمالی ہسپانیہ کے مسلمانوں پر بھی حملہ کیا، لیکن رانکس والس [1] کے مقام پر شکست فاش کھائی

رومی سلطنت کا احیاء:

799ء میں پوپ لیو سوم کے خلاف ایک سازش ہوئی اور فساد پھیل گیا۔ پوپ نے رومہ سے نکل کر شارلمین کے دربار میں پناہ لی۔ شارلمین 800ء میں رومہ پہنچا اور پوپ سے کہا کہ جو الزامات اس کے خلاف عائد کیے جاتے ہیں، حلف اٹھا کر ان کی تردید کرے۔ کرسمس کے دن شام کے وقت سینٹ پیٹر کے گرجے میں شارلمین کو شاہی تاج پہنایا گیا۔ اس طرح رومی سلطنت کو از سر نو زندہ کیا گیا، لیکن شارلمین کو ہمیشہ اس تاجپوشی پر افسوس ہوتا رہا، اس لیے کہ اب از سر نو دو شہنشاہیاں وجود میں آ گئی تھیں: ایک قسطنطنیہ کی اور دوسری رومہ کی اور ان دونوں کے درمیان کوئی حد مقرر نہ ہوئی تھی۔ اس زمانے میں ملکہ آئیرین (Irene) قسطنطنیہ میں حکمران تھی۔ سمجھا جاتا تھا کہ شارلمین ملکہ سے شادی کر کے دو عملی کو ختم کرنے اور پوری سلطنت کو متحد کر دینے کا خواہاں تھا، لیکن یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ رومہ میں تاجپوشی کے باوجود شارلمین کی سلطنت آبادی اور انتظامی اداروں کے لحاظ سے اتنی رومی نہ تھی جتنی جرمن تھی۔

نظام حکومت:

شارلمین اپنی سلطنت کے تمام کلیساؤں پر کامل اقتدار کا دعویدار تھا۔ وہی تمام معاملات کے متعلق قانون بناتا، وہی مذہبی عہدیداروں مقرر کرتا اور عقائد کے معاملات میں بھی اسی کے فیصلے حرف آخر مانے جاتے۔ مذہبی کونسلوں کی صدارت بھی کرتا۔

رومیوں کے زمانے میں مختلف لوگوں اور اداروں سے ٹیکس لیے جاتے تھے۔ شارلمین نے انھیں اڑا دیا اور خدمات کے معاوضے میں زمینیں دینے کا سلسلہ جاری کیا۔ ادنیٰ درجے کے لوگوں کو ہر حال میں سرکاری خدمات سر انجام دینی پڑتیں۔ مسلسل جنگوں نے چھوٹے کاشتکاروں کی حالت پر بہت برا اثر ڈالا تھا اور وہ غلام بن کر رہ گئے تھے۔ شارلمین نے اس صورت حال کے انسداد کی کوشش کی۔ مثلاً نہایت غریب کاشتکاروں کو جنگی خدمات سے معاف کر دیا اور چھوٹے کاشتکاروں سے کہا وہ مشترکہ طور پر ضرورت کے وقت ایک سپاہی کا انتظام کر دیا کریں۔ بڑے بڑے امرا حذف کر دیئے گئے اور چھوٹے امرا کے ذریعے سے نظام حکومت چلنے لگا۔

نظامِ سلطنت میں انتشار:

814ء میں شارلیمین کا انتقال ہوا۔ اس کے تین بیٹے تھے، سلطنت تینوں میں تقسیم ہوگئی۔ ہر نئے بادشاہ کی وفات پر اس کے بیٹے مختلف حصوں کو سنبھال لیتے۔ اس طرح سلطنت میں انتشار کا عمل جاری ہوگیا۔ نویں صدی میں مختلف وحشی قبیلوں کے حملے شروع ہوگئے، ان کی وجہ سے سلطنت کے بچے کھچے نشان بھی مٹ گئے۔ یہی زمانہ ہے جب مسلمانوں نے سسلی، کارسیکا، سارڈینا (سردانیہ) او جزائر بلیارک پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح بحیرۂ روم نے عملاً اسلامی جھیل کی حیثیت اختیار کرلی۔ مسلمانوں کے حملے اٹلی اور جنوبی فرانس پر بھی جاری تھے۔ 846ء میں خود روما پر حملہ ہوا۔

سلطنت فرانس کا آغاز:

شارلیمین کے پوتے چارلس دوم کے حصے میں جو سلطنت آئی تھی، وہ موجودہ زمانے کے فرانس پر مشتمل تھی۔ 843ء سے اس سلطنت کی ابتداء ہوئی۔ 987ء تک شارلیمین کی اولاد اس پر قابض رہی۔...... میں ھیو کیپے کو بادشاہ منتخب کرلیا گیا۔ اس وقت سے وہ خاندان برسر اقتدار آیا جس کا سلسلہ انقلاب فرانس تک جاری رہا۔ نپولین کے بعد بھی اس خاندان کے افراد نے کچھ دیر حکومت کی۔

جرمن سلطنت:

جرمنی میں مستقل سلطنت کا آغاز شارلیمین کے پوتے لوئی سے ہوا تھا۔ اس کے وارث 911ء تک برسر اقتدار رہے، پھر مغربی فرینکوں کی حکومت ختم ہوگئی اور 911ء میں کنراڈ (Conrad) اول بادشاہ منتخب ہوا جو پہلے فرینکونیا کا ڈیوک تھا۔ اس نے 918ء میں سیکسنی کے ڈیوک ہنری کو اپنا جانشین تجویز کیا۔ اس سے جرمن بادشاہوں کی مستقل سلطنت شروع ہوئی۔ ہنری کے بیٹے آٹو اول نے دو مرتبہ اٹلی پر یورشیں کیں۔ 962 میں پوپ نے اسے شہنشاہی کا تاج پہنایا اور از سر نو مغرب میں رومی سلطنت کا آغاز ہوا۔ ان بادشاہوں کے ماتحت آہستہ آہستہ جاگیردار نواب بڑی حد تک خودمختار بنتے گئے۔

ھسپانیہ:

پانچویں صدی مسیحی میں مغربی گاتھوں کی سلطنت فرانس کے دریائے لوئر (Loire فرانس کا دریا) سے جبل طارق تک اور دریائے رون (Rhone فرانس کا دریا) سے خلیج بسکے تک پھیل گئی تھی اور طولوز (Toulouse فرانس کا مشہور شہر) اس کا دارالحکومت تھا۔ کلووس نے 507ء میں مغربی گاتھوں کو

فرانس سے نکال کر جبل برانس کے پار پہنچا دیا۔ اس وقت سے طلیطلہ (Toledo) ان کا دارالحکومت بن گیا۔ یہ لوگ پہلے آریوسی بن گئے تھے، پھر انھوں نے رومن کیتھولک مذہب اختیار کرلیا اور پورے زور شور سے مذہب کو پھیلانے لگے۔ 600ء میں یہودیوں کے نام حکم جاری ہوا کہ وہ بے تامل بپتسمالے لیں۔ علاوہ بریں ان پر برابر جبر وتشدد ہوتا رہا، اسی لیے انھوں نے 711ء میں مسلمانوں کا خیر مقدم کیا۔

یہاں اتنا بتا دینا چاہیے کہ مسلمانوں کی فتوحات کے باوجود شمالی ومشرقی ہسپانیہ میں کچھ علاقے مسیحیوں کے پاس باقی رہ گئے تھے اور ان میں چھوٹی چھوٹی بادشاہیاں قائم ہوگئی تھیں، جن کے درمیان دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کیسٹیل کے حکمران فرڈینینڈ نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے 1037ء میں بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔

جزائرِ برطانیہ

انگلستان:

تاریخی دور سے پہلے برطانیہ میں جو باشندے آباد تھے، ان کا تعلق مختلف نسلوں سے تھا اور وہ مختلف سمتوں سے یہاں پہنچے تھے۔ ان میں زیادہ تر تعداد برٹنوں کی تھی، جن کی وجہ سے جزیرے کا نام برطانیہ پڑا۔ یہ لوگ اب تک ویلز میں موجود ہیں۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کو ڈروئڈ (Druids) کہتے تھے۔ مذہب کے علاوہ تعلیم اور مقدمات کے فیصلے بھی وہی کرتے تھے۔

57ق م میں جولیس سیزر نے رومی فوج کے ساتھ برطانیہ پر حملہ کیا اور اس وقت سے 450ء تک انگلستان کا بڑا حصہ رومیوں کے قبضے میں رہا۔ برٹنوں نے چند مرتبہ اس قبضے سے نجات حاصل کرنے کے لیے قومی جدو جہد کا بندوبست کیا، لیکن وہ ناکام رہے۔ اس سلسلے میں برٹنوں کی ایک ملکہ بوڈیشیا (Boadicea) خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ اب تک قومی ہیروئین مانی جاتی ہے۔

نئے قبائلی حملے:

چوتھی صدی عیسوی میں باہر سے نئے وحشی قبیلوں کے حملے شروع ہو گئے۔ ادھر رومی سلطنت میں زوال آ گیا اور برطانیہ پر رومیوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ یہی زمانہ ہے جس میں برطانیہ کے اندر مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتیں بن گئیں۔ انھیں حکومات ہفت گانہ[1] کہا جاتا ہے۔

یہی زمانہ ہے جس میں برطانیہ کے اندر مسیحیت کی تبلیغ شروع ہوئی اور مختلف علاقے آہستہ آہستہ اس لیے مذہب کے حلقہ بگوش بننے لگے۔ واضح رہے کہ اس زمانے کی تاریخ کے متعلق زیادہ معلومات موجود نہیں، پرانے قصے کہانیاں ہیں، جنھیں سامنے رکھ کر ایک تاریخی خاکہ تیار کر لیا گیا۔

نویں اور دسویں صدی عیسوی:

آٹھویں صدی کے اواخر میں برطانیہ پر ڈین قوم کے حملے شروع ہو گئے۔ ان کے بعد ناروے کے بحر پیماؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ جنھیں وائی کنگ (Viking) کہتے تھے۔ ڈینیوں کے مقابلے میں برطانوی بادشاہ ایلفر ڈ 871ء (Alfred)ء-899ء) نے بڑی ناموری حاصل کی اور تاریخ میں اسے ایلفرڈ اعظم کہا گیا۔ وہ بڑی بہادری سے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر اسے دریائے ٹیمز سے اوپر انگلستان کے مشرق و شمالی حصے میں ایک وسیع علاقہ ڈینیوں کے حوالے کرنا پڑا، جس کا نام ڈین لا[1] مشہور ہوا۔ باقی حصہ ایلفرڈ کے

قبضے میں رہا۔

ایلفرڈ کے بعد اس کی اولاد حکمران رہی، پھر دسویں صدی کے آخر میں ڈنمارک کے بادشاہ نے حملہ کیا۔ اس خاندان کا ایک حکمران قدم جما کر انگلستان میں بیٹھ گیا اور باقاعدہ محاصل وصول کرنے لگا۔

ایڈورڈ کنفیسر :(1042ء-1066)

ڈنمارک کا جو بادشاہ انگلستان پر قابض ہوا تھا، وہ مر گیا۔ اس کے بیٹوں میں سے کوئی بھی حکمرانی کے قابل نہ نکلا، لہٰذا 1042ء میں اس کی حکومت ختم ہو گئی اور ایلفرڈ کی اولاد میں سے ایڈورڈ بادشاہ بنا۔ وہ مذہب کا بڑا پابند تھا اور عام لوگ اسے خدا رسیدہ سمجھتے تھے، اسی وجہ سے اسے کنفیسر [2] کا لقب دے دیا گیا۔

ایڈروڈ پر فرانس کا اثر زیادہ تھا اور اس نے ساری تربیت نارمنوں کے دربار میں پائی تھی۔ اس نے انگلستان میں بھی وہی طور طریقے رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں جتنے امیر تھے ان میں سے گاڈون (Godwin) کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اسی کی بیٹی سے ایڈروڈ کی شادی ہوئی تھی۔ وہی دراصل کاروبار سلطنت کا مختار تھا۔ پھر اس کا بیٹا ہیرلڈ مختار بنا۔ ہیرلڈ ایک مرتبہ رودبار انگلستان میں سے آتا ہوا طوفان میں گھر گیا اور اس کا جہاز نارمنڈی کے ساحل پر جا پہنچا، جہاں ایڈورڈ کا ایک رشتہ دار ولیم حکمران تھا۔ اس نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر ہیرلڈ سے حلف اٹھوایا کہ ایڈورڈ کے بعد انگلستان کی حکومت ولیم کو دلانے میں پوری مدد کی جائے گی۔ چونکہ ایڈروڈ کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے ولیم نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ایڈورڈ نے اسی کو اپنا جانشین تجویز کر دیا ہے۔

جنگ ہیسٹنگز:

ایڈورڈ کی وفات پر ہیرلڈ نے خود تاج و تخت سنبھال لینے کا فیصلہ کیا۔ ادھر ولیم پوری تیاری کے بعد انگلستان پر حملہ آور ہوا۔ 14 اکتوبر 1066ء کو ہیسٹنگز [1] کے مقام پر جنگ ہوئی، جس میں ہیرلڈ مارا گیا اور ولیم انگلستان کا بادشاہ بن گیا۔

سکاٹ لینڈ:

انگلستان کی طرح سکاٹ لینڈ میں بھی مختلف قومیں آباد ہوئیں۔ پانچویں صدی مسیحی میں پورا ملک چار سیاسی حصوں میں بٹ گیا تھا۔ ساتویں صدی مسیحی کے آخر میں انگریزوں کا اثر ختم ہوا اور سکاٹ لینڈ کے لوگوں نے اپنی مستقل حیثیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس اثنا میں سکینڈے نیویا کی طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ 1034ء میں چاروں سیاسی علاقوں کے درمیان وحدت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ

سکاٹ لینڈ کے شمالی حصے اور آس پاس کے جزیروں میں سیکنڈے نیویا والوں کا اقتدار تھا اور انگلستان کی حکومت سکاٹ لینڈ کو اپنے تابع لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

آئر لینڈ:

آئر لینڈ میں بھی باہر سے وحشی قبیلوں کی آمد جاری رہی۔ پانچویں صدی مسیحی میں مسیحیت کے مبلغ پہنچے اور راہبانہ زندگی کا ایک ایسا نظام قائم ہوا، جس کی مثالیں ہر جگہ نہیں ملتیں۔ تین سو سال تک یہ نظام اعلیٰ پیانے پر قائم رہا۔ آٹھویں صدی کے آخر میں شمال کی طرف سے بحر پیماؤں کے حملے شروع ہو گئے۔ 1170ء میں انگلستان کے نارمن بادشاہ ہنری دوم نے پوپ کے فرمان کے مطابق آئر لینڈ پر حملہ کر دیا اور ہاں اقتدار قائم کر لیا۔

سلطنتِ قسطنطنیہ

جسٹینین: (527ء-565ء)

مشرقی رومی سلطنت کا شاہنشاہ جسٹینین (Justinian) 518ء سے اپنے چچا جسٹن کا مختار چلا آتا تھا۔ بادشاہ بنتے ہی اس نے عالمگیر مسیحی رومی سلطنت کو از سر نو طاقتور بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ اس کا پورا دورِ حکومت مشرق و مغرب میں لڑائیوں سے معمور ہے۔ پہلے ایران سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ 533ء سے 543ء تک اس نے شمالی افریقہ کو مسخر کیا۔ اسی زمانے میں وہ اٹلی پر حملہ آور ہوا اور وہاں سے مشرقی گاتھوں کو نکال کر پوری اٹلی میں شہنشاہی فرمانروائی کا سکہ جاری کر دیا۔

ایران میں اس وقت خسرو اول یعنی نوشیرواں حکمران تھا۔ 540ء میں پھر ایران سے لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو بارہ سال جاری رہا۔ 554ء میں جسٹینین نے جنوبی و مشرقی ہسپانیہ پر بھی قبضہ جما لیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں انتظامی حالت بہت سدھر گئی۔ قانونی نظام اعلیٰ پیانے پر پہنچ گیا، علم و ادب کو فروغ ہوا۔ مسیحیت کے داخلی جھگڑے مٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ بہت سی نئی عمارتیں بنیں، جن میں سے ایا صوفیا کا گرجا بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے۔

متفرق شہنشاہ: (565ء-610ء)

جسٹینین کے بعد چالیس پینتالیس سال میں چار بادشاہ بدلے۔ ان کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ ایران کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں۔ 575ء میں نوشیرواں کی فوجوں نے کپاڈوشیا تک کا علاقہ پامال کر ڈالا، پھر اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ 579ء میں اس نے وفات پائی اور خسرو پرویز کا دور شروع ہوا، جو پرانی ایرانی عظمت کا آخری دور ہے۔ اس نے ایک مرتبہ باغیوں کے مقابلے میں راہِ فرار اختیار کی تھی اور قسطنطنیہ کے شاہنشاہ نے فوجی مدد دے کر اسے دوبارہ تاج و تخت واپس دلایا، لیکن 676ء میں خود اس نے مشرقی شاہنشاہی کے خلاف لڑائیاں شروع کر دیں۔

ہرقل اول: (610ء-641ء)

اس کا تعلق یونانی خاندان سے تھا اور اس سے قسطنطنیہ میں یونانی شاہنشاہی کا دور شروع ہوا۔ اسی سے

شام، مصر وغیرہ میں مسلمانوں کو لڑائیاں پیش آئیں۔

611ء میں ایران کے ساتھ لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ ایرانیوں نے شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے مختلف حصوں کو پامال کرنے کے علاوہ مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ یروشلم کو بری طرح تباہ کیا اور اس مقدس صلیب کو اٹھا کر مدائن [1] لے آئے جس کے متعلق مشہور تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اسی پر چڑھایا گیا تھا۔ 622ء کے بعد ایرانیوں کی شکستوں کا دور شروع ہو گیا۔ ہرقل نے اپنی فوج خوب تیار کر لی۔ 12 دسمبر 627ء کو جنگ نینوئی میں ایرانیوں نے شکست فاش کھائی اور رومی مدائن پہنچ گئے۔ اگلے سال خسرو پرویز مارا گیا اور ایرانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔

عربوں کی فتوحات:

قسطنطنیہ پر سلافیوں اور آواروں نے بھی خشکی اور تری کے راستے حملے کیے، لیکن ہرقل نے ان کا جم کر مقابلہ کیا، پھر اسے عربوں سے لڑائیاں پیش آگئیں، جنھوں نے 635ء میں دمشق فتح کیا۔ 636ء میں بمقام یرموک رومیوں کو فیصلہ کن شکست دی اور پورے شام پر قبضہ کر لیا۔ 637ء میں یروشلم کی حوالگی عمل میں آئی۔ تین سال بعد مصر فتح ہو گیا۔

متفرق واقعات:

ہرقل کے بعد اس کی اولاد حکمران رہی۔ عربوں نے 647ء میں شمالی افریقہ مسخر کر لیا۔ 648ء میں قبرص لے لیا۔ 673ء سے 678ء تک قسطنطنیہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ 717ء-718ء میں دوبارہ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا، پھر امویوں اور عباسیوں کے زمانے میں برابر شاہنشاہان قسطنطنیہ سے لڑائیاں جاری رہیں۔ اور شہنشاہ مختلف اوقات میں دربار خلافت کو خراج دیتے رہے۔ اس اثنا میں قسطنطنیہ کی سلطنت برابر کمزور ہوتی گئی اور جو علاقے اس کے ماتحت تھے، ان میں خود مختاری کی تحریکیں اٹھتی رہیں، چنانچہ بلغاریوں نے ساتویں آٹھویں صدی میں اپنی الگ سلطنت بنالی جو 1018ء تک باقی رہی۔

درمیانی دور

جزائر برطانیہ

انگلستان: (1066ء-1307ء)

جنگ ہیسٹنگز کے بعد ولیم نے بہ آسانی انگلستان پر قبضہ کر لیا۔ مقابلے اور مزاحمت کی جو تحریکیں اٹھیں وہ سختی سے دبا دی گئیں۔ نارمنوں کے عہد میں جاگیرداری کا پرانا نظام قائم رہا، یعنی پوری زمین کا اصل مالک بادشاہ تھا، لیکن اس نے اپنے سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دے دیں اور ان سے جاگیروں کا پرانا نظام قائم رہا، یعنی پوری زمین کا اصل مالک بادشاہ تھا، لیکن اس نے اپنے سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دے دیں اور ان سے جاگیروں کے مطابق فوجیں رکھنے کا عہد لے لیا۔ نصف سے کچھ زمین نارمن سرداروں کو مل گئی۔ 1/6 زمین براہ راست بادشاہ کی جاگیر قرار پائی۔ حکم دے دیا گیا کہ کوئی شخص بادشاہ کی اجازت کے بغیر قلعہ تعمیر نہ کر سکے گا۔ مشورے کے لیے ایک مجلس بنا دی گئی جس کے اجلاس وقتاً فوقتاً ہوتے تھے۔ کلیساؤں کے قبضے میں جتنی زمینیں تھیں وہ بدستور باقی رہیں، لیکن بادشاہ نے بڑے بڑے مذہبی عہدے داروں کا تقرر اپنے ہاتھ میں رکھا۔ 1086ء میں بندوبست شروع ہوا، جس میں تمام شہریوں کی گزشتہ و موجودہ ملکیت اور اس کی مقدار تفصیلاً درج کی گئی۔ جس کتاب میں یہ تفصیلات درج ہوئیں اسے ڈوس ڈے بک [1] کہتے تھے۔ یہی اندراجات محاصل اور انتظامات کی بنیاد قرار پائے۔

ولیم کے جانشین:

ولیم 1087ء میں مر گیا اور اس کا بیٹا ولیم ثانی بادشاہ بنا۔ اس سے اکثر لوگ ناراض تھے اور وہ 1100ء میں مارا گیا۔ پھر اس کا بیٹا ہنری اول تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

پلینٹیجنٹ خاندان:

ہنری اول کے بعد اس کا نواسہ ہنری دوم تخت پر بیٹھا، اس سے پلینیجنب [2] خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ ہنری نے اپنی مستعدی سے تمام علاقوں میں امن بحال کیا۔ جو علاقے سابقہ حکمرانوں کی بدنظمی

میں چھن گئے تھے، انھیں دوبارہ مسخر کیا۔ اس سے پہلے جو انتظامی طریقے جاری تھے ان میں پادریوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ ہنری نے اس اقتدار کو توڑنے کے لیے اپنے ایک خاص رفیق ٹامس بیکٹ (Thomas Becket) کو کنٹربری کا آرچ بشپ بنا دیا، جو انگلستان میں سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا، لیکن بیکٹ نے بادشاہ کی حمایت کے بجائے مذہبی اداروں کے اقتدار کی حمایت شروع کر دی۔ ہنری کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس کے ایما پر بیکٹ مارا گیا۔ اب مجبور ہو کر ہنری کو مذہبی اداروں اور پوپ کا اقتدار قبول کرنا پڑا۔ یہ سلسلہ ہنری ہشتم کے عہد تک جاری رہا۔

ہنری نے عدالتی اصلاحات بھی کیں۔ مالیات کے محکمے کو بھی از سر نو منظم کیا۔ تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ پھر اس کا بیٹا رچرڈ اول جانشین ہوا جس نے "شیر دل" کے لقب سے شہرت پائی۔ یہ شخص تیسری صلیبی جنگ میں خود شریک ہوا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں شکست کھائی اور اپنی ہمشیرہ کی شادی سلطان کے بھائی سے کر کے واپس ہوا۔ راستے میں گرفتار ہو گیا اور بڑی بھاری رقم فدیے میں دے کر رہائی پائی۔

جمہوریت کا سنگِ بنیاد:

1199ء میں رچرڈ کی وفات پر اس کا بھائی جان (John) بادشاہ بنا۔ اس نے پہلے اپنی نالائقی سے پوپ کے ساتھ کشمکش شروع کر لی اور اس کے خلاف سخت مذہبی احکام جاری ہوئے، پھر بڑے بڑے امیروں اور جاگیرداروں کو ناراض کر لیا۔ اسے روپے کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی اور روپیہ امیروں اور جاگیرداروں کی مرضی کے بغیر وصول نہ ہو سکتا تھا۔ امیروں نے اپنے حقوق کا ایک خاص مرقع تیار کیا اور کہا کہ جب تک بادشاہ اسے قبول نہیں کرے گا وہ کوئی امداد دینے کے لیے تیار نہیں۔ 1214ء میں بادشاہ نے مجبور ہو کر اس مرقع پر دستخط کر دیے۔ تاریخ میں یہ منشور میگنا کارٹا (Magna Carta) یعنی منشور کبیر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے رو سے بادشاہ نے امیروں، تاجروں، زراعت پیشہ لوگوں اور مذہبی گروہ کے لیے خاصی مراعات منظور کی تھیں۔ یہی منشور انگلستان میں جمہوریت کا سنگِ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ جان نے 1212ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ہنری سوم کے لقب سے جانشین ہوا۔ وہ صرف نو سال کا تھا۔ ولیم مارشل جو پمبروک کا ارل تھا۔ نائب السلطنت بنا۔ وہ بڑا قابل شخص تھا اور اس نے انتظام علیٰ پیمانے پر جاری رکھا۔ اس کی وفات کے بعد انتظامی حالات ویسے نہ رہے۔

بادشاہ اور امراء میں اختلاف:

بادشاہ کو روپے کی سخت ضرورت پیش آ گئی۔ ایک طرف ویلز میں بغاوت جاری تھی، دوسری طرف فرانس کے خلاف جو جنگ 1242ء میں شروع کر لی گئی تھی، وہ گراں قدر مصارف کا باعث بن گئی اور اس سے کوئی اچھا نتیجہ نکلنے کی امید نہ تھی۔ ساتھ ساتھ یورپ انگریزی کلیساؤں سے روپے کا مطالبہ کر رہا تھا اور اس کی طرف سے مختلف مذہبی اوقاف کے لیے جو احکام جاری ہو رہے تھے، ان کی تعمیل بہت مشکل ہو گئی تھی۔

مصارف میں زیادتی اور انتظامات میں خرابی کے اور بھی کئی سبب تھے، مثلاً ہنری کی شادی فرانس میں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے وہاں کے لوگ بہ کثرت انگلستان آنے لگے، پھر ہنری نے پوپ کے کہنے پر اپنے دوسرے بیٹے کے لیے سسلی کا تاج قبول کر لیا اور اپنے بھائی کو اجازت دے دی کہ شہنشاہی کے لیے انتخاب میں شریک ہو جائے۔ آخر میں یہ تجویز پیش ہو گئی کہ ملک کی پوری آمدنی کا ایک تہائی حصہ پوپ کے حوالے کر دیا جائے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام لوگ ناراض ہو گئے۔ امراء کی ایک کمیٹی نے جو چوبیس افراد پر مشتمل تھی، اصلاحی سکیم پیش کر دی۔ ہنری نے اس سکیم کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس طرح خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا، جس میں بادشاہ کے بہنوئی سائمن ڈی مان فرٹ (Simon de Montfort) نے اصلاحی گروہ کی سرداری قبول کر لی۔ بادشاہ کو شکست ہوئی اور سائمن نے پورا انتظامی کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے مشورے کے لیے جو مجلس بنا رکھی تھی، اسے پہلے مجلس کبری (Great Council) کہتے تھے، 1240ء میں اس کا نام پارلیمنٹ رکھا گیا، جو آج تک جاری ہے۔ 1265ء میں سائمن نے ایک نمائندہ پارلیمنٹ بلائی۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا ایڈورڈ پہلے اصلاحی پارٹی کے ساتھ تھا، پھر وہ ان امیروں کا طرف دار بن گیا جو بادشاہ کے حامی تھے۔ اس نے سائمن کو شکست دی۔ اقتدار دوبارہ ہنری کے ہاتھ میں آ گیا، لیکن وہ محض برائے نام حکمران تھا۔ سارا کاروبار ایڈورڈ چلاتا تھا۔ 1272ء میں ہنری کی وفات پر ایڈورڈ بادشاہ بنا۔ چونکہ اس نام کے متعدد بادشاہ انگلستان کے تخت پر بیٹھے، اس لیے امتیاز کی خاطر اسے ایڈورڈ اوّل کہتے ہیں۔

ایڈورڈ اول کا عہد حکومت:

ایڈورڈ اول جو 1272ء سے 1307ء تک حکمران رہا، انگلستان کے بڑے قابل اور مستعد حکمرانوں میں گنا جاتا ہے۔ اس نے ویلز کے باغی شہزادے کو میدان جنگ میں موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کرایا اور ویلز میں اپنا سکہ جاری کر دیا۔ اسی کے زمانے سے انگلستان کے ولی عہد کے لیے پرنس آف ویلز کا لقب تجویز ہوا۔

سکاٹ لینڈ میں سرکشی جاری تھی اور تین شخص تاج وتخت کے دعوے دار تھے۔ تینوں نے ایڈورڈ کو ثالث مان لیا۔ جس امیدوار نے شاہ انگلستان کی وفاداری کا حلف اٹھایا، ایڈورڈ نے فیصلہ اس کے حق میں صادر کر دیا۔ پھر کشمکش شروع ہوگئی، جس میں ایڈورڈ اپنی وفات تک مصروف کارزار رہا۔ سکاٹ لینڈ کی آزادی کے عملداروں میں سے ولیم والس (William Wallance) اور رابرٹ برس (Robert Bruce) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

یہودیوں کے خلاف مسیحیوں کا تعصب بہت تیز تھا۔ اس کی بنا پر ایڈورڈ نے 1290ء میں یہودیوں کو انگلستان سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ 1295ء میں ایک نمائندہ پارلیمنٹ بلائی گئی، جس میں بشپ، ایبٹ، بڑے بڑے امیر، نامور جنگ جو اور دوسرے قصباتی اور مذہبی حلقوں کے نمائندے شریک تھے۔ میکنا کارٹا یعنی ''منشور کبیر'' کی تصدیق کر دی گئی اور اس کے ساتھ ایک دفعہ بڑھا دی گئی کہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر بادشاہ کوئی غیر جاگیرداری محصول نافذ نہ کرے گا۔ ایڈورڈ کے عہد میں متوسط طبقے کے لوگوں سے بار بار مشورے لیے گئے اور یہ امر جمہوری مقاصد کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ عدالیوں کی اصلاح بھی کی گئی۔ ایک سالنامہ شائع ہونے لگا جس میں تمام عدالتی کارروائیوں کی تفصیل درج ہوتی تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی کی بنیاد 1209ء میں پڑ چکی تھی، پھر یونیورسٹی کالج اور دوسرے کالجوں کا بندوبست ہوتا گیا۔ آکسفورڈ میں بھی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کر دیا گیا۔ 1307ء میں ایڈورڈ اول کا انتقال ہوا۔

سکاٹ لینڈ:

سکاٹ لینڈ کے متعلق گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی تک کوئی خاص واقعہ اس کے سوا قابل ذکر نہیں کہ جب انگلستان میں بادشاہ نظام اچھی حیثیت اختیار کر لیتا تھا تو سکاٹ لینڈ رسمی طور پر اس کے تابع ہو جاتا تھا۔ جب خود انگلستان میں بادشاہی نظام پر ضعف طاری ہو جاتا تھا تو سکاٹ لینڈ کے مختلف اشخاص تاج وتخت کے دعویدار بن جاتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ایڈورڈ نے سکاٹ لینڈ کو زور وقوت سے اپنا فرمانبردار بنا لیا تھا۔

آئر لینڈ:

آئر لینڈ کو ہنری دوم نے 1171ء میں فتح کیا تھا۔ اسی وقت سے فارمن جاگیرداروں اور پرانے قبائلی نظام کے درمیان کش مکش شروع ہوگئی، جس نے مختلف دوروں میں مختلف شکلیں اختیار کیں۔ ہنری سوم کے ماتحت فارمن جاگیرداروں کی طاقت اور مقبوضات میں تیزی سے اضافہ ہو گیا۔ ایڈورڈ کے عہد میں بھی یہ صورت حال قائم رہی، لیکن مقامی گروہوں اور باہر سے آنے والے لوگوں میں اختلاف بڑھتا ہی گیا۔

سکینڈے نیویا

ڈنمارک:

ڈنمارک میں مسیحیت نے 950ء 985ء تک بہت ترقی کی۔ سو ان اول (Sven)(985ء-1014ء) کے عہد حکومت میں ڈنمارک کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اس بادشاہ نے ناروے اور سویڈن کے باشندوں کو شکست دی اور انگلستان کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا۔ اس کا بیٹا 1014ء سے 1035ء تک انگلستان پر حکمران رہا۔ اس کی وفات پر ناروے اور سویڈن بھی چھن گئے اور انگلستان بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ بعد ازاں صرف ایرک پنجم (Eric)(1259ء-1286ء) کا عہد اس وجہ سے قابل ذکر ہے کہ اس کے امیروں نے بادشاہ سے 1272ء میں ویسا ہی ایک منشور منظور کرایا جیسا منشور انگلستان کے امراء نے اپنے بادشاہ جان سے منظور کرایا تھا۔

سویڈن:

سویڈن میں مسیحیت نویں صدی عیسوی میں پہنچی اور پہلا مسیحی بادشاہ وہ تھا جو 993ء سے 1024ء تک حکمران رہا۔ بعد کے حکمران صرف آس پاس کے علاقوں میں لڑائیاں کرتے رہے۔

ناروے:

ناروے بہت سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ نویں صدی عیسوی کے آخری حصے میں مختلف علاقوں کو ملا کر متحد کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ دسویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریز پادریوں کی کوشش سے ناروے کے باشندے مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوئے۔ آئس لینڈ کو اہل ناروے نویں صدی کے آخر میں فتح کر چکے تھے۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں وہاں کے شعرا نے عجیب وغریب رزمیہ داستانیں تیار کیں، جو اب تک بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔

جرمنی

جرمن بادشاہوں کے جس خاندان کے ماتحت پرانی رومی سلطنت کی عظمت بحال ہوئی تھی، اس کی حکمرانی کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ 1138ء میں جرمنی کی بادشاہی ایک اور خاندان کے حوالے ہوئی جو شہنشاہی کے مقاصد اور ان کے لیے رومی قانون کی اہمیت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس خاندان میں پہلا مشہور بادشاہ فریڈرک اول تھا، جو اپنے سرخ بالوں کے باعث بار باروشا (سرخ ریش) کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے مصالحت کے ذریعے سے مختلف سرکش امیروں کو رام کیا اور مذہبی گروہوں کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ اقتدار کا بندوبست کر دیا۔ پھر اٹلی میں طویل مہموں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو 1186ء تک قائم رہا۔ اس خاندان کے لوگ اپنے آپ کو مسیحیت کے محافظ اور مجاہد سمجھتے تھے۔ چنانچہ فریڈرک بار باروسا نے تیسری صلیبی مہم کی سرداری سنبھالی اور 1189ء میں وہ فوج لے کر شام پہنچا اور وہاں ایک دریا کو عبور کرتے وقت غرق ہو گیا۔ اس کے جانشینوں میں سے اس کے ہم نام فریڈرک دوم نے صلیبی مہموں میں حصہ لیا، لیکن بیمار ہونے کے باعث وہ میدان جنگ سے واپس چلا گیا۔ اس زمانے کے پوپ نے اسے مذہبی دائرے سے خارج قرار دے دیا۔ مجبور ہو کر اس نے دوبارہ صلیبی مہم شروع کر دی۔ لیکن وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا عہد و پیمان کیے بغیر تجارت کو فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے 1231ء میں مصر کے سلطان ''الکامل 1'' سے دس سال کے لیے صلح کر لی۔ اس صلح نامے کی رو سے یروشلم، ناصرہ اور بیت الحم عیسائیوں کے حوالے کر دیے گئے۔ فریڈرک کو یروشلم کا بادشاہ بنا دیا گیا۔

پوپوں کے ساتھ کشمکش:

تیرہویں صدی کے جرمنی کے چند اہم پہلو یہ تھے:

(1) شہنشاہ کے ماتحت چار حکمران خاندان ظہور پذیر ہوئے۔

(2) رہائن لینڈ میں مذہبی پیشواؤں کو بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔

(3) تین چھوٹے حکمران خاندانوں کی بنیاد پڑی، جنھوں نے آگے چل کر نمایاں حیثیت حاصل کی۔

(4) بڑے بڑے شہر دولت و اقتدار میں بہت بڑھ گئے اور وہ شہنشاہی اقتدار کے حامی بنے رہے۔

(5) جرمن بادشاہی کا غیر رسمی دستور چودہویں صدی تک یہ رہا کہ بادشاہ کا انتخاب بڑے بڑے سرداروں

کے ذریعے سے عمل میں آتا۔ بعدازاں بڑے بڑے گروہوں سے اس کی تصدیق کرائی جاتی۔

(6) ابتدائی زمانے سے جاگیرداروں کے درمیان مجلس شوریٰ کا دستور چلا آتا تھا۔ یہ مجلس دو ایوانوں پر مشتمل تھی:

اول شاہی خاندان کے افراد اور حکمران امیر، دوم وہ لوگ جو بادشاہوں کے انتخاب میں رائے دینے کے حقدار تھے اور جنہیں ایلکٹر (Elector) کہا جاتا تھا۔

اٹلی اور پاپائیت

888ء-1314ء

عام حالت:

1048ء تک پاپاؤں کا اثر نہ زیادہ وسیع تھا اور نہ پاپائیت کو خاص مذہبی ادارہ مانا جاتا تھا۔ اٹلی میں کوئی ایسا مقامی حکمران نہ تھا جس کا اثر و رسوخ سب پر فائق ہوتا۔ ایک شہنشاہ تھا، لیکن اس کی حیثیت چنداں قابل ذکر نہ تھی۔ 924ء سے 962ء تک شہنشاہی کی مسند بالکل خالی رہی۔ اٹلی پر مسلمانوں کے حملوں کا آغاز 889ء کے آس پاس ہوا۔ جنوبی اٹلی میں انھوں نے نوآبادیاں قائم کرلی تھیں اور ایک مرکز[1] ایسا بنالیا تھا جہاں سے کوہ ایلپس کے تمام دروں پر اقتدار قائم رکھا جاسکتا تھا۔ سسلی پر وہ پہلے قابض ہو چکے تھے۔ نویں صدی کے اختتام پر میگیاروں نے بھی لمبارڈی پر حملے شروع کر دیئے تھے۔

رومی شہنشاہی کا احیاء:

جیسا کہ جرمنی کے تذکرے میں بتایا جا چکا ہے، جرمن حکمرانوں کے ذریعے سے قدیم رومی شہنشاہی کو ازسرنو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، چونکہ یہ شہنشاہ مسیحی تھے، اس لیے اس مقدس رومی سلطنت کہتے تھے۔ شہنشاہوں اور پوپوں کے درمیان وقتاً فوقتاً کشمکش بھی جاری رہی۔ کبھی شہنشاہ مذہبی مجلس کے ذریعے سے پوپ کی معزولی کا انتظام کرالیتا، کبھی مقامی باشندے زور پکڑ کر شہنشاہ کے مقرر کیے ہوئے پوپ کو باہر نکال دیتے۔ اتنا مسلم ہے کہ کم و بیش ایک سو سال تک پوپ بحیثیت عمومی شہنشاہوں کے زیر اثر رہے۔

گیارھویں صدی کے آغاز کی کیفیت:

گیارھویں صدی کے آغاز پر سسلی مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ جنوبی اٹلی کے دو صوبے قسطنطنیہ کے زیر اثر تھے، لیکن وہاں قسطنطنیہ کے حکمرانوں کی گرفت چنداں مضبوط نہ تھی۔ نیپلز اور بعض دوسرے شہروں میں جمہوری حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ نارمن قوم کے زائرین زیارتوں کے بہانے آتے اور جگہ جگہ عمل دخل پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ بعض نارمنوں نے مختلف حریف حکومتوں کے ماتحت ملازمتیں اختیار کرلی تھیں۔ غرض پورے ملک چھوٹے چھوٹے حکمرانوں اور جاگیرداروں نے افراتفری پیدا کر رکھی تھی۔

پوپوں کی سرگزشت:

پوپ گریگوری ششم 1044ء 1042ء نے رشوت دے کر پاپائی کی گدی حاصل کی، تاکہ اس ادارے کی اصلاح کر دے، لیکن دو سال کے اندر اندر اس کے مقابلے میں دو اور پوپ مسند کے دعویدار بن گئے۔ شہنشاہ ہنری سوم نے جرمنی کے ایک بشپ کو 1046ء میں پوپ نامزد کر دیا۔ اس کے بعد دو اور جرمن اس اعزاز کے حامل ہوئے۔ شہنشاہ نے جگہ جگہ امن قائم کر دیا اور اعلان ہو گیا کہ پاپائی کی گدی کے لیے نامزدگی کا اختیار صرف شہنشاہ کو ہے۔ تاہم 1049ء میں پاپاؤں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مغربی یورپ میں کلیسا کا مذہبی اقتدار بحال ہو گیا۔ 1073ء میں گریگوری ہفتم پوپ بنا۔ اس کا دور پاپاؤں کے مذہبی اقتدار کی بحالی کے نقطۂ نگاہ سے خاص طور پر اہم ہے۔ وہ اٹلی کے ایک معمولی دہقان کا بیٹا تھا۔ روما میں تعلیم و تربیت پائی۔ اس نے مندرجہ ذیل اصول پر زور دیا۔

(1) رومی کلیسا سے نہ کبھی غلطی ہوئی ہے اور نہ غلطی ہو سکتی ہے۔

(2) پوپ تمام معاملات کے فیصلے کا آخری مجاز ہے اور اس کے فیصلے کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی۔

(3) پوپ کے حکم کے بغیر کوئی عام مجلس بلائی نہیں جا سکتی۔

(4) پوپ تمام بشپوں کی برطرفی۔ بحالی اور تبادلے کا مختار ہے۔

(5) تمام رئیسوں اور حکمرانوں کو پوپ کی اطاعت کا اقرار کرنا چاہیے۔

(6) صرف پوپ شہنشاہ کو معزول کرنے کا مجاز ہے۔

شہنشاہ سے لڑائی:

شہنشاہ ہنری چہارم نے جرمنی میں اصلاحات کا وعدہ کیا تھا، لیکن اس وعدے کو پورا نہ کیا گیا۔ گریگوری نے ہنری کو تنبیہ کی۔ ہنری نے جرمنی کے بشپوں کی ایک مجلس 1076ء میں بلائی اور اس نے گریگوری کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ گریگوری میں ہنری کو دائرہ مذہب سے خارج کر دیا، جس میں شہنشاہ کو خفت اٹھانی پڑی۔ 1081ء سے ہنری نے اٹلی پر یورشوں کا سلسلہ شروع کیا، یہاں تک کہ 1084ء میں روما پہنچ گیا۔ گریگوری کو شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کی جگہ جو پوپ بنایا گیا تھا اس نے ہنری کی تاج پوشی کی رسم ادا کی۔ گریگوری نے جلاوطنی کی حالت میں وفات پائی (1085ء)۔

بعد کے حالات:

پوپوں اور حکمرانوں کے درمیان کشمکش کا یہ سلسلہ بہ دستور جاری رہا۔اس اثنا میں صلیبی جنگیں شروع ہو چکی تھیں، جن کی وجہ سے عوام میں پوپوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔پوپ انوسینٹ سوم 1198ء-1216ء نے پاپائیت کے نظام کو بہت مستحکم کر دیا۔اس نے مذہبی کتابوں میں سے پاپاؤں کے لیے خاص اختیارات اخذ کیے، مثلاً یہ کہ ان کا فرض ہے عدل قائم کریں، امن قائم رکھیں، برائیوں کو روکیں، ان کا ارتکاب کرنے والوں کو سزائیں دیں اور مصیبت زدوں کی مدد کریں۔وہ اعلیٰ درجے کا منظم تھا اور اس کے عہد میں پاپائیت اوج کمال پر پہنچ گئی۔

بونی فیس ہشتم: (1294ء-1303ء)

قرون وسطیٰ کا یہ آخری بڑا پوپ تھا۔قانون دانی، ڈپلومیسی اور دنیا داری کے معاملات میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ساتھ ہی تعویذ گنڈوں کا بڑا معتقد تھا۔وہ آخری پوپ ہے جس نے پاپاؤں کے عالمگیر اختیارات پر خاص زور دیا۔

سسلی کو نارمن جنگجوؤں نے بارہویں صدی کے وسط میں مسلمانوں سے چھین لیا تھا اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔سسلی میں پوپوں کے لیے بھی جاگیریں مقرر تھیں۔بونی فیس (Boniface) کو اس امر پر اصرار تھا کہ وہ تمام جاگیریں پاپاؤں کے حوالے کر دی جائیں۔اس نے انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں کو پاپاؤں کے حق مداخلت پر مجبور کرنے کے لیے حکم جاری کر دیا کہ کوئی پادری پوپ سے اجازت لیے بغیر بادشاہوں کو ٹیکس نہیں دے سکتا۔دونوں ملکوں کے بادشاہوں نے پوپ کے اس حکم کی مخالفت کی اور قومی اسمبلیوں نے اس مخالفت کی حمایت کا اعلان کر دیا۔یہ کیفیت تقریباً ہر جگہ پیدا ہوئی اور پوپ کو شکست ماننی پڑی۔اسی حالت میں اس نے وفات پائی۔

جنوبی اٹلی اور سسلی:

نارمنوں نے سسلی کو فتح کرنے کے بعد وہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور جنوبی اٹلی میں بھی انھی کا اقتدار رہا۔یہ حکومت 1194ء تک قائم رہی۔نارمنوں کا نظام حکومت بیزنطینیوں جیسا تھا۔ان کے عہد میں سسلی کی خوشحالی بہت بڑھ گئی اور انتظام بہت اچھا ہو گیا۔سمجھا جاتا تھا کہ سسلی کے حکمران یورپ بھر کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ان کے ماتحت اطالوی بھی تھے، یونانی بھی اور مسلمان بھی۔چونکہ وہ آباد کاری کے حامی تھے، لہٰذا ان کا نظام مذہبی اور نسلی نقطہ نگاہ سے بڑا روادارانہ تھا۔مشہور عرب جغرافیہ دان

ادریسی انھی کے عہد میں گزرا ہے۔

وینس:

ہنوں کے حملے کے وقت جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگے تھے، وہ ان کھاڑیوں پر جا کر آباد ہو گئے تھے، جہاں ماہی گیری کے ذریعے اپنا گزارا کر سکتے تھے۔ وینس کی مستقل آبادکاری غالباً 568ء میں ہوئی۔ 687ء میں اس آبادی نے اپنا پہلا حکمران چنا۔ آبادی کی خوشحالی کا ابتدائی ذریعہ یہ تھا کہ مچھلیاں پکڑ کر دور دور بھیجی جاتی تھیں، نیز نمک بنانے کا اسے اجارہ حاصل تھا۔ جب شارلیمین کی طرف اہل وینس کے خطرہ محسوس ہوا تو انھوں نے قسطنطنیہ کی پناہ لے لی۔ 1000ء میں وینس کی تجارت پورے بحیرۂ ایڈریاٹک میں پھیل چکی تھی اور ارض مقدس، یعنی فلسطین جانے کی بڑی بندرگاہ بھی یہ بن گئی تھی۔ پہلی تین صلیبی مہموں میں اہل وینس کو موقع مل گیا کہ شام و فلسطین کے ساحل پر بھی اپنے تجارتی مرکز قائم کر لیں۔ چوتھی صلیبی مہم میں وینس کو یونان، اٹلی اور بحیرۂ اسود میں بندرگاہیں حاصل ہو گئیں۔ 1253ء سے 1299ء تک وینس اور جنوآ کے درمیان کشمکش جاری رہی، اس لیے کہ دونوں جمہورتیں بحیرۂ اسود اور ساحل شام کی تجارت پر بلا شرکت غیرے قابض ہونا چاہتی تھیں۔ پہلی جنگ میں جنوآ نے 1258ء میں شکست فاش کھائی۔

1289ء میں ترک ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئے اور وینس نے ان کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ جنوآ نے درۂ دانیال کو بند کر دیا اور 1294ء میں اسکندریہ کے مقام پر فتح حاصل کی۔ وینس نے بزور درۂ میں دونوں کے درمیان صلح ہو گئی۔

وینس کی حکومت کا سرسری خاکہ یہ تھا کہ ایک مجلس کبیر تھی جو زیادہ تر امیر طبقوں کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔ دوسرا اسینٹ جو قانون وضع کرتا، امور خارجہ، صلح و جنگ، مالیات اور تجارت کے متعلق تمام معاملات اسی کی تحویل میں تھے۔ ان کے علاوہ ایک مجلس صرف دس نمائندوں پر مشتمل تھی اور ایک وزارت تھی، جس نے انتظامی معاملات سنبھال رکھے تھے۔ وزارت حاکم اعلیٰ اور دس نمائندوں کی مجلس کے ساتھ مل کر کاروبار چلاتی تھی۔

فرانس

987ء-1314ء

کیپے خاندان کی حکومت:

987ء میں ہیو کیپے [1] فرانس کا حکمران بنا۔ یہ خاندان 1792ء تک تخت وتاج کا مالک رہا۔ اس پر عروج زوال کے کئی دور آئے۔ شاہی اقتدار لوئی ششم (1180ء-1137ء) کے عہد میں زیادہ نمایاں ہوا۔ انگلستان کے ساتھ برابر کشمکش جاری رہی۔ جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ نارمنڈی کے حاکم ولیم نے انگلستان پر قبضہ کر لیا تھا اور اس وقت سے انگلستان کے بادشاہوں کو دونوں جگہ کی حکومت حاصل ہوگئی تھی۔ شاہان فرانس چاہتے تھے کہ نارمنڈی ان کے قبضے میں آجائے۔ شاہان انگلستان کی کوشش یہ تھی کہ فرانسیسی مقبوضات کو بڑھا کر وہاں کی بادشاہی کا خاتمہ کر دیں۔ یہ کشمکش بڑی دیر تک جاری رہی، جس کے بعض تفصیلات آگے چل کر بیان ہوں گے۔

بعض فرانسیسی بادشاہوں نے صلیبی جنگوں میں بھی حصہ لیا، مثلاً فلپ ثانی (1180ء-1223ء) رائے عامہ سے مجبور ہو کر رچرڈ اول شاہ انگلستان اور فریڈرک بار بروسا شہنشاہ جرمنی کے ساتھ تیسری صلیبی مہم میں شریک ہوا۔

لوئی نہم: (1226ء-1270)

یہ بڑا بہادر اور جوانمرد تھا۔ قرون وسطیٰ کے بادشاہوں میں اسے ایک مثالی حکمران مانا جاتا ہے۔ فرانس کے لیے اس کا عہد حکومت واقعی ایک زریں دور تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر چھوٹی تھی، چنانچہ آٹھ سال تک اس کی ماں نائب السلطنت بنی رہی۔ 1242ء میں ہنری سوم شاہ انگلستان نے جنوبی فرانس کے سرکش امیروں کو ساتھ ملا کر حملہ کر دیا، لیکن یہ حملہ بالکل ناکام رہا۔

1248ء میں لوئی صلیب لے کر صلیبی جنگ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پہلے مصر پر قبضہ جمائے، پھر اسے مرکز بنا کر فلسطین کو مسخر کرے، لیکن 1250ء میں اس کی فوج کا بڑا حصہ موت کے گھاٹ اُتر گیا اور وہ خود مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ بھاری رقم فدیے میں دے کر اسے رہا کرایا گیا اور وہ فرانس پہنچا۔

1270ء میں اس نے دوبارہ صلیبی مہم کا فیصلہ کر لیا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ بحیرۂ روم کے پورے ساحلی علاقے اس کے زیر اثر آجائیں۔ وہ تیونس پہنچا اور ابھی کچھ کرنہ پایا تھا کہ وبا کا شکار ہوا اور وہیں وفات پائی۔ مرنے کے بعد مذہبی پیشواؤں نے اسے مسیحی اولیاء کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ 1297ء میں اس کے لیے ''سینٹ لوئی'' کا لقب تجویز ہوا اور اب تک وہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس نے شاہی حقوق بحال کر دیئے اور اس سلسلے میں کلیسائی اقتدار کی کوئی پروانہ کی۔ عدل وانصاف میں بڑا برگرم تھا۔ صرف اعلان کر دیا کہ امیروں اور جاگیرداروں کی عدالتوں ں میں جو فیصلے ہوں، ان کے خلاف شاہی عدالتوں میں اپیل کی جاسکتی ہے۔ اس نے بہت سی انتظامی اصلاحات بھی کیں۔

فلپ چہارم: (1285ء-1314)

لوئی نہم کے بعد اس کے پوتے فلپ چہارم کا عہد قابل ذکر ہے۔ ایڈورڈ اول شاہ انگلستان نے 1297ء میں شمالی فرانس پر حملہ کیا۔ فلینڈرز کا حکمران ایڈورڈ کے ساتھ تھا۔ پوپ نے مصالحت کرادی۔ پھر فلپ اور پوپ بونی فیس کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا، جس کا ذکر اٹلی کے سلسلے میں آچکا ہے۔ 1302ء میں فلینڈرز اور فلپ کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ابتداء میں فرانسیسی کامیاب ہوئے، پھر اہل فلینڈرز نے ایک دم یورش کر کے فرانسیسیوں کو قتل کر دیا اور میدان جنگ میں فرانسیسی رسالے کو خوفناک شکست دی۔ اسے عام طور پر جنگ مہمیز [1] کہا جاتا ہے۔

اسی سال فلپ نے پہلی حقیقی نمائندہ مجلس عام (Estates- General) بلائی، جس کی غرض یہ تھی کہ پوپ کے خلاف اپنے موقف کے لیے قومی حمایت کا بندوبست کر لے۔ 1305ء میں کلیمنٹ پنجم (Clement) کو پوپ منتخب کیا گیا۔ وہ فرانسیسی تھا، لہٰذا اسے شاہ فرانس کا اقتدار تسلیم کرنا پڑا۔ اس وقت اٹلی میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور کلیمنٹ کو مجبور ہو کر فرانس کے ایک مقام ایوی نان [1] میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ چنانچہ اس زمانے سے 1376ء تک یہی مقام پوپوں کا مرکز رہا۔ پاپائیت کی تاریخ میں اس زمانے کو اسیری بابل [2] سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فلپ نے 1312ء میں پھر مجلس عام بلائی تاکہ محاصل کے لیے اس سے منظوری حاصل کرے۔ شروع میں محاصل امیروں اور پادریوں کی مجلس میں باہمی مشورے سے طے ہوتے تھے۔ لوئی نہم کے بعد شاہی محاصل میں بہت اضافہ ہو گیا اور لوگوں نے تنگ آکر ان کے خلاف تحریکیں شروع کر دیں۔ فلپ نے 1312ء اور 1314ء میں دو مرتبہ مجلس عام بلائی، لیکن امیروں او رشہری لوگوں میں باہم بے اعتمادی تھی، اس لیے نہ کوئی موثر طریقہ اختیار کیا جاسکا اور نہ کوئی مستقل دستوری فیصلہ ہوا۔

ہسپانیہ اور پرتگال
1037ء-1274

اسلامی حکومت:

ہسپانیہ اور پرتگال کی اسلامی تاریخ کے متعلق تمام تفصیلات اس کتاب کے حصہ میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہاں ربط مطالب کے لیے اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ مسلمان عربوں نے 711ء میں ہسپانیہ کو فتح کیا تھا۔ کم و بیش پینتالیس سال تک خلاف کی طرف سے یہاں گورنر مقرر ہوتے رہے۔ جب بنوامیہ کی خلافت ختم ہو گئی اور عباسیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تو امیہ خاندان کا ایک شہزادہ بچتا بچاتا ہسپانیہ پہنچا اور 756ء میں ہسپانیہ کے اندر ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ 1037ء میں یہ حکومت ختم ہوئی تو مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی اسلامی بادشاہیاں قائم ہو گئیں، جنہیں ملوک الطوائف کہتے ہیں۔ ملوک الطوائف کے زمانے میں پہلے شمالی افریقہ کے ایک بربر خاندان نے ہسپانیہ پر قبضہ جمایا، جو ''المرابطین'' کہلاتا ہے، پھر ان کی جگہ ''الموحدین'' نے لے لی۔ یہ لوگ 1212ء تک ہسپانیہ پر قابض رہے۔ ملوک الطوائف ہی کے زمانے میں ہسپانیہ کے عیسائیوں نے از سر نو قوت فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور آہستہ آہستہ وہ قدم آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ 1492ء میں مسلمانوں کو ہسپانیہ سے خارج کر دیا۔

مسیحی حکومتیں:

ہسپانیہ کے کئی چھوٹے چھوٹے علاقے تھے، جن میں مسیحی حکومتیں قائم رہ گئی تھیں، مثلاً قشتالہ (کیسٹیل Castile) اسوریاس (Asturias) نبرہ (نوار Navarre) ارغون (ایراگون Aragon) لیونش (لیون Leon) ان میں سے کیسٹیل کی حکومتیں زیادہ اہم تھی اور یہاں کے بادشاہ باقی امیروں کو ساتھ ملا کر برابر مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔ انھوں نے بڑی خوفناک شکستیں بھی کھائیں اور آخر کار کامیابی بھی حاصل کی۔

پرتگال:

پرتگال 1055ء میں مسلمانوں کے قبضے سے نکلا تھا۔ یہ تقریباً سوا سو سال تک آزاد نہ ہو سکا۔ 1179ء میں پوپ نے اس کی آزادی تسلیم کر لی اور اس وقت سے اس ملک نے مستقل حیثیت اختیار کی۔

سلافی قوم اور روس

سلافی قوم:

سلافی قوم مشرقی یورپ میں آباد تھی۔ ابتدائی دور ہی میں یہ لوگ ہر طرف پھیل گئے اور چھٹی صدی مسیحی تک تین حصوں میں بٹ چکے تھے: اول مغرب کے سلافی، جو آج کل پولینڈ، چیکوسلواکیہ، موریویا میں آباد ہیں، دوسرے جنوبی سلافی، یعنی بلغاری، سروی، کروٹ وغیرہ، تیسرے مشرقی سلافی، جنھیں ہم روسی کہتے ہیں یہ بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے: اول وہ روسی جو یوکرین کے علاقے میں آباد تھے، دوسرے وہ روسی جنھیں عام طور پر سفید روسی کہا جاتا ہے۔

سلافیوں کی حکومتیں:

سلافیوں کی ابتدائی حکومت بوہیمیا اور موریویا میں قائم ہوئی، جو 1036ء تک باقی رہی۔ پولینڈ کی سلطنت کا آغاز 1036ء میں ہوا۔ چودھویں صدی کے آغاز تک اس میں متعدد بادشاہ تخت نشین ہوئے۔

مشرقی سلافی پانچویں صدی سے آٹھویں صدی تک اس علاقے میں آباد ہوئے تھے، جو آج کل یورپی روس کہلاتا ہے۔ آٹھویں صدی میں ان سلافیوں پر ترکوں کا ایک قبیلہ مسلط ہو گیا، جنھیں خزر کہا جاتا تھا۔ بحیرۂ قزوین کا نام بحیرۂ خزر اسی قبیلے کی وجہ سے پڑا تھا۔ انھوں نے اس علاقے میں ایک مستحکم سلطنت قائم کر لی تھی، جس میں سے دریائے والگا کا آخری حصہ گزرتا ہے۔ آٹھویں صدی ختم ہوئی تو سکنڈے نیویا سے وائی کنگوں کا حملہ شروع ہو گیا۔ وہ دریائی راستوں سے جنوب کی طرف بڑھتے چلے آئے اور بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک تمام علاقوں پر قابض ہو گئے۔

رُوس:

880ء میں روسیوں کی اپنی سلطنت کا آغاز ہوا اس کی ابتدا نود گوروڈا سے ہوئی تھی، پھر کیف (Kiev) بھی اس میں شامل ہو گیا۔ اس طرح مغربی سمت سے یہ سلطنت مشرق کی طرف پھیلنی شروع ہوئی۔ ماسکو کا ذکر پہلے پہل 1147ء کی روایات میں آتا ہے۔ 1201ء میں ریگا کی بنیاد رکھی گئی جو جرمن مشنریوں اور تاجروں کا مرکز بن گیا۔ 1219ء میں استھونیا مسخر ہوا۔

1223ء میں تاتاریوں نے قفقاز سے ہوتے ہوئے جنوبی روس پر یورش کر دی اور روسیوں کی متحدہ قوت کو شکست فاش دی، لیکن وہ آگے نہ بڑھے۔ 1237ء سے 1240ء تک دوبارہ تاتاریوں کے حملے

جنوبی اور وسطی روس پر ہوتے رہے، یہاں تک کہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے نووگوروڈ سے صرف ساٹھ میل کے فاصلے پر رہ گئے۔ اس وقت سے قریباً دو سو سال تک روس تاتاریوں ہی کے زیر اثر رہا۔ وہ روسیوں سے خراج بھی وصول کرتے تھے اور فوجی خدمات بھی لیتے تھے۔

ہنگری، سرویا اور بلغاریہ:

ہنگری میں بھی مختلف قبیلے آباد ہو گئے تھے، جن میں سب سے بڑی تعداد میگیاروں کی تھی۔ انھوں نے 906ء میں موریویا کی سلافی حکومت کو ختم کر دیا۔ 1241ء میں تارتاریوں کا حملہ ہوا۔ اگرچہ وہ لوگ اپنے خان اعظم کی وفات پر واپس ہو گئے، تاہم حملے کے باعث ملک تباہ ہو چکا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد مختلف امیروں نے از سر نو قلعے بنائے۔ آخری مقامی بادشاہ انڈریو سوم تھا، جو 1290ء سے 1301ء تک حکمران رہا۔ اس کا عہد حکومت جاگیر دار امیروں کے خلاف برآمد نہ ہوا۔ سرویا اور بلغاریا کی مستقل حکومتیں بھی قائم ہو چکی تھیں، لیکن اس کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں۔

صلیبی جنگیں

مشرقی سلطنت: (1025ء-1204)

آخری مقدونوی شہنشاہوں کا دور درحقیقت زوال سلطنت کا دور تھا۔ بلقان میں بربریوں کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ نارمنوں نے اٹلی میں پیش قدمی کا آغاز کر دیا تھا اور سلجوقی ترک اناطولیہ میں اپنی سلطنت پھیلاتے جا رہے تھے۔ مرکز حکومت میں دفتر داروں کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ مختلف صوبوں میں جاگیرداروں نے اختیارات اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔ ساتھ ساتھ بغاوتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سلجوقیوں نے الپ ارسلان کے ماتحت آرمیدیا کو پامال کر ڈالا تھا۔ شاہنشاہ قسطنطنیہ نے 1071ء میں ملاذ کرد کے میدان میں الپ ارسلان سے جنگ کی اور شکست فاش کھائی۔

صلیبی مہمیں:

صلیبی مہموں کا آغاز 1096ء میں ہوا۔ اس وقت الیکسیس کومنی نس (Alexius Comnenus) شہنشاہ تھا۔ اسے قوی اندیشہ تھا کہ صلیبی لشکر اس کی مملکت میں سے گزریں گے تو گونا گوں مشکلات پیدا ہوں گی، لیکن وہ انھیں روک نہ سکتا تھا، لہٰذا وہ اس کوشش میں لگ گیا کہ انھیں منظم طریق پر اپنے علاقے میں سے گزار دے۔ وہ چاہتا تھا کہ صلیبی لشکر جو علاقہ فتح کریں۔ وہ مشرقی سلطنت کے حوالے ہونا چاہیے، لیکن صلیبیوں کا سردار ابتداء میں حلف اطاعت اٹھانے پر راضی نہ ہوا، اگرچہ آگے چل کر اسے یہ حلف اٹھانا پڑا۔

1147ء میں دوسری صلیبی مہم پیش آئی۔ اس میں صلیبیوں نے بلقائی علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی اور قسطنطنیہ کے یونانیوں سے بھی زد و کشت کا سلسلہ جاری ہوا۔ شہنشاہ نے حسن تدبیر سے کام لے کر صلیبیوں کو آگے بڑھا دیا۔ وہاں انھوں نے شکست فاش کھائی اور سب تباہ ہو گیا۔

تیسری صلیبی مہم 1189ء میں شروع ہوئی، جس میں فریڈرک بار بار روسا اور رچرڈ اول نے بھی حصہ لیا۔ یہ مہم سراسر ناکام رہی۔

چوتھی صلیبی مہم میں صلیبی جنگجوؤں نے 1204ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا اور اسے بری طرح لوٹا۔ اس کی وجہ سے صلیبی مہموں کی تحریک پر بہت برا اثر پڑا اور ترکوں کے لیے پیش قدمی میں سہولتیں پیدا ہو گئیں۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں مہموں کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا اور 1274ء میں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

صلیبی جنگجوؤں کا نظام:

صلیبی مہموں کی وجہ سے جنگجوؤں کی مختلف جماعتیں قائم ہو گئیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہیکل کی حفاظت کے لیے وقف کر دیتے تھے اور اپنی عمر میں بیت المقدس کی جنگوں ہی میں گزار دیتے تھے۔ ان میں سے جنگجوؤں کے تین نظام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں سے ایک کا نشان سیاہ لبادہ اور سفید سلیب تھا، دوسرے کا سفید لبادہ اور سرخ صلیب تھا اور تیسرے کا سفید لبادہ اور سیاہ صلیب۔

تا تاریوں کی یورشیں

تیرہویں صدی کے آغاز کا نہایت اہم واقعہ یہ ہے کہ تا تاری قبیلے اپنے سردار تموجین (1162ء-1227ء) کے ماتحت متحد ہو گئے اور اس کے چنگیز خان (نہایت عظیم الشان بادشاہ) کا لقب اختیار کیا۔ چنگیز خان کی فوجوں نے ابتداء میں شمالی چین کو پامال کر ڈالا، پھر سلطان محمد خوارزم شاہ سے لڑائیاں شروع ہو گئیں اور تا تاری لشکر ترکستان، شمالی ایران، آذر بائیجان، گرجستان وغیرہ پر قابض ہو گئے اور ان تمام بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی جو مسلمانوں کے دور اقتدار میں دنیا کے مشہور ترین مقامات بن گئے تھے، مثلاً سمرقند، بخارا، مرو، نشاپور، ہرات، اصفہان وغیرہ۔ تا تاریوں نے روس، پولینڈ اور ہنگری کو بھی پامال کر ڈالا۔ بلغاریہ، ولاشیا اور مالڈیویا پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان کا پہلا مرکز حکومت قرہ قرم (منگولیا) میں تھا، پھر انھوں نے چین کے اس مقام کو اپنا مرکز بنالیا، جسے آج کل پیکن کہتے ہیں۔ قبلائی خاں کی وفات (1294ء) کے بعد سلطنت کا شیرازہ اتحاد پہلی حالت پر قائم نہ رہ سکا۔

چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے 1256ء میں حشیشین [1] کے مرکز واقع کوہ الموت کو تباہ کیا۔ 1257ء میں بغداد پر قبضہ جمایا۔ 1260ء میں مصر کے سلطان بیبرس نے عین جالوت تا تاریوں کو شکست دی اور ان کی پیش قدمی کا سلسلہ روک دیا۔

ہلاکو نے ایران میں جس سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا اسے ایل خانیوں کی سلطنت کہتے ہیں۔ اس کا آخری سلطنت بادشاہ نوشیروان (1344ء-1349ء) تھا۔

آخری دور

جزائر برطانیہ

انگلستان:(1307ء-1475)

ایڈروڈ اول کے بعد اس کا بیٹا ایڈروڈ دوم کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ زیادہ قابل نہ تھا۔ امیروں نے اسے مجبور کر دیا کہ نہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر اعلان جنگ کرے اور نہ منظوری کے بغیر سلطنت کے دائرے سے باہر جائے۔ سکاٹ لینڈ کے ساتھ جنگ ہوئی، جس میں ایڈورڈ نے شکست فاش کھائی اور سکاٹ لینڈ آزاد ہو گیا۔ آٹھ ماہ بعد اسے تاج و تخت سے دست برداری پر مجبور کر دیا گیا۔ آٹھ ماہ بعد قید ہی میں اسے قتل کر ڈالا گیا۔

ایڈورڈ سوم (1327ء-1377)

تخت نشینی کے وقت ایڈورڈ سوم کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ 1330ء میں اس نے تمام اختیارات اپنے قبضے میں لے لیے۔ 1337ء میں فرانس کے خلاف جنگ شروع ہوگئی، جسے صد سالہ جنگ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ درمیانی وقفوں کے باوجود ایک سو سال تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ایڈورڈ سوم کے بیٹے ایڈورڈ بلیک پرنس نے فرانس کے خلاف کریسی (Crecy) اور پوئیرز (Poitiers) میں عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں۔

ایڈورن کے عہد میں انتظامی حالات درست ہو گئے۔ اسی کے عہد میں دار العلوم اور دار الامراء کی بنیاد پڑی۔ 1348ء میں پلیگ نمودار ہوئی، جس میں نصف آبادی موت کا شکار ہو گئی۔

جان وِکلف:

جان وکلف (John Wiclif) جسے تحریک اصلاح مذہب کا پیشرو کہتے ہیں، ایڈورڈ سوم ہی کے زمانے میں تھا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کلیساؤں کے ساتھ اوقاف رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کلیساؤں کا وظیفہ خالص روحانی ہے اور ہر فرد کسی کی وساطت کے بغیر خدا سے براہ راست رشتہ قائم کر سکتا ہے۔ گویا اس طرح ان تمام مراسم کی بنیاد ڈھا دی، جو پادریوں نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے جاری کر دی تھیں۔ وکلف ہی نے بائیبل کا مکمل انگریزی ترجمہ 1376ء میں کیا۔ اس کے علاوہ اس نے لاطینی اور انگریزی میں

پمفلٹ بھی لکھے۔اس کے ساتھ عقیدت رکھنے والے پادریوں نے اس کے نظریات کو جگہ جگہ پھیلا دیا۔وہ کہتے تھے کہ مردوں کے لیے دعائیں نہ مانگنا چاہیے۔پادریوں نے شادیوں سے الگ رہنے کا جو سلسلہ جاری کر رکھا ہے، وہ غلط ہے۔وہ لوگ مذہبی کاموں میں کوئی سرگرمی نہیں دکھاتے اور انھیں دولت کے انبار جمع کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ایڈورڈ کا آخری دور:

ایڈورڈ بڑھاپے کے باعث بالکل بیکار اور معطل ہو گیا تھا۔اس کا بڑا بیٹا بھی بیمار تھا، اس وجہ سے نظام حکومت بہت بگڑ گیا۔بیٹے نے حالات کو سدھارنے کی کوشش کی، لیکن وہ 1376ء میں وفات پا گیا اور اس کا بیٹا رچرڈ ایڈورڈ سوم کی وفات پر تخت نشین ہوا۔وکلف کو آخری دور میں بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔

انگریزی زبان کا پہلا مشہور شاعر جیوفرے چاسر (1340ء-1400ء) بھی اسی زمانے میں گزرا ہے۔

رچرڈ دوم: (1377ء-1399)

رچرڈ تخت نشینی کے وقت صرف دس سال کا تھا۔اس کا چچا جان جولینکاسٹر کا ڈیوک تھا، اس مجلس کا مقتدر ممبر بن گیا، جو بادشاہ کی نابالغی میں انتظام کے لیے مقرر ہوئی تھی۔فرانس کے ساتھ از سر نو جنگ چھڑ گئی، جس میں فلینڈرس کا علاقہ چھن گیا۔روپے کی سخت ضرورت تھی جو محصول تن (Poll Tax) یعنی فی کس محصول لگا کر پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔اس وجہ سے معاشرے کے نچلے طبقوں میں بے چینی بڑھنے لگی اور بعض مقامات پر تشدد کے واقعات بھی پیش آئے۔

کسانوں کی بغاوت: (1381ء)

اس اثنا میں بڑے بڑے زمینداروں نے پرانے طریقے اختیار کر لیے اور مزارعین سے غلاموں کا سا سلوک کرنے لگے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسانوں نے بغاوت کر دی۔جاگیروں کے مرکز جلا دیئے گئے۔دستاویزیں تباہ کر دی گئیں۔امیروں کی شکارگاہیں بربادی کی نذر ہوئیں۔بعض بڑے بڑے زمینداروں او رقانون دان مارے گئے۔انگلستان کے مشرقی اور جنوبی حصے سے ایک بہت بڑا ہجوم لندن کی طرف روانہ ہوا۔اس ہجوم کی سرداری دو آدمیوں نے سنبھال رکھی تھی، جن میں سے ویٹ ٹائلر (Wat Tyler) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔لندن میں بھی قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔ہجوم کے بڑے بڑے مطالبات یہ تھے کہ زمینداروں نے کسانوں پر جو ناواجب محصول عائد کر رکھے ہیں، وہ منسوخ کر دیئے جائیں، کلیساؤں

کے اوقاف چھین لیے جائیں اور شکار کے تمام قوانین ختم کر دیئے جائیں۔انھوں نے لندن کے مشہور قلعے ٹاور (Tower) پر بھی قبضہ کر لیا اور جس شخص نے وزیر مال کی حیثیت میں محصول تن جاری کیا تھا، اسے قتل کر دیا۔

بادشاہ نے ہجوم سے ملاقات کی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے دل خوش کن وعدے کر کرے بہت سے آدمیوں کو گھروں کی طرف لوٹا دیا۔ویٹ ٹائلر مارا گیا۔جب لوگ گھروں کو لوٹ گئے تو بادشاہ نے سخت انتقامی کاروائیاں کیں، لیکن کسان غلامی کا جوجوا اپنی گردنوں سے اتار چکے تھے، اسے دوبارہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

متفرق واقعات:

سکاٹ لینڈ کے خلاف ایک بے نتیجہ مہم بھیجی گئی۔پھر بادشاہ نے اپنی مرضی کی ایک کونسل بنا کر کام چلانا چاہا۔پارلیمنٹ نے اس کا راستہ روک لیا اور حکومت کے کاروبار میں اصلاحات کا عام مطالبہ شروع ہو گیا۔ رچرڈ نے خود مختار بننے کی کوشش کی۔اس اثناء میں ڈیوک آف لینکاسٹر کا بیٹا، جو آئر لینڈ میں تھا، واپس آیا۔ اس نے تمام اختیارات خود سنبھال لیے اور رچرڈ کو تخت سے دست برداری پر مجبور کر دیا۔دست برداری کے بعد رچرڈ کو ٹاور میں پہنچا دیا گیا اور وہیں اس نے 1400ء میں وفات پائی یا بعض روایات کے مطابق وہ مارا گیا۔

نیا خاندان حکومت:

ایڈورڈ سوم کے کئی بیٹے تھے، جنہیں ڈیوک کا لقب دے دیا گیا، مثلاً ڈیوک آٹ لنکاسٹر، ڈیوک آف یارک ڈیوک آف گلاؤسٹر۔رچرڈ کی دست برداری پر ڈیوک آف یارک کا بیٹا ہنری چہارم کے لقب سے بادشاہ بنا۔تاریخ میں اسے خاندان لینکاسٹر کی حکومت قرار دیا جاتا ہے۔

ہنری کے عہد میں مختلف امیروں نے بغاوتیں کیں۔سکاٹ لینڈ پر حملہ ہوا۔فرانس نے ویلز کے باغیوں کو مدد دینے کے لیے اپنی فوج بھیج دی۔1413ء میں اس کا بیٹا ہنری پنجم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ انگلستان کے بڑے قابل بادشاہوں میں سے تھا۔اس نے برگنڈی کے ڈیوک سے اتحاد کر کے فرانس کے تاج و تخت کا دعویٰ کر دیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔1415ء میں ہنری پنجم نے ایجن کورٹ (Agincourt) کے مقام پر فرانس کو شکست فاش دی اور نارمنڈی کا علاقہ فتح کر لیا۔1420ء میں صلح ہوئی، جس کے مطابق فرانس کے ولی عہد کو سلطنت سے محروم کر کے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ ہنری پنجم فرانس کا باشادہ ہو گا۔وہ

فرانس کے باقی علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک 1422ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ہنری ششم کے لقب سے تخت نشین ہوا، جو صرف نو مہینے کا تھا۔

فرانس سے کش مکش:

ہنری ششم کے تین چچا تھے۔ ان میں سے ایک فرانس میں اپنے بھتیجے کا نائب السلطنت بن گیا۔ دوسرے نے انگلستان میں یہی منصب اختیار کر لیا۔ فرانس کی حالت اس وقت بڑی نازک تھی، لیکن اچانک وہاں ایک غیر معمولی شخصیت پیدا ہوئی، جس نے تھوڑی ہی مدت میں ملک کی کایا پلٹ دی۔ یہ جون آف آرک (Joan of Arc) تھی۔ وہ مشرقی فرانس کے ایک گاؤں میں رہنے والی تھی۔ نوشت و خواند کا بھی کبھی کوئی موقع نہ ملا۔ تیرہ سال کی تھی، جب اسے عجیب و غریب خواب آنے لگے۔ آخر اس نے فرانس کے اس ولی عہد کے پاس پہنچنے کا بندوبست کیا، جسے ہنری نے حق جانشینی سے محروم کرایا تھا اور وہی آزادی فرانس کی امید گاہ تھا۔

انگریزوں نے اس وقت اورلیانز (Orleans) کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جون نے تھوڑا سا لشکر لے کر ایسا سخت حملہ کیا کہ انگریزوں کو محاصرہ اٹھانا پڑا۔ 1429ء میں فرانس کے ولی عہد کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اسی وقت سے انگلستان کی شکستوں کا دور شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ 1453ء میں وہ کیلے (Calais) کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں صد سالہ جنگ ختم ہوئی۔

بغاوتیں اور خانہ جنگی:

1437ء میں ہنری بالغ ہوا، لیکن اس میں حکمرانی کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ اس وجہ سے انتظام کونسل ہی کے ہاتھ میں رہا۔ کبھی کوئی گروہ قوت پکڑ لیتا اور کبھی کوئی۔ اس طرح بدنظمی بڑھتی گئی۔ امیروں نے بڑے بڑے لشکر جمع کر لیے اور وہ آپس میں لڑنے لگے۔ اس سے بدنظمی میں اور اضافہ ہوا اور حکومت کا وقار جاتا رہا۔ 1450ء میں ایک زبردست بغاوت ہوئی۔

یہ حالات تھے جب ایڈورڈ سوم کے بیٹے ڈیوک آف یارک کے پوتے نے بادشاہ کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ بادشاہ ڈیوک آف لینکاسٹر کی اولاد میں سے تھا۔ لینکاسٹر (Lancaster) اور یارک (York) کی یہ خانہ جنگی دیر تک جاری رہی۔ اس میں سے یارک کے ساتھیوں کا نشان سفید رنگ کا گلاب تھا اور لینکاسٹر کے ساتھیوں کا نشان سرخ رنگ کا گلاب۔ یارک نے شاہی فوج کو شکست دے کر بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ اس وجہ سے امراء نے فیصلہ کر دیا کہ ہنری کو وفات پر اس کا بیٹا نہیں بلکہ ڈیوک آف یارک بادشاہ

بنے۔ اس اثنا میں ہنری پنجم کی بیوی ملکہ کیتھرائن نے شمالی انگلستان میں فوج جمع کر لی تھی۔ اس کے مقابلے میں ڈیوک آف یارک نے شکست کھائی اور میدان جنگ میں مارا گیا۔ جنوبی انگلستان کے باشندے مقتول ڈیوک کے بیٹے ایڈورڈ کے ساتھ ہو گئے۔ وہ شاہی فوجوں کو شکست دے کر 1461ء میں بادشاہ بن گیا۔ گویا تاج وتخت لینکاسٹر کے خاندان سے نکل کر یارک کے خاندان میں چلا گیا، لیکن خانہ جنگی جاری رہی، یہاں تک کہ 1465ء میں ہنری ششم کو گرفتار کر کے ٹاور میں بند کر دیا گیا۔

پارلیمنٹ کا اقتدار:

لینکاسٹر خاندان کے تحت پارلیمنٹ کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ دارالعلوم نے مالی قوانین کے آغاز کا اختیار سنبھال لیا۔ اصلاحات جاری ہوئیں۔ بحث کے دوران میں آزادی تقریر کا حق قائم ہو گیا۔ انتخابات کے لیے رائے دہی کے قواعد مرتب کیے گئے۔

یارک خاندان کے بادشاہ:

یارک خاندان کا پہلا بادشاہ ایڈورڈ چہارم تھا۔ لوگ خانہ جنگی سے تنگ آ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ امن قائم رہے، تاکہ وہ تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کو بہ اطمینان ترقی دے سکیں۔ ایڈورڈ نے اپنی قابلیت اور مستعدی سے امن بحال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ 1473ء میں اس نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ایڈورڈ پنجم تخت نشین ہوا۔ وہ صرف بارہ سال کا تھا۔ اس کا چچا رچرڈ نائب السلطنت قرار پایا۔ وہ بڑا ظالم آدمی تھا۔ اس نے بادشاہ اور ملکہ کے تمام حامیوں اور رشتہ داروں کو چن چن کر قتل کرایا۔ پھر اعلان کرا دیا کہ ایڈورڈ پنجم، ایڈورڈ چہارم کا بیٹا ہی نہیں اور پارلیمنٹ نے خود اسے رچرڈ سوم کے لقب سے بادشاہ تسلیم کر لیا، لیکن وہ دو سال سے زیادہ بادشاہی نہ کر سکا۔ اس اثنا میں ہنری ٹیوڈر فوج لے کر آ گیا۔ بہت سے امیر رچرڈ کا ساتھ چھوڑ کر ہنری سے مل گئے۔ رچرڈ میدان جنگ میں مارا گیا۔ تاج ایک جھاڑی سے ملا۔ پارلیمنٹ نے ہنری کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ یہاں سے ٹیوڈر، خاندان کا دور حکومت شروع ہوا۔

جان، ڈیوک آف لینکاسٹر نے دوسری شادی کی تو اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی پوتی مارگریٹ کی شادی ایڈمنڈ ٹیوڈر، ارل آف رچمنڈ سے ہوئی۔ ایڈمنڈ ٹیوڈر ہنری پنجم کی ملکہ کیتھرائن کا بیٹا تھا، جس نے ہنری پنجم کی وفات کے بعد اوون ٹیوڈر سے شادی کر لی تھی۔ ایڈمنڈ ٹیوڈر اور مارگریٹ کا بیٹا ہنری ہفتم کے لقب سے انگلستان کا بادشاہ بنا۔ خود ہنری کی شادی ایڈورڈ چہارم کی بیٹی الزبتھ سے ہوئی تھی۔ اس طرح ہنری ہفتم کو انگلستان کے تخت پر تین طرح سے دعویٰ کا حق حاصل ہو گیا۔ اول اس کا دادا ایڈمنڈ ٹیوڈر، ہنری

پنجم کی ملکہ کیتھرائن کا بیٹا تھا، اگرچہ دوسری شادی سے تھا۔ دوم اس کے باپ کی شادی ڈیوک آف لینکاسٹر کی پوتی سے ہوئی تھی۔ سوم خود اس کی شادی ایڈورڈ چہارم شاہ انگلستان کی بیٹی، رچرڈ سوم شاہ انگلستان کی بھتیجی اور ایڈورڈ پنجم شاہ انگلستان کی بہن سے ہوئی تھی۔ قوت اور قبول عوام کا معاملہ ان حقوق کے علاوہ تھا۔

سکاٹ لینڈ:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایڈورڈ اول شاہ انگلستان نے سکاٹ لینڈ کو فتح کر کے خانہ جنگی سے نجات دلائی تھی۔ ایڈورڈ دوم کے عہد میں پھر لڑائی شروع ہو گئی اور سکاٹ لینڈ نے آزادی حاصل کر لی۔ 1332ء میں انگلستان نے تخت کا ایک نیا دعویدار کھڑا کر دیا، اس وجہ سے دوبارہ خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا، لیکن افراتفری کا دور بڑی دیر تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سکاٹ لینڈ نے فرانس کے ساتھ تعلق قائم رکھا اس لیے کہ انگلستان کے خلاف فرانس ہی سے مدد لی جا سکتی تھی۔ 1472ء میں سکاٹ لینڈ نے آرکنی (Orkneys) اور شیٹ لینڈ[1] کے جزیرے ناروے سے حاصل کر لیے۔

آئر لینڈ:

1315ء میں سکاٹ لینڈ کے شاہی خاندان کا ایک فرد آئر لینڈ پہنچا اور مقامی سرداروں کی مدد سے اس نے اپنی بادشاہی کا انتظام کر لیا۔ یہ بادشاہی صرف تین سال قائم رہی۔ انگریزوں نے آئر لینڈ میں جو نو آبادی قائم کی تھی، وہ داخلی جھگڑوں کے باعث خاصی کمزور ہو گئی۔ 1366ء میں فیصلہ کیا گیا کہ انگریزی نو آبادی میں انگریزی روایات قائم رہنی چاہئیں۔ نسلی جھگڑوں کی بنیادیں کم کر دینی چاہئیں، نیز آئر لینڈ کے باشندوں کے ساتھ شادیاں ممنوع قرار دی گئیں۔ نو آبادی میں انگریزی زبان کا استعمال لازم قرار دیا گیا اور انگریزی قوانین اختیار کر لیے گئے۔ ہنری پنجم کے عہد میں آئر لینڈ کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ انگریزی نو آبادی کے نصف باشندے واپس چلے آئے۔ 1449ء میں رچرڈ ڈیوک آف یارک کو وائسرائے بنایا گیا۔ اس نے اپنے عہد میں آئر لینڈ کو وہاں کی پارلیمنٹ کی تصدیق سے عملاً خود مختار بنا دیا۔ ایڈورڈ چہارم نے پھر سخت گیر پالیسی اختیار کر لی۔

فرانس

1314ء-1473

صد سالہ جنگ:

چودھویں صدی کے فرانس کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ انگلستان کے ساتھ صد سالہ جنگ ہوئی، جس کے ضروری حالات انگلستان کی تاریخ میں لکھے جا چکے ہیں، یہاں صرف یہ بتا دینا باقی ہے کہ جون آف آرک ابتدائی کامیابیوں کے بعد برگنڈی کے فوجیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئی تھی، انگریزوں نے روپیہ دے کر اسے اپنے قبضے میں کیا اور اس کے خلاف جادوگری کی تہمت لگا کر آگ میں جلانے کی سزا دے دی (1431ء)۔

فرانس کی کمزوری کے اسباب:

فرانس کی کمزوری کے کئی سبب تھے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ نارمنڈی کے ڈیوک ولیم کے زمانے سے شمالی فرانس انگلستان کے قبضے میں چلا آتا تھا اور انگلستان کے بادشاہ مختلف فرانسیسی امیروں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ بادشاہوں کی کمزوری کے باعث مختلف فرانسیسی امیر بڑے بڑے علاقے سنبھال بیٹھے تھے اور جب موقع پاتے تھے بادشاہ کی مخالفت شروع کر دیتے تھے۔ ان میں سے برگنڈی کے ڈیوک کو نہایت اہم حیثیت حاصل ہے۔

پوپوں کے ساتھ تعلقات:

1305ء سے 1378ء تک پوپوں کا مرکز ایوی نان رہا، جو فرانس میں واقع ہے۔ اس دور میں پوپوں کا ایک حد تک بادشاہ سے متاثر ہونا لازم تھا۔ چارلس ہفتم کو بادشاہی جون آف آرک کی وجہ سے ملی تھی اور 1436ء میں اس نے پیرس پر قبضہ جمایا تھا۔ دو سال بعد اس نے ایک فرمان جاری کیا، جس میں قرار دیا کہ اول کلیسائی کونسل کو پوپ پر فوقیت حاصل ہے۔ دوم کلیسائی جاگیروں کی طرف سے جو نذرانہ پوپ کو دیا جاتا تھا وہ ختم ہو جانا چاہیے، سوم ہر دس سال کے بعد کونسل کا اجلاس ہونا چاہیے، چہارم فرانس نے قومی کلیسا کو تمام اندرونی معاملات میں خود مختاری ملنی چاہیے۔

فرانسیسی علاقوں کا اتحاد:

لوئی یازدھم کے عہد میں برگنڈی کی امارت فرانسیسی مملکت میں شامل ہو گئی۔ چند سال بعد اور علاقے بھی قبضے میں لے لیے گئے۔ اس طرح فرانس کا داخلی انتشار بڑی حد تک ختم ہوا، البتہ فیلنڈرز ہمیشہ کے لیے فرانس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ہسپانیہ اور پرتگال

کیسٹیل: (1312-1492ء)

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہسپانیہ و پرتگال میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی تو چھوٹے چھوٹے دور افتادہ علاقے باقی رہ گئے تھے، جن میں مسیحیوں کے کئی خاندان حکمران تھے۔ ان میں سے کیسٹیل اور ایراگون کی حکومتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 1375ء میں کیسٹیل اور ایراگون کے درمیان گہرا رشتہ پیدا ہوا، یعنی کیسٹیل کے شہزادے کی شادی ایراگون کی شہزادی سے ہوئی۔ اس وقت سے کیسٹیل ہی کا خاندان مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں سرداری کے منصب پر فائز ہوگیا۔ 1469ء میں کیسٹیل کے تاج وتخت کی وارث ازابلا (Isabella) کی شادی ایراگون کے وارث تاج وتخت فرڈیننڈ سے ہوئی۔ اس طرح دونوں حکومتیں مل گئیں اور ان کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اسی وقت سے دونوں نے مسلمانوں کو ہسپانیہ سے خارج کرنے کا حلف اٹھالیا۔

1492ء میں فرڈیننڈ اور ازابلا نے غرناطہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کی حکومت کا آخری نقش بھی ہسپانیہ سے مٹ گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کو چن چن کر نکالا گیا۔ جلا وطن ہونے والے یہودیوں کی تعداد دو لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

خوفناک تعزیز:

ہسپانیہ کے عیسائی حکمران اور پادری بڑے ہی متعصب تھے۔ 1478ء میں انھوں نے تعزیرات کا ایک محکمہ قائم کیا، جس کا وظیفہ یہ تھا کہ جو شخص پادریوں کے عام عقائد و اعمال سے ذرا بھی اختلاف کرے، اسے سخت سزا دی جائے۔ اس محکمے میں ان یہودیوں کو بھی بڑی خوفناک سزائیں دی جانے لگیں، وہ مسیحی بن چکے تھے، لیکن مسیحیوں کا خیال تھا کہ وہ خفیہ خفیہ اپنے پرانے مذہب کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ جو لوگ زیر تعزیر آتے تھے، ان کی جائیدادیں ضبط کر لی جاتی تھیں۔ اس طرح مسیحی بادشاہوں کو بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ محکمہ تعزیر غرناطہ پر قبضہ کر لینے کے بعد مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال ہوا۔ بعد میں مسیحی بھی اس کی سخت گیریوں کا ہدف بنے رہے۔ ایراگون کے الگ حالات اس وجہ سے بیان نہیں کیے کہ سب سے بڑا واقعہ ایراگوان اور کیسٹیل کا اتحاد تھا، جو فرڈیننڈ اور ازابلا کی شادی سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور وہ کیسٹیل کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے۔

پرتگال:

پرتگال کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ یہ ہے کہ بتاریخ 14 اگست 1385ء اہل پرتگال نے اہل کیسٹیل کو شکست فاش دی اور اپنے ملک کی آزادی اس پیمانے پر بحال کرلی کہ کسی کے لیے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اسی وقت سے پرتگال کی بحری عظمت کا دور شروع ہوا۔ اس زمانے میں جان اول حکمران تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے جو سب کے سب بڑے لائق اور ملک کے خدمت گزار تھے۔ انھی میں سے ایک کا نام ہنری تھا، جس نے جہاز رانی کے سلسلے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اس کا ذکر پندرہویں صدی کے ان اکتشافات کے سلسلے میں آئے گا جان سے دنیا میں نئے دور کا آغاز ہوا۔

پرتگیزوں نے 1415ء میں مراکش کا مشہور بحری مقام سبتہ (Ceuta) مسلمانوں سے چھین لیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ شمالی افریقہ کو مسخر کرلیں، لیکن 1437ء طنجہ Trangiers میں شکست فاش کھائی اور سبتہ بھی مسلمانوں کے حوالے کر کے واپس ہوئے۔

اٹلی اور پاپائیت

اٹلی کی عام حالت:

قرون وسطیٰ میں اٹلی کے اندر کئی حکومتیں قائم تھیں، مثلاً ایک علاقہ براہ راست پوپ کے ماتحت تھا، پھر سسلی اور نیپلز، فلارنس، میلان، وینس وغیرہ کی الگ الگ حکومتیں تھیں۔ علاوہ بریں جرمنی کے حکمران اٹلی پر برتری کے دعویدار تھے۔ افراتفری یا معلومات کا کوئی ایسا پہلو بھی نہیں، جو تاریخی نقطہ نگاہ سے قابل توجہ ہو۔

پاپائیت اور شہنشاہی:

پوپ اٹلی کے حالات سے مجبور ہو کر فرانس چلے گئے تھے اور انھوں نے کم و بیش تہتر سال وہاں گزارے، بلکہ پچپن سال تک ایک طرف رومہ میں اور دوسری طرف ایوی نان (فرانس) میں پوپوں کے تقرر کا سلسلہ جاری رہا۔ جو پوپ فرانس میں تھے، ان پر بادشاہان فرانس کا تھوڑا یا بہت دباؤ لازمی تھا، یہی زمانہ ہے جس میں بادشاہوں نے بے تکلف ہو کر پوپوں کے روحانی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کا بندوبست کیا۔ چونکہ پوپوں کی دو گدیاں قائم ہو گئی تھیں، اس لیے یہ بھی ہوتا رہا کہ جس گروہ یا طبقے کے لیے ایک پوپ کی روش اپنے مقاصد کے لیے سازگار نہ ہوتی، وہ دوسرے سے رشتہ جوڑ لیتا۔

چونکہ مقابلہ بادشاہوں سے تھا اور ان کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی، اس لیے پوپوں کو بھی مقابلے میں اپنی شان و شوکت بڑھانی پڑی اور ان کے ماتحت پادری بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیوں میں جو طبقے زہد اور مسکینی کو مسیحیت کی شان قرار دیتے تھے، وہ اس صورت حال پر بگڑ بیٹھے اور عوام میں ان لوگوں کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہی زمانہ ہے، جس میں مسیحی مبلغوں کی جماعتیں مشرق بعید کی طرف بھیجی گئیں۔

پادریوں کی کونسلیں:

اس زمانے کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ مختلف مذہبی معاملات کے لیے بڑے بڑے پادریوں کی کونسلیں بلائی جانے لگیں۔ مختلف مصنفوں نے ان کونسلوں کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کونسلیں پوپ پر فائق ہیں۔ ہر بادشاہ اپنے ہاں کونسلیں بلا سکتا ہے اور ان کے ذریعے سے پوپ کے ہر حکم کا از سر نو فیصلہ کرا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ پوپوں کے درمیان تفرقے کا نتیجہ تھا اور اس سے پاپائیت کے اقتدار پر بڑی ضرب لگی۔

چنانچہ 1395ء میں فرانس کے اندر قومی مذہبی مجلس منعقد ہوئی تو اس نے بھاری اکثریت سے فیصلہ کر دیا کہ رومہ اور ایوی نان کے پوپ اپنے عہدوں سے دستبردار ہو جائیں۔ جب اس فیصلے پر عمل نہ ہوا تو تین سال بعد اعلان کر دیا گیا کہ جو رقمیں پوپوں کو دی جا رہی ہیں وہ روک دی جائیں اور بادشاہ نے اس فیصلے کی تصدیق کر دی۔

اس کے بعد متعدد کونسلیں ہوئیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر وہ کونسل ہے، جو 1414ء میں بمقام کونسٹینس منعقد ہوئی تھی اور تین سال جاری رہی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کلیسا کا تفرقہ دور کر دیا جائے۔ پادریوں اور پوپ کی اصلاح کی جائے اور مذہب سے علیحدگی کی جو رو چل پڑی تھی، اسے روکا جائے۔

مختلف بادشاہیاں:

اس زمانے میں اٹلی کے اندر کئی جداگانہ بادشاہیاں ہیں۔ ان میں سے سسلی اور نیپلز کا سلسلہ جاری تھا۔ اسی زمانے میں اٹلی کا مشہور شاعر دانتے (Dante) گزرا ہے، جس کا آسمانی طربیہ (Divine Comedy) عالمگیر شہرت کا مالک ہے۔ پٹرارچ (Petrach) بھی اسی دور میں گزرا ہے، جو اٹلی کا سب سے بڑا غزل گو شاعر تھا۔ بوکیشیو (Bocaccio) بھی اسی عہد کا مصنف ہے، جس سے اٹلی میں نئی نثر نگاری کی بنیاد پڑی۔

وینس سے بحری تجارت کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل کی اور شرق اوئی میں جا بجا اپنے تجارتی مرکز قائم کر لیے۔ اسے پہلے جنوآ سے مقابلہ پڑا۔ جب عثمانی ترک ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئے اور مشرق بحیرۂ روم ان کے زیر اثر آ گیا تو وینس کا تصادم ترکوں سے ہوا۔ آخر وینس کو تمام اہم مقامات ترکوں کے حوالے کر کے صلح کر لینی پڑی۔

پولینڈ اور رُوس

پولینڈ: (1305ء-1492ء)

اس دور میں پولینڈ کے بادشاہوں کی کوشش یہ رہی کہ چھوٹی چھوٹی جاگیروں اور امارتوں کو متحد کر کے شاہی قوت کو مستحکم بنا دیں۔ امراء کا طبقہ اس کے خلاف تھا، اس لیے کہ وہ لوگ اپنا اقتدار بحال رکھنا چاہتے تھے۔

پولینڈ بوہیمیا کے زیر اثر آچکا تھا۔ وہاں کے بادشاہ ولاڈس (Vladislav) چہارم نے ہنگری کے ساتھ رشتہ جوڑ کر بوہیمیا کا اثر زائل کرنا شروع کیا۔ 1386ء میں لتھوانیا کے حاکم نے اپنی ریاست پولینڈ کی سلطنت میں شامل کر دی اور اس وقت سے دونوں سلطنتیں یکجا ہو گئیں۔ 10 جولائی 1410ء کو ٹینن برگ کے مقام پر ٹیوٹائی جنگجوؤں سے لڑائی ہوئی، جس میں آخر الذکر شکست کھا گئے، لیکن شاہ پولینڈ کے باجگزار اس کا ساتھ نہ دے سکے، اس لیے صلح کر لینی پڑی۔

روس: (1263ء-1505ء)

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ روس خاصی دیر تک تاتاریوں کے زیر اثر رہا، پھر آہستہ آہستہ قومی تحریک شروع ہوئی اور تاتاریوں سے آزادی حاصل کی جانے لگی۔ 8 ستمبر 1380ء کو تاتاریوں نے سخت شکست کھائی، لیکن اس کے بعد بھی وہ یورشیں کر کر کے ماسکو کے دروازے تک پہنچ جاتے رہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ ان کے وقار واقتدار پر سخت ضرب لگی اور انجام کار ملک ان کے تصرف سے بالکل آزاد ہو گیا۔

آئی ون (Ivan) سوم (1462ء-1505ء) روس کا پہلا قومی بادشاہ ہے، جس نے تاتاریوں کا اقتدار بالکل ختم کیا اور حسن تدبیر سے کام لے کر ان امیروں کی امارتیں بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیں، جو برابری کے دعویدار تھے اور اس کے مقابلے میں بادشاہی کے خواب دیکھ رہے تھے۔

147ء میں آئی ون کی شادی قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ شادی پوپ نے کرائی تھی اور اس کا خیال یہ تھا کہ اس طرح روس کو مذہبی لحاظ سے اپنا حلقہ بگوش بنا لے گا اور مشرقی یونانی کلیسا کی علیحدگی قائم نہ رہ سکے گی، لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ آئی ون پہلا شخص ہے، جس نے زار کا لقب اختیار کیا۔ یہ سیزر یعنی قیصر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اسی نے اطالوی معماروں کے ذریعے سے کریملن کا عظیم الشان شاہی محل تعمیر کرایا۔ اسی کے زمانے سے دربار داری کے وہ مراسم جاری ہوئے، جو شہنشاہوں کا خاصا سمجھے جاتے تھے۔

سلطنتِ قسطنطنیہ
1261ء-1453

مشرق رومی سلطنت جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا، تیزی سے زوال کی طرف جا رہی تھی۔ یورپ میں اس کا دائرہ اقتدار بہت کم ہو گیا تھا۔ اناطولیہ میں بھی صرف شمالی و مشرقی حصہ اس کے زیر اثر تھا۔ ایلکسیس ثانی (1297ء-1335ء) کے زمانے میں شاہی دربار اور شہر کا عروج واقبال بلند ترین درجے پر پہنچ گیا۔ پھر خاندانی جھگڑے شروع ہو گئے اور عثمانی ترکوں کی فتوحات نے اس سلطنت کی تقدیر پر آخری مہر لگا دی۔

1274ء میں شہنشاہ میکائیل نے پوپ کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کر لیا اور رومہ کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسیحی دنیا سے اسے ایسی امداد مل جائے گی، جو اس کا اقتدار ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دے گی، لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کے برعکس آرتھوڈکس یونانی پادری اس پر بگڑ بیٹھے اور انجام کار یونانیوں اور لاطینیوں کا اختلاف زیادہ شدت اختیار کر گیا۔

ترکوں نے 1365ء میں تھرس کو پامال کیا اور ادرنہ (ایڈریا نوپل) کو اپنا مرکز حکومت بنا لیا۔ 1389ء میں مختلف مسیحی قوتوں نے ایک جتھا بنا کر ترکوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ مراد اول نے تھوڑی سی فوج سے انھیں شکست فاش دی۔ چھ سال بعد پھر مسیحوں نے ایک بھاری جتھا تیار کیا، لیکن دوبارہ بایزید اول سے شکست کھائی۔ پھر تیمور کے حملے کے باعث عثمانی ترکوں کے لیے مصیبت کا ایک مختصر دور پیدا ہو گیا۔ اس سے باہر نکلتے ہی انھوں نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ 1430ء میں وینس سے تھسلی کا علاقہ چھینا۔ 1444ء میں پھر مسیحیوں کے ایک بھاری جتھے کو خوفناک شکست دی اور قسطنطین سوم کے عہد حکومت میں سلطان محمد فاتح نے 1443ء میں قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ مشرقی رومی سلطنت ختم ہو گئی۔ اس وقت سے 1923ء تک قسطنطنیہ نہ محض عثمانی ترکوں کا دارالحکومت رہا، بلکہ اس نے خلافت کے مرکز کی حیثیت میں پوری اسلامی دنیا کے اندر احترام کا خاص مقام حاصل کر لیا۔

ہندوستان

شمالی ہند:

شمالی ہندوستان پر باہر سے ایک حملہ ہوا، جسے عام طور پر سفید ہنون یا ہفتلیوں [1] کا حملہ کہا جاتا ہے۔ عام روایت کے مطابق یہ لوگ 407ء سے 553ء تک وسط ایشیا پر قابض رہے۔ 425ء میں باختر کو مسخر کیا، پھر بہرام گور ساسانی نے انھیں ایک شکست دی۔ انجام کار فیروز ساسانی کو شکست دے کر یہ لوگ مغرب کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور پنجاب کے راستے انھوں نے ہندوستان پر حملے شروع کر دیئے۔ ان میں سے پہلا مشہور بادشاہ تورامن تھا، جس کے متعلق ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ اس کا اثر مالوہ تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد مہر گل [2] تخت نشین ہوا۔ اس کا مرکز حکومت سیالکوٹ تھا۔ یہ وسط ہند اور کشمیر پر بھی حکمران رہا۔ مند سور کا حاکم یسودھرمن کہتا ہے کہ اس نے مہر گل کو شکست دی۔ اگر چہ اس قبیلے کو ترکوں اور ساسانیوں نے وسط ایشیا میں مسخر کر لیا تھا، لیکن پنجاب اور راجپوتانہ میں ان کا اثر گیارہویں صدی تک قائم رہا۔

مہاراجہ ہرش: (606ء-647ء)

یہ تھانیسر کی چھوٹی سی ریاست کا حکمران تھا، پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ 612ء میں قنوج پر قابض ہو گیا، جسے اپنا دارالحکومت بنالیا۔ ہرش خود بڑا شاعر اور ڈرامہ نگار تھا۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ [3] اسی کے عہد میں ہندوستان آیا تھا اور دیر تک نالندہ (بہار) کی یونیورسٹی میں تعلیم پاتا رہا۔ اس کی کتاب ساتویں صدی کے ہندوستان کا قیمتی مرقع پیش کرتی ہے۔

ہرش کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کی وفات پر سلطنت مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ نویں صدی مسیحی سے بدھ مت ہندوستان میں ختم ہونے لگا، صرف بنگال اور بہار میں اس کا تھوڑا سا اثر باقی رہ گیا۔ یہ بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ اسلامی فتوحات سے پیشتر بہار اور بنگال میں جو حکمران تھے، وہ بدھ مت ہی کے پیرو تھے۔ جب ان کی سلطنتیں زائل ہوئیں تو بدھ مت کے بہت سے پیرو ہندوؤں میں ضم ہو گئے۔

مغربی ہند:

راجپوتانہ میں بہت سے قلعے ایسے تھے، جنہیں اس زمانے میں مسخر کر لینا آسان نہ تھا۔ اس وجہ سے وہاں بہت سی حکومتیں قائم ہو گئیں، جو مسلمانوں کی فتوحات تک باقی رہیں۔ گجرات کے ایک مقام ولبھی میں

ایک آزاد حکومت تھی۔ اس نے بدھوں کے لیے ایک ایسا علمی مرکز قائم کر دیا تھا، جو نالندہ یونیورسٹی کا مقابلہ کرتا تھا۔ یہ حکومت 490ء سے 766ء تک قائم رہی۔ سندھ سے عربوں کے حملے گجرات پر شروع ہوئے تو یہ حکومت ختم ہوئی۔

اسی طرح ایک مقامی حکومت 740ء سے 1036ء تک قائم رہی۔ اسلامی فتوحات ہی میں اس کا بھی خاتمہ ہوا۔ چنڈیلوں نے موجودہ بندھیل کھنڈ میں ایک مستقل حکومت قائم کی تھی، جس کا راجا بھوج نربدا سے دریائے ستلج تک کے علاقے پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ حکومت 1310ء میں ختم ہوئی۔ پرمروں نے اندور کو قریب ایک حکومت قائم کی، جو 1200ء میں ختم ہوئی۔ اسی طرح چلوکی یا سولنکی راجپوتوں نے بھی ایک مستقل حکومت قائم کر لی تھی، پھر غزنویوں کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے۔ ان کے بعد غوری آئے، جن کے زمانے میں دہلی، اجمیر اور قنوج کی راجپوت حکومتوں کے نشان مٹے۔

جنوبی ہند:

جنوبی ہند کی حکومتوں کا شمار ممکن نہیں۔ ہر حصے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ کوئی قابل آدمی بروئے کار آجاتا تو آس پاس کی ریاستوں کو فتح کر کے ایک بڑی حکومت کی بنیاد رکھ دیتا۔ ان میں سے بعض حکمران ایسے بھی تھے، جنھوں نے سیلون پر یورشیں کیں۔ علاؤالدین خلجی نے سب سے پہلے جنوبی ہند پر حملے کیے۔ محمد تغلق کے زمانے میں دوبارہ اسلامی حکمرانی کا سلسلہ جنوبی ہند تو پہنچا۔ چودھویں صدی میں دو ہندو بھائیوں نے ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی، جو 1565ء تک قائم رہی۔ شان و شکوہ کے اعتبار سے یہ بہت ہی بلند تھی۔ آخر دکن کے اسلامی حکمرانوں نے متحد ہو کر یہاں کے راجا کو تلی کوٹ کے معرکے میں شکست دی۔ میدان جنگ ہی میں وہ موت کے گھاٹ اتر گیا اور فاتحوں نے وجیا نگر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

سیلون:

سیلون اگرچہ جزیرہ ہونے کے باعث ہندوستان سے الگ تھلگ تھا، لیکن دکن کی چولا سلطنت کے حکمرانوں نے پہلی مرتبہ 1001ء میں اور دوسری مرتبہ 1014ء میں اس پر زبردست حملے کیے۔ بعد میں بھی حملے جاری رہے۔ سیلون کے ایک حکمران نے 1167ء میں سیلون کے حکمران نے مہاتما بدھ کا ایک تبرک تاتاریوں کے شہنشاہ اعظم قبلائی خاں کے پاس بھیجا۔

چین

618ء-1471ء

تنگ خاندان:

تنگ خاندان کی بنیاد 618ء میں رکھی گئی اور یہ 908ء تک قائم رہا۔ بادشاہ نے حکومت کے لیے ایک بڑی کونسل بنا دی تھی، جس میں مختلف انتظامی شعبوں کے نمائندے اور بڑے بڑے امراء شریک تھے۔ پوری سلطنت پہلے دس حصوں میں تقسیم تھی، پھر اس کے پندرہ حصے کر دیئے گئے۔ سول سروس کی تعلیم کے لیے باقاعدہ دارالعلوم بن گئے تھے۔ ہر حصے سے چنے ہوئے طلبہ کی ایک خاص تعداد ان میں شامل ہونے کے لیے بھیجی جاتی تھی۔

745ء میں اویغور ترکوں نے مشرقی ترکوں کو شکست دے کر اپنی سلطنت قائم کر لی اور وہ تبت تک کے علاقے کے حکمران بن گئے۔ چین کے بادشاہ نے ایک چینی شہزادی کی شادی اور ہندوکش کی طرف بڑھی، لیکن عربوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور ترکستان چینیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ 762ء میں اویغور حکمران نے چین کے مشرقی دارالحکومت لویانگ پر حملہ کیا۔ 840ء میں کرغز ترکوں نے اویغوروں کی سلطنت ختم کر دی۔ 868ء میں بدھوں نے چھپائی کے لیے لکڑی کے سانچے تیار کیے اور ایک کتاب چھاپی۔ دنیا بھر میں کاغذ پر چھپائی کا یہ پہلا نمونہ تھا۔

سنگ خاندان کی حکومت:

907ء میں خطائی تاتاریوں نے اندرونی منگولیا پر قبضہ کر لیا اور ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔ شمالی چین کے سولہ ضلع ان کے قبضے میں چلے گئے۔ 938ء میں ین چاؤ (موجودہ پیکن) کو انھوں نے اپنا جنوبی دارالحکومت بنا لیا۔ 960ء میں سنگ خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ 997ء میں اس خاندان کے بادشاہ تائی سنگ نے پوری سلطنت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ 1023ء میں صوبوں کی تعداد اٹھارہ ہو گئی اور 1078ء میں یہ تیکس پر پہنچ گئی۔ ونگ اس خاندان کا مشہور بادشاہ ہے، جس نے 1069ء میں ایک نیا مالی محکمہ قائم کیا۔ میزانیے میں چالیس فیصد کی تخفیف کر دی۔ تنخواہیں بڑھا دیں تاکہ سرکاری ملازم دیانت داری سے کام کریں اور رشوتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اس نے اشیاء کے نرخوں پر بھی کنٹرول قائم کیا۔ غریب کسانوں کو سود خواروں کے قبضے سے بچانے کے لیے نقد اور جنس کی صورت میں قرضوں کا انتظام کر دیا۔ 1070ء

میں ایک ملیشیا مرتب کی تاکہ اس سے قومی دفاع کے علاوہ پولیس کا کام بھی لے۔ باقاعدہ فوج دس لاکھ کے قریب تھی، لیکن نصف کے قریب آدمی بیکار تھے۔ انھیں برطرف کر دیا گیا۔ اسی کے زمانے میں پہلے پہل سرکاری بنک اور مبادلہ اجناس کے مرکز قائم ہوئے۔

تاتاری:

سنگ خاندان کی حکومت 1279ء تک قائم رہی۔ اس اثنا میں تاتاری قبیلے تموجن کے ماتحت متحد ہو گئے۔ اس نے چنگیز خاں کا لقب اختیار کر لیا۔ پھر اس کے حملے شروع ہو گئے، یہاں تک کہ اس نے ایک وسیع سلطنت پیدا کر لی اور شمالی چین بھی اس کے قبضے میں آ گیا۔ یہ وسیع سلطنت اس نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دی۔ جن میں سے تین بیٹے تھے چغتائی، تولی اور اوغتائی اور ایک پوتا باتو (جو اس کے بیٹے جوجی کا سب سے بڑا فرزند تھا)۔ ان میں وقتاً فوقتاً جھگڑے بھی ہوتے رہے، لیکن چنگیز کے پوتے قبلائی نے پوری سلطنت کی وحدت قائم رکھی۔

چین کی تاریخ میں قبلائی کے خاندان کو یوآن خاندان کہتے ہیں۔ اس خاندان کے حکمران نے جاپان، برما اور جاوا پر بھی حملے کیے۔ سیام کی سلطنت سے خراج وصول ہوتا رہا۔ قبلائی کا پوتا تیمور الجائیتو اس خاندان کا آخری قابل ذکر بادشاہ تھا، جو 1307ء میں مرا۔

اس عہد میں سڑکیں اچھی بن گئیں۔ ڈاک کی چوکیوں کے لیے دو لاکھ گھوڑے رکھے گئے۔ یتیموں اور بوڑھے عالموں کے لیے وظیفوں کا انتظام ہوا۔ بیماروں کے لیے ہسپتال بن گئے۔ ایسے انسپکٹر ملازم رکھے گئے جو فصلوں کا معائنہ کرتے اور جہاں فالتوں غلہ دیکھتے خرید کر ذخیرہ کر لیتے، تاکہ قحط کے وقت میں عام لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ تاتاری سلطنت میں مسلمان ناظموں اور مدبروں نے انتظامی کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانے پر سنبھالے رکھا۔ اسی عہد میں اٹلی کا مشہور سیاح مارکو پولو چین پہنچا۔

مذہبی نقشہ:

تاتاریوں سے پیشتر بھی عرب اور ایرانی تاجر چینی بندرگاہوں میں آباد ہو گئے تھے، لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ جب تاتاریوں کا کاروبار حکومت مسلمان مدبروں کے ہاتھ میں آیا تو شمالی چین میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ صوبہ یونن کے مسلمان گورنر نے 1274ء میں دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ چین کی سر زمین میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی عبادت گاہیں تھیں۔ عام تاتاری بدھ مت کے پیرو تھے۔ قبلائی خاں نے تبت کے ایک لاما کو معلم سلطنت کا خطاب دیا اور اس کے وظیفہ یہ قرار دیا کہ تاتاریوں میں بدھ مت کی اشاعت

کرے۔ تبت کے تین صوبوں کا انتظام بھی اسی کے حوالے کر دیا۔

نسطوری مسیحیوں کو بھی پوری مذہبی حفاظت حاصل تھی۔ 1275ء میں انھوں نے پیکن میں ایک شخص کو آرچ بشپ بنا دیا تھا۔ پھر مختلف مقامات پر کلیسا تعمیر ہوئے۔ 1294ء میں رومن کیتھولک مذہب کا پہلا مشنری چین پہنچا اور اس نے پانچ ہزار آدمیوں کو مسیحی بنالیا۔

مِنگ خاندان:

اس خاندان کا بانی چو یوآن چنگ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا اصل نام منگ ٹائی سو تھا۔ افراتفری کے دور میں اس نے نانکن پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک منظم حکوم قائم کر دی، پھر آہستہ آہستہ آس پاس کے علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کرتا رہا۔ 1368ء میں تاتاری قرہ قرم سے بھی نکالے گئے۔ 1403ء سے 1433ء تک نئے حکمران خاندان کے بادشاہوں نے کئی بحری مہمیں جنوبی سمندروں میں بھیجیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اول جگہ جگہ تجارتی مرکز قائم کر دے، دوسرے جنوبی ملکوں پر رعب قائم ہو جائے۔ چنانچہ اس طرح سماٹرا اور سیلون تک سے خراج وصول کیا گیا اور چینی جہاز ایران کی بندرگاہ ہرمز تک پہنچ گئے۔ مہموں کے سالار اور سفارتوں کے سردار خصوصاً مسلمان تھے۔ 1421ء میں نانکن کے بجائے پیکن کو دارالحکومت بنا دیا گیا۔

جاپان

چین کی نقالی کا دور: (645ء-784)

اس دور میں حکومت جاپان کی کوشش یہ رہی کہ اپنے نظامِ حکومت کو آہستہ آہستہ چینی نظامِ حکومت کے مطابق بنالے۔ چنانچہ اصولاً زمین کو قومی ملکیت بنادیا گیا۔ اس کی تقسیم اور لگان کو جو طریقہ چین میں رائج تھا، اسی کی پیروی کی گئی۔ مرکزی حکومت کا سارا نظام از سرِ نو ترتیب دیا گیا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان اصول کے مطابق پورا پورا عمل نہ ہوا، مثلاً زمین کو قومی بنادینے کے باوجود بڑی بڑی جاگیریں قبائلی سرداروں کے پاس باقی رہیں۔ قرار یہ دیا گیا کہ یہ جاگیریں ان کے عہدوں اور منصبوں کی تنخواہ میں دی گئی ہیں۔ وقتاً فوقتاً مردم شماری کی جاتی تھی اور اس میں ہر کنبے کے جتنے افراد ہوتے تھے ان میں زمین نئے سرے سے تقسیم کردی جاتی تھی۔ لگان کے بدلے میں چاول لیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کپڑے پر محصول لگایا گیا تھا، نیز چاولوں کے سوا ہر پیداوار پر الگ محصول عائد تھا۔

کسان ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے اس قدر دب گئے تھے کہ وہ اپنی زمینیں بڑے بڑے جاگیرداروں کے حوالے کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند صدیوں میں ساری زمین جاگیرداروں کے قبضے میں چلی گئی اور بڑے بڑے امیروں کا ٹیکس معاف کردیا گیا۔ وسائل حمل ونقل کی اصلاح ہوگئی۔ مرکزی حکومت کا نظام خاصا مستحکم ہوگیا۔ مذہبی محکمہ الگ قائم کردیا گیا، جو باشندوں کی روحانی اصلاح کا ذمہ دار تھا۔ سیاسی امور کے لیے ایک مجلسِ کبیر بنادی گئی۔

702ء میں دیوانی اور فوجداری کے ضابطے بنائے گئے۔ ملک کے قانون کا یہ پہلا مکمل خاکہ تھا، جس کی ابتداء 646ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً ترمیمیں ہوتی رہیں اور 928ء میں ان ضابطوں نے آخری صورت اختیار کی۔

عام سرگزشت:

جاپان میں جاگیرداروں نے آہستہ آہستہ نمایاں حیثیت اختیار کرلی تھی، یہاں تک وہ ان کے روبرو بادشاہ کی حیثیت بھی بہت معمولی رہ گئی۔ نویں صدی کے وسط میں ایک قبیلے نے اتنا اقتدار حاصل کرلیا کہ بادشاہ بالکل بے اختیار رہ گیا۔ اس قبیلے کے سردار نے اپنے لیے نائب السلطنت کا عہدہ تجویز کرلیا اور عموماً بادشاہ کی شادی اسی کے خاندان میں ہوتی۔ گویا تاج وتخت کا نیا وارث انھی کے زیر اثر رہتا۔ اس خاندان کا

اقتدار طویل مدت تک قائم رہا۔مختلف اوقات میں خانہ جنگیاں بھی ہوئیں۔ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیرداروں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور یہ جاگیردار زیادہ تر فوجی رئیس تھے،جو اپنے اپنے قبیلوں میں سے فوجیں تیار کر لیتے تھے۔اس وجہ سے مرکزی حکومت کا اقتدار گھٹ گیا اور جنگی گروہوں کا اقتدار بڑھ گیا۔بارہویں صدی کے آخر میں دور تک بہت کم جاپانی باہر کے ملکوں میں گئے اور بیرونی تجارت زیادہ تر اہل کوریا اور اہل چین کے ہاتھ میں رہی،لیکن بارہویں صدی کے اختتام پر جاپانیوں کے بیرونی تجارت پر قبضہ کرلیا،بلکہ وہ کوریا اور چین کے ساحلی مقامات پر یورشیں بھی کرتے رہے۔جس گروہ نے ملکی اختیارات پر قبضہ جما رکھا تھا،بارہویں صدی کے اختتام پر وہ بھی تباہ ہوگیا۔

تاتاریوں کے حملے:

چین کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ تاتاریوں نے جاپان پر بھی حملہ کیا تھا۔پہلا حملہ 1274ء میں ہوا۔تاتاریوں کا بیڑہ ایک غیر محفوظ جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔اس اثنا میں طوفان کا خطرہ پیدا ہوا اور انھوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ رات کی تاریکی میں واپس چلے جائیں۔1281ء میں وہ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر دوبارہ جاپان پہنچے۔جاپانیوں کو پہلے سے اس یورش کا اندازہ تھا اور انھوں نے حفاظت کے لیے جابجا فصلیں بنا رکھی تھیں۔دو مہینے تک جنگ جاری رہی۔جاپانیوں کے پاس چھوٹے چھوٹے تیز رفتار جہاز تھے۔ان کے جوابی حملوں نے تاتاریوں کو بہت نقصان پہنچایا،پھر ایک خوفناک طوفان آگیا،جس میں تاتاری بیڑے کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا۔جو جہاز باقی بچے وہ واپس چلے گئے۔

شاہی اقتدار کی بحالی:

1331ء میں شاہی اقتدار بحال ہوگیا،لیکن فوجی جاگیرداروں کا اقتدار بھی ساتھ ساتھ قائم رہا۔چودہویں صدی کے بڑے حصے میں خانہ جنگی کی آگ مشتعل رہی۔پندرہویں صدی کے اختتام تک جاپان کی داخلی افراتفری میں کوئی خاص فرق نہ آیا۔

امریکہ

کولمبس سے پیشتر کا دور:

امریکہ کے قدیم باشندے ماضی قدیم میں آبنائے بیرنگ کے راستے شمالی امریکہ میں پہنچے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہجرت کا سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ امریکہ پہنچنے کے بعد ان کا تعلق پرانی دنیا سے کٹ گیا اور وہ آہستہ آہستہ شمالی، وسطی اور جنوبی امریکہ میں پھیلتے گئے۔ وہ جس وقت ایشیا سے نکلے تھے، ان کا تہذیبی درجہ زیادہ بلند نہ تھا۔ نئی جگہ پہنچنے کے بعد بعض گروہوں نے خاصی بلند حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ پیرو میں انکاؤں نے زرعی اغراض کے لیے برنجی اوزاروں کا استعمال شروع کر دیا، لیکن لوہے کے استعمال سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ جو جانور پیرو کے پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے تھے، ان سے کام لینا شروع کر دیا، مثلاً کتے بطخیں، الپا کا وغیرہ۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو مختلف گروہوں نے ثقافتی لحاظ سے نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔ ان میں سے شمالی وسطی اور جنوبی امریکہ کے کئی گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ازٹک:

اڑٹکوں (Aztecs) کا قبیلہ ابتداء میں بہت چھوٹا تھا۔ آہستہ آہستہ انھوں نے ہیئت و ریاضی میں خاصا کمال حاصل کر لیا اور اپنی ایک تقویم [1] بھی بنالی۔ چودھویں صدی عیسوی میں انھوں نے ٹینوچٹ لان (Tenochtilan) نام کا ایک شہر آباد کیا، جو ان کا مرکز حکومت بن گیا۔ یہ مقام ناقابل تسخیر مانا جاتا تھا، پھر انھوں نے اپنی اعلیٰ سیاسی اور فوجی صلاحیت کی بدولت پورے جنوبی اور وسطی میکسیکو پر اقتدار جما لیا اور وسطی امریکہ میں بھی جا بجا اپنی نوآبادیاں قائم کر دیں۔ 1519ء میں ٹینوچٹلان کے مالکان مکانات کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور اس زمانے میں ازٹکوں کی سلطنت کے اندر کم و بیش پچاس لاکھ افراد آباد تھے۔ حکومت کا اقتدار مرکز کے ہاتھ میں تھا۔ بادشاہ کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ صوبوں کے لیے گورنر مقرر کیے جاتے تھے۔ فوج خاصی بڑی اور منظم تھی۔ عدالتی نظام نہایت عمدہ مانا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے انجینئری، تعمیرات، فنون، لطیفہ ریاضی اور ہیئت میں خاصی مہارت پیدا کر لی تھی۔ زراعت اور تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ سادہ صنعت کاری بھی عام تھی۔ سونے چاندی کی چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ مٹی کے برتن بہت اعلیٰ بنتے تھے۔ پارچہ بافی نے بھی ترقی کر لی تھی۔ مذہبی لحاظ سے ازٹک مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے، جن میں سے بلند ترین حیثیت جنگی دیوتا کو حاصل تھی۔ ان کے مذہبی پیشوا مذہبی اور سیاسی اعتبار سے بڑے با اقتدار

تھے۔ ازٹکوں نے جن قبیلوں کو فوجی قوت کے بل پر اپنا مطیع بنالیا تھا، وہ ہر وقت سرکشی پر آمادہ رہتے تھے۔ جھیل ٹزکوکو (Tezcuco میکسیکو کی ایک جھیل) کی مشرقی پہاڑیوں میں ایک طاقتور جمہوریت موجود تھی، جس نے اپنی آزادی بحال رکھی۔ کہ ازٹکوں کو اپنے جانی دشمن سمجھتی تھی۔ مختلف گروہوں کی یہ کشاکش اہل ہسپانیہ کے لیے بڑی سازگار ثابت ہوئی، اس لیے کہ انھیں ملک فتح کرنے میں بہت مدد ملی۔

مایا:

یہ لوگ بالکل ابتدائی زمانے میں یوکاٹان (Yucatan)، ٹباسکو (Tabasco) چیا پاس (Chiapas) شمالی، وسطی اور مشرقی گوائی مالا (Guatemala) نیز مغربی ہانڈو راس (Honduras یہ تمام وسطی امریکہ کے خطے ہیں) میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کی تہذیب 1000 عیسوی سے پیشتر کمال پر پہنچ چکی تھی اور بعض ثقافتی پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ نئی دنیا کی سب سے اونچی تہذیب تھی۔ البتہ یہ لوگ کوئی منظم سلطنت پیدا نہ کر سکے۔ جگہ جگہ شہری ریاستیں قائم تھیں، جن کی عنان حکومت سیاسی و مذہبی حاکموں کے ہاتھ میں تھی۔ مایاؤں نے بھی فنون لطیفہ، تعمیرات انجینئری، ریاضی اور ہئیت میں بڑی ترقی کر لی تھی۔ عبادت گاہیں اور دوسری بڑی بڑی عمارتیں چونے اور پتھر سے تعمیر کیں۔ مذہبی لحاظ سے یہ بھی مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں کو خاصا اقتدار حاصل تھا اور علم کے بھی وہی اجارہ دار مانے جاتے تھے۔ تجارت، پارچہ بافی اور ظروف سازی نے بڑی ترقی کر لی تھی۔ زراعت بھی اعلیٰ پیمانے پر پہنچ چکی تھی۔ تیرہویں صدی عیسوی میں ان کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی اور میکسیکو کے بعض قبیلوں نے شمالی یوکاٹان کے مایاؤں کو مسخر کر لیا۔ پندرہویں صدی میں پھر باہمی رزم و پیکار شروع ہو گئی اور 1451ء میں ان کا اقتدار مٹ گیا۔ ہسپانوی فتوحات کے وقت یوکاٹان کے مایا قبیلہ چار پانچ لاکھ سے کم نفوس پر مشتمل نہ ہوگا۔

.ایک متحدہ حکومت چب چبا (Chibcha) قبیلے کی تھی، جس کے افراد دس لاکھ ہوں گے۔ ان لوگوں نے بھی بیرون تجارت اور پارچہ بافی میں بڑی ترقی کر لی تھی۔ یہ اپنی عمارتوں میں لکڑی اور گھاس پھوس استعمال کرتے تھے۔

انکا قبیلہ:

انکا قبیلے کی حکومت جنوبی امریکہ کی ریاست پیرو میں تھی اور کزکو (Cuzco) اس کا دارالحکومت تھا۔ یہ جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل کی سطح مرتفع پر قابض ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنا اقتدار ایک طرف ای کو

آڈور (Ecuador) سے وسطی چلی تک اور دوسری طرف بولیویا کی سطح مرتفع تو پہنچا دیا تھا۔ان کی میں زیادہ توسیع چودھویں صدی میں ہوا۔اس دور کا ایک بڑا فاتح ہوینا کپاک (Huayna Capac) تھا، جسے فاتح اعظم مانا جاتا تھا۔اس سلطنت میں ساٹھ لاکھ سے اسی لاکھ تک افرا شامل تھے۔نظام حکومت مطلق العنانی پر مبنی تھا۔تمام اختیارات ان کا حاکم کے قبضے میں تھے جو سورج دیوتا کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا اور ان کا سورج ہی کی پوجا کرتے تھے۔معاشرے میں ہر فرد کا درجہ مقرر تھا اور حکومت سب کی فلاح و بہبود کے لیے وقف تھی۔ انکاؤں کی فوج بہت منظم تھی۔انھوں نے ڈاک کا انتظام بھی خوب کر لیا تھا اور سلطنت کے تمام حصوں میں فوجی اغراض کے لیے سڑکیں بنا دی گئی تھیں۔ریاضی اور ہیئت میں انکاؤں کو وہ درجہ حاصل نہ تھا، جو مایا اور ازٹک حاصل کر چکے تھے،لیکن انجینئری تعمیرات، پارچہ بافی اور ظروف سازی میں وہ خاصی ترقی کر گئے تھے۔ساحل کے ساتھ ساتھ تجارتی ترقی کے لیے جہاز رانی میں کمال پیدا کرنا ضروری تھا اور انکاؤں نے اس میں بھی خاصی مہارت پیدا کر لی تھی۔سیاسی لحاظ سے انکائی دنیا میں سب پر فائق تھے۔کپاک نے اپنی سلطنت دو بیٹوں میں تقسیم کر دی، اس پر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور ہسپانویوں کے لیے انکاؤں کو مسخر کر لینا مشکل نہ رہا۔

اہم اکتشافات کا دور

ایشیا:

صلیبی جنگوں سے خونریزی اور تباہ کاری کے سوا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا، اس لیے کہ عام سیاسی صورت حال وہی رہی، جو پہلے تھی۔ ابتداء میں مسیحیوں نے فلسطین اور شام کے بعض حصوں پر قبضہ کرلیا، مگر انجام کار وہ نکالے گئے اور پہلی صورت بحال ہوگئی۔ تاہم ان جنگوں سے بعض ایسے نتیجے بھی نکلے جو صلیبی جنگجوؤں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے، مثلاً اہل یورپ کے نقطۂ نگاہ میں وسعت پیدا ہوئی۔ ایشیائی تہذیب وتمدن اور علوم کا ان پر اثر پڑا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے دل میں تجارت کو پھیلانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ پھر تیرہویں صدی میں چنگیز خاں نے جس سلطنت کی بنیاد رکھی، اس میں خاصے بڑے حصے شامل تھے۔ اس طرح یورپ اور ایشیا کے درمیان براہ راست تعلقات ناگزیر ہوگئے۔

اہل یورپ کو صلیبی جنگوں میں تو کامیابی نہ ہوئی، مگر مسلمانوں کے خلاف تعصب قائم رہا اور انھوں نے تاتاریوں کے ساتھ دوستی کے رشتے پیدا کرنے کی بڑی کوششیں کیں، اس لیے کہ وہ تاتاریوں کو بھی مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے یورپ سے کئی سفارشیں تاتاریوں کے مرکزی دربار میں بھیج گئیں۔ بعض لوگ جنوبی روس میں سے گزرتے ہوئے قرہ قرم پہنچے۔ بعض نے بحیرۂ اسود کا راستہ اختیار کیا۔ ان میں سے ایک سفارت نکولو پولو (Nicolo Polo) اور اس کے بھائی میفیو پولو (Maffeo Polo) کی تھی۔ یہ لوگ وینس کے تاجر تھے۔ صرف تجارت کے لیے گئے تھے۔ تین سال بخارا میں رہ کر چین پہنچے۔ 1269ء میں واپس ہوئے تو تاتاری حکمران کی طرف سے پوپ کے نام خطوط بھی لائے۔

مارکو پولو:

انھوں نے دوسری مرتبہ 1271ء میں مشرق کا سفر اختیار کیا تو نکولو کا بیٹا مارکو پولو (Marco Polo) بھی ساتھ تھا، جس کی عمر صرف سترہ برس کی تھی اور قرون وسطیٰ کا وہ سب سے بڑا مغربی سیاح مانا جاتا ہے۔ اس مرتبہ وہ موصل، بغداد، ہرمز، کرمان، خراسان، پامیر اور کاشغر ہوتے ہوئے گئے اور صحرائے گوبی کو عبور کرکے تاتاری دربار میں پہنچے۔ قبلائی خان نے انھیں اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ چنانچہ مارکو پولو نے آئندہ پندرہ سال کی مدت مشرق ہی میں گزاری۔ اس اثنا میں اس نے چین، ہند، برما اور ہندوستان کے حالات سے بھی پوری آگاہی حاصل کرلی۔ واپسی میں وہ لوگ بحرالکاہل اور بحر ہند کے راستے سماٹرا، ہندوستان اور

ایران ہوتے ہوئے وطن پہنچے۔ مارکو پولو کا سیاحت نامہ 1297ء میں لکھا گیا، جب وہ کسی وجہ سے جنوآ میں اسیر تھا۔ اس سیاحت نامے نے اسے ہمہ گیر شہرت کا مالک بنا دیا اور اس سے اہل یورپ کے جغرافیہ دانوں کا نقطۂ نگاہ بالکل بدل گیا۔ 1324ء میں مارکو نے وفات پائی۔

اس اثنا میں یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ مختلف مقامات پر تجارتی مرکز بن گئے، مثلاً ایران میں تبریز، ہندوستان میں گجرات اور مالا بار کے ساحلی مقدمات، چین میں پیکن اور دوسرے شہر۔ وسط ایشیا تک تجارتی شاہراہیں کھل گئیں۔ مثلاً جنوبی و مشرقی روس اور بحیرۂ اسود سے یا ایران سے براہ ابزون۔ مغربی یورپ کے حکمرانوں نے ایران کے ایل خانی حکمرانوں کے پاس سفارتیں بھیجیں اور ایلخانیوں کی سفارتیں انگلستان تک جاتی رہیں۔

پوپ نے مذہبی مشینری بھی چین بھیجے۔ 1340ء میں فلارنس کے ایک تاجر نے تاجروں کی معلومات کے لیے ایک کتاب مرتب کر دی، جو اس زمانے میں کاروبار کرنے والوں کے لیے ایک نہایت قیمتی دستاویز تھی۔

1368ء میں تاتاری سلطنت کا تختہ الٹ گیا اور وہ چین سے نکالے گئے۔ اس کے بعد منگ خاندان کے حکمرانوں نے تمام اجنبیوں کو چین سے خارج کر دیا۔ پھر تیمور کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرق قریب کے ساتھ تجارت کی تمام شاہراہیں بند ہو گئیں۔

افریقہ:

عرب آٹھویں صدی مسیحی کے آغاز میں ہی پورے شمالی افریقہ کو فتح کر چکے تھے۔ ان کے مبلغ اور تاجر وسطی افریقہ کے غیر معروف گوشوں میں پھر نکلے تھے۔ مشرق سے مغرب کی طرف اور مغرب سے مشرق کی طرف تاجروں، سیاحوں اور علم کے طلب گاروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی، اس وجہ سے افریقہ کا کوئی بھی گوشہ اہل مشرق کی نظروں سے چھپا نہ رہا تھا۔ البتہ یورپ کے لوگ افریقہ سے قریب تر ہونے کے باوجود شمال کے ساحلی علاقوں کے سوا کسی حصے سے آگاہ نہ تھے۔ افریقہ کا سب سے بڑا سیاح ابن بطوطہ چودھویں صدی میں سفر پر نکلا اور وہ دنیا کے چند بڑے سیاحوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ کم و بیش پچیس برس اپنے وطن طنجہ سے باہر رہا۔ اس اثنا میں اس نے پورے شمالی افریقہ، مصر، مشرق قریب، عرب، مشرق افریقہ کا سفر کیا، پھر کریمیا اور وسطی ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ یہ محمد بن تغلق کا دور تھا۔ وہ آٹھ سال دہلی میں مقیم رہا، پھر دکن ہوتا ہوا سیلون گیا اور وہاں سے چین روانہ ہو گیا۔ 1349ء میں وہ سیاحت کرتا ہوا اپنے وطن میں وارد ہوا۔ وہاں سے ایک مرتبہ صحرائے اعظم کو عبور کر کے ٹمبکٹو گیا اور دریائے نائجر کا علاقہ دیکھا۔ اس کے سفرنامے میں

بتایا گیا ہے کہ مصر سے مشرق افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ، نیز ہندوستان اور چین تک کون کون سے تجارتی راستے تھے اور ان کی کیفیت کیا تھی۔ جنوبی مراکش سے صحرا کو عبور کر کے گھانا[1] تک تجارتی قافلے جاتے تھے۔

مسیحی سفارتیں:

موحدین اور بعد کے حکمرانوں کا زمانہ آیا تو ان کی رواداری سے فائدہ اٹھا کر مسیحی پادری بھی شمالی افریقہ پہنچنے لگے۔ اس زمانے میں اندرون افریقہ کے ساتھ جتنی تجارت ہوتی تھی، وہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ 1447ء میں جنوآ کا ایک شخص شمالی افریقہ سے روانہ ہوا اور دور اندرون ملک میں چلا گیا۔

حبشہ کی مسیحی سلطنت کو مسلمانوں نے اس وجہ سے محفوظ رکھا تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ کے بادشاہ نے مسلمان مہاجروں کو پناہ دی تھی، نیز وہ مسلمان ہو گیا تھا، لیکن اہل یورپ نے مسلمانوں کی مخالفت کے جوش میں جہاں اور حربے استعمال کیے، وہاں یہ کوشش بھی کی کہ حبشہ کو ایک مرکز کی حیثیت میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں۔ چنانچہ باہم سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ 1452ء میں حبشہ کی ایک سفارت لزبن اور 1481ء میں ایک سفرت رومہ پہنچی۔ حبشہ ابتدا میں اس امر کا خواہاں تھا کہ مصر کی مملوک حکومت کے خلاف یورپ کے باشندے اسے مدد دیں۔ بعد ازاں عثمانی ترکوں کے خلاف مدد طلب کی گئی، لیکن کچھ نہ نکلا۔

پرتگیزوں کی کوششیں:

پرتگیزوں نے تیرہویں صدی کے آخری حصے میں افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ اکتشافات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ 1291ء میں جنوآ کے دو ملاح ہندوستان کا بحری راستہ معلوم کرنے کے لیے نکلے اور بے پتا ہو گئے۔ پندرہویں صدی کے شروع میں پرتگال کے ایک شہزادے ہنری نے جہازرانوں کی خاص سرپرستی شروع کی اور اس وجہ سے اکتشافات کا کام سرگرمی کے ساتھ شروع ہو گیا۔ چنانچہ شمالی و مغربی افریقہ کے سامنے اوقیانوس میں جو جزیرے ہیں۔ پرتگیزوں نے ان پر قبضہ کیا اور آہستہ آہستہ ساحل افریقہ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ 1444ء میں وہ دریائے سینی گال کے دہانے تک جا پہنچے اور مغربی ساحل کے ساتھ تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بعض منچلے آدمیوں نے دریائے سینی گال اور دریائے گیمیا کی گزرگاہوں میں بھی سفر کیے۔ 1470ء کے قریب پرتگیز گولڈ کوسٹ تک جا پہنچے۔ وہاں انھوں نے ایک قلعہ بنا کر 1482ء میں فیکٹری قائم کر دی اور سونے کی تجارت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اسی طرح قدم بہ قدم وہ آگے

بڑھتے گئے، یہاں تک کہ 1488ء میں ایک ملاح جنوب کی طرف بڑھتا بڑھتا ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے افریقہ کی پہاڑیاں شمال کی طرف نظر آتی تھیں۔ گویا وہ راس امید [1] تک پہنچ گیا۔ پھر وہ آگے جانا چاہتا تھا، مگر اس کے ساتھی تیار نہ ہوئے اور مجبوراً اُسے واپس ہونا پڑا۔

واسکوڈی گاما:

1497ء میں واسکوڈی گاما (Vasco da Gama) چار جہاز لے کر اس قصد سے روانہ ہوا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر دم لے گا۔ چنانچہ وہ مغربی افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ راس امید پہنچا، پھر افریقہ کے جنوبی گوشے کا چکر لگاتا ہوا مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ موزمبیق میں لنگر انداز ہوا۔ وہاں اسے ایک عرب ملاح [2] مل گیا، جو بحر ہند کے تمام حصوں سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس کی رہنمائی میں واسکوڈی گاما 22 مئی 1498ء کو کالی کٹ پہنچا، جو ملیبار کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ ہندوستان اور یورپ کے درمیان بحری راستے کی دریافت تھی۔ چنانچہ اس راستے سے آمدورفت شروع ہوگئی، پھر پرتگیز مشرق بعید تک چلے گئے۔

پرتگیزی حکومت:

ہندوستان کے راستے کی دریافت کے بعد پے در پے جہاز پہنچنے لگے۔ 1505ء میں پرتگیزوں نے ایک شخص کو گورنر بنا کر ہندوستان بھیجا اور اس نے جگہ جگہ قلعے تعمیر کر لیے۔ پھر پرتگیز ایران کی بندرگاہ ہرمز میں قابض ہوگئے اور مشرقی بعید میں بھی انھوں نے اپنے تجارتی مرکز بنا لیے۔

امریکہ:

کولمبس سے پیشتر کے امریکہ کی سرسری کیفیت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یہ بات بے حد عجیب ہے کہ آبنائے بیرنگ کی سمت سے صرف چھتیس میل کے فاصلے پر ہونے کے باوجود صدیوں تک پرانی دنیا کے لوگ امریکہ سے ناآشنا رہے۔ حالانکہ عام تحقیق کے مطابق اسی راستے سے انسانی قافلے پہلے امریکہ پہنچے تھے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آبنائے بیرنگ کی طرف کا ایشیائی علاقہ یعنی مشرقی سائبیریا بھی برفستان تھا اور دوسری طرف ایلاسکا میں بھی دور دور تک برف اور بے آبادی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، اس لیے کسی کو خیال نہ ہو سکا کہ آبنائے بیرنگ کی دوسری طرف ایک نہایت عظیم الشان براعظم موجود ہے۔ اب معلوم ہو چکا ہے کہ شمالی سمت سے کچھ لوگ امریکی برفستانوں میں پہنچتے رہے۔ مثلاً 790ء میں آئرلینڈ کے چند پادری آئس لینڈ پہنچے۔ 874ء میں سکنڈے نیویا کے ملاحوں نے آئس لینڈ میں آبادیاں قائم کیں۔

981ء میں وہ گرین لینڈ پہنچ گئے اور جنوبی و مغربی ساحل پر آبادیاں قائم کر لیں۔1000ء میں ایک ملاح ناروے سے گرین لینڈ جا رہا تھا، طوفان نے اسے امریکہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔ وہ ملاح اس ملک کو تاکستان Wineland یعنی انگوروں کی سرزمین قرار دیتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ نووا اسکوشیا (Nova Scotia) مشرقی کینیڈا) کا علاقہ تھا۔ اس کے بعد بھی مختلف لوگ امریکہ جاتے رہے۔ پچھلے دنوں ایک قبر کا پتا چلا تھا، جس میں سے تلوار ڈھال اور دو کلہاڑیاں ملیں۔ مختلف حصوں کی زبانوں کے تحقیقی مطالعے سے بھی یہ شہادت فراہم ہوئی ہے کہ کسی زمانے میں سیکنڈے نیویا کے ملاح امریکہ میں آباد ہو گئے تھے۔

کولمبس کا سفر:

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے، اسے ہر لحاظ سے درست بھی مان لیا جائے تو اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ کولمبس کی دریافت کے وقت تک امریکہ کے متعلق کسی کو صحیح معلومات نہ تھیں۔ اسی وجہ سے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس کا نام نئی دنیا پڑ گیا، یعنی وہ دنیا جس کے بارے میں پیشتر کسی کو علم نہ تھا۔

کرسٹوفر کولمبس جنوآ (اٹلی) میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ کپڑے بنتا تھا۔ ابتداء ہی سے کولمبس کو بحری سفروں کا شوق تھا۔ غالباً 1472ء میں اس نے پہلا بحری سفر کیا۔ پھر وہ پرتگال میں مقیم ہو گیا، جہاں اس زمانے میں بحر پیائی اور جہاز رانی کی سرپرستی ہو رہی تھی۔

اس نے پہلے پرتگال کے بادشاہ سے درخواست کی کہ کچھ جہازوں کا انتظام کر دیا جائے، تاکہ میں ایشیا کا بحری راستہ دریافت کروں۔ اس سلسلے میں نئے جزیروں کا پتا بھی لگاؤں گا، لیکن اس درخواست پر توجہ نہ ہوئی، اس لیے کہ بادشاہ صرف انھی جہاز رانوں کی سرپرستی کرتا تھا جو مہموں کے خرچ کا انتظام خود کر لیتے تھے۔ 1476ء میں کولمبس نے بعض پادریوں کے ذریعے سے ہسپانیہ کی ملکہ ازابلا سے درخوست کی۔ ملکہ مالی امداد دینے کے لیے تیار ہو گئی۔ چنانچہ کولمبس تین جہاز لے کر 3 اگست 1492ء کو ہسپانیہ چلا اور 12 اکتوبر کو جزائر بھاما میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے آس پاس کے علاقے دریافت کیے۔ 15 مارچ 1493ء کو واپس آیا۔ اسے خیال تھا کہ تاتاری شہنشاہ کا کوئی علاقہ دریافت ہوا ہے، لیکن اس دریافت سے یورپ بھر میں کھلبلی مچ گئی اور ہر جگہ سے ملاحوں کے قافلے تیار ہونے لگے۔

کولمبس نے 1493ء کے آخر میں نئی دریافت شدہ سرزمین کی طرف دوسرا سفر کیا۔ اس کے بعد 1498ء اور 1502ء میں بھی وہاں گیا۔ 1506ء میں اس نے وفات پائی۔

بعد کے اکتشافات:

اس کے بعد بھی اکتشافات کا سلسلہ جاری رہا۔ کولمبس کے زمانے تک نئی دنیا کی وسعت کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ بعد ازاں معلوم ہوگیا کہ بہت بڑا براعظم دریافت ہوا ہے، جو نہ ہندوستان ہے اور نہ تاتاری شہنشاہ کی سلطنت کا کوئی علاقہ ہے، بلکہ ایک الگ تھلگ دنیا ہے۔

امریکہ کا نام:

اس وقت تک نئے براعظم کا کوئی نام مقرر نہ ہوا تھا۔ 1499ء میں امیریگو وسپوسی (Amerigo Vespucci) شاہ ہسپانیہ کے ملازم کی حیثیت میں نئی دنیا کا سفر کیا۔ 1501ء میں شاہ پرتگال کے ملازم کی حیثیت میں وہ دوسری مرتبہ نئی دنیا گیا اور برازیل کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ گویا پہلے صرف شمالی اور وسطی امریکہ کا پتا چلا تھا۔ وسپوسی نے جنوبی امریکہ بھی دریافت کرلیا۔ اسی کے نام پر مارٹن والڈسی میولر (Martin Waldseemuller) نے 1507ء میں نئی دنیا کا نام امریکہ [1] رکھا۔

عہد جدید

ابتدائی دور

جزائر برطانیہ

برطانیہ: (1485ء-1649)

1485ء میں ٹیوڈر خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ ہنری ہفتم تھا۔ اگرچہ تاج کے اختیارات پر وہ پابندیاں رسمی طور پر قائم رہیں، جو قرون وسطیٰ میں قائم ہو چکی تھیں، لیکن عملاً ہنری نے مطلق العنان بادشاہی کا بندوبست کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی نے ایک انتظامی مرکز قائم کیا، جسے بعد میں "سٹار چیمبر" کہنے لگے۔

بعض بغاوتیں بھی ہوئیں جو آسانی سے فرو کر دی گئیں۔ 1497ء میں کارنوال کے اندر جو بغاوت ہوئی تھی، وہ خاصی خوفناک تھی۔ یہ اس وجہ سے شروع ہوئی تھی کہ پارلیمنٹ نے ایک نیا ٹیکس لگا دیا تھا، لیکن باغیوں نے شکست کھائی اور ان کے لیڈر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ 1495ء میں ہنری نے ایک فرمان جاری کیا، جس کے مطابق واضح کر دیا گیا کہ آئر لینڈ کی پارلیمنٹ شاہ انگلستان کی منظوری کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتی اور نہ اس پارلیمنٹ میں کوئی قانون منظوری کے بغیر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو قانون انگلستان کی پارلیمنٹ میں منظور ہو چکے تھے، وہ آئر لینڈ میں بھی جاری کر دیئے گئے۔ 1502ء میں ہنری نے اپنی بڑی بیٹی مارگریٹ کی شادی سکاٹ لینڈ کے سٹوارٹ بادشاہ جیمز چہارم سے کر دی۔ اسی شادی کی بدولت آگے چل کر انگلستان کا تخت سکاٹ لینڈ کے بادشاہ کو ملا۔

ہنری ہشتم: (1509ء-1547)

اس کے عہد کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ اس نے چھ شادیاں کیں۔ دو بیویوں کو اس نے طلاق دے دی، دو کو قتل کرا دیا، ایک طبعی موت مری اور ایک ہنری کی وفات کے بعد زندہ رہی۔

ہنری تاج و تخت فرانس کا دعویدار تھا۔ چنانچہ اس نے مقدس لیگ [1] میں شامل ہو کر اپنی فوج ہسپانیہ بھیجی، جسے کامیابی نہ ہوئی۔ 1513ء میں وہ خود فرانس پہنچا اور شہنشاہ میکس ملین کے ساتھ مل کر "جنگ مہمیز [2]" میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ 1513ء میں جیمز چہارم شاہ سکاٹ لینڈ سے لڑائی ہوئی، اس لیے

کہ وہ فرانس کا طرفدار بن گیا تھا۔ 9 ستمبر کو اسے شکست ہوئی اور وہ فوت ہو گیا۔ 1514ء میں فرانس اور سکاٹ لینڈ کے ساتھ صلح ہو گئی۔

پوپ کے ساتھ تعلقات:

پوپ کے ساتھ ہنری کے تعلقات میں کشیدگی اس بنا پر شروع ہوئی کہ وہ چاہتا تھا کہ اپنی پہلی بیوی کیتھرائن کو طلاق دے کر این بولین (Anne Boleyn) سے شادی کر لے۔ سبب یہ پیش کیا تھا کہ متوفی بھائی کی بیوہ سے شادی از روئے مسیحیت جائز نہیں۔ اسی غرض سے ہنری نے اپنے عزیز دوست وولزے (Wolsey) کو پوپ کا نمائندہ بنا دیا تھا۔ پوپ اس لیے گھبرایا تھا کہ کیتھرائن کا تعلق ہسپانیہ کے شاہی خاندان سے تھا اور ہسپانیہ کو وہ ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہنری لیت و لعل کو گوارا نہ کر سکا۔ اس نے وولزے سے نیابت کی مہر لے کر دوسرے شخص کے حوالے کر دی اور طلاق کا مسئلہ انگلستان اور یورپ کی مذہبی کونسلوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اکثر کونسلوں نے ہنری کونسلوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اکثر کونسلوں نے ہنری کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ ہنری نے رومہ کے کلیسا سے تعلق توڑ لیا، کیتھرائن کو طلاق دے دی اور این بولین سے شادی کر لی۔ مذہبی اوقاف سے جو رقم پوپ کے لیے جاتی تھی، ضبطی میں آ گئی۔ پوپ نے ہنری کو مذہب سے خارج کر دیا اور طلاق ناجائز قرار دے دی۔ اس اثناء میں این بولین سے ایک بچی پیدا ہوئی، جو آگے چل کر ملکہ ایلزبتھ بننے والی تھی۔ پارلیمنٹ نے یہ صورت حال دیکھی تو طلاق جائز قرار دے دی اور ایلزبتھ کو ملک کا جائز وارث قرار دے دیا، بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر شہزادی فوت ہو گئی تو این بولینؒ کے بطن سے دوسرے جو بچے پیدا ہوں گے، وہ بھی تاج و تخت کے جائز وارث ہوں گے۔ 1534ء میں ایک قانون منظور ہوا، جس کے مطابق انگلستان کے کلیسا اور پادریوں کا رئیس اعلیٰ بادشاہ کو بنا گیا اور وہی مذہب کا محافظ قرار پایا۔ یہ اصلاح مذہب کے بارے میں انگلستان کا فیصلہ کن اقدام تھا۔

واضح رہے کہ ہنری یا انگلستان کو رومہ کے ساتھ عقائد و عبادات کا کوئی خاص اختلاف نہ تھا، صرف سیاسی اور شخصی وجوہ سے اختلاف پیدا ہوا تھا، لیکن اس نے مذہبی اختلاف کی شکل اختیار کر لی۔ ہنری نے اعلان کر دیا کہ جو شخص مذہبی معاملات میں بادشاہ کی برتری کا حلف نہ اٹھائے گا، وہ ملک و قوم کا غدار سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر ٹامس مور[1] کو 1535ء میں موت کی سزا دی گئی۔

متفرق واقعات:

ہنری نے وولزے کے ایک ملازم ٹامس کرامویل (Thomas Cromwell) کو ان تمام

معاملات کا نائب منتظم بنا دیا، جن کا تعلق انگلستان کے کلیسا سے تھا۔ کرامویل نے تمام خانقاہوں کے حالات کی چھان بین شروع کر دی۔ اس طرح پہلے چھوٹی چھوٹی خانقاہیں ختم کیں، پھر بڑی خانقاہوں پر بھی ہاتھ صاف کیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ بڑے پادری پہلے مذہبی عہدوں کی بنا پر پارلیمنٹ کے ممبر بن جاتے تھے، اب انھیں پارلیمنٹ میں بیٹھنے سے روک دیا گیا۔

1536ء میں ہنری نے این بولین کے خلاف زنا کا جرم عائد کر کے موت کی سزا دے دی اور ملکہ ایلزبتھ کو پارلیمنٹ نے ناجائز اولاد قرار دے دیا۔

1540ء میں ٹامس کرامویل کو موت کی سزا دی گئی۔

1542ء میں آئرلینڈ کو انگلستان کی بادشاہی میں شامل کر لیا گیا۔

اسی سال سکاٹ لینڈ سے لڑائی شروع ہو گئی اور جیمز پنجم شاہ سکاٹ لینڈ کو شکست دی گئی۔

جانشینی کا فیصلہ:

ہنری چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے ایڈورڈ کی شادی سکاٹ لینڈ کی شہزادی میری سے کر دے، لیکن سکاٹ لینڈ کے دربار نے انگلستان کے بجائے فرانس کے ساتھ رشتہ کرنا مناسب سمجھا۔

1544ء میں پارلیمنٹ نے فیصلہ کر دیا کہ اگر شہزادہ ایڈورڈ ولی عہد کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تو پہلے بادشاہ کی بڑی بیٹی میری تاج و تخت کی وارث ہو گی، بعد ازاں دوسری بیٹی ایلزبتھ۔

28 جنوری 1545ء کو ہنری نے وفات پائی۔ اس سے پیشتر اس نے وصیت کر دی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کسی کی نسل آگے نہ چلے تو میری بہن میری ڈچز سفوک کی اولاد تاج و تخت کی وارث ہو گی۔

ایڈورڈ اور میری:

ہنری کی وفات کے وقت اس کے بیٹے ایڈورڈ کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ اس کا ماموں نائب السلطنت اور کاروبار حکومت کا مختار بن گیا۔ ایڈورڈ نے، جو تاریخ میں ایڈورڈ ششم کہلاتا ہے، صرف چھ سال حکومت کی اور مرنے سے پہلے فیصلہ کر دیا کہ میرے بعد میری پھوپھی میری کی نواسی لیڈی جین گرے[1] تخت کی مالک ہو گی، لیکن لوگوں نے لیڈی جین گرے کی تائید نہ کی اور ہنری کی بڑی بیٹی یعنی ایڈورڈ کی بڑی بہن میری انگلستان کی ملکہ بن گئی۔ وہ سختی سے کیتھولک مذہب کی پابند تھی۔ تخت نشین ہوتے ہی وہ سب چیزیں ختم کر دیں جو ہنری نے اپنے ملک کو پوپ کے مذہبی جوے سے آزاد کرنے کے لیے اختیار کی تھیں۔ میری نے خود ہسپانیہ کے بادشاہ فلپ ثانی سے شادی کر لی جو میری کی طرح بڑا متعصب رومن کیتھولک تھا

اور ماں کی طرف سے میری کا رشتہ دار تھا۔ اسے شاہ انگلستان کا خطاب دے دیا گیا، لیکن ملکی کاروبار میں کسی قسم کی مداخلت کا حق نہ دیا۔ لیڈی جین گرے گرفتار ہو چکی تھی۔ اس اثنا میں میری کے خلاف ایک بغاوت ہوئی۔ اس سلسلے میں لیڈی جین گرے اور اس کا شوہر بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ایلزبتھ:

1558ء میں میری فوت ہوئی تو الزبتھ تاج و تخت کی مالک بن گئی۔ اس کا عہد انگلستان کی تاریخ کا زریں عہد ہے۔

فرانس کی مشہور بندرگاہ کے لیے، ایک لڑائی میں فرانس کے پاس جا چکی تھی۔ 1559ء میں الزبتھ نے فرانس کے ساتھ مستقل صلح کی۔ ایک شرط یہ قرار پائی کہ آٹھ سال کے اندر اندر کیلے کو انگلستان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ 1564ء میں دو لاکھ بائیس ہزار کراؤن لے کر کیلے چھوڑ دیا گیا۔

سکاٹ لینڈ کے ساتھ تعلقات:

سکاٹ لینڈ کی شہزادی میری سٹوارٹ کی شادی پہلے فرانس کے ولی عہد سے ہوئی تھی۔ اس کی وفات پر میری سکاٹ لینڈ واپس چلی گئی اور اس نے اپنے ایک عزیز ڈارنلے (Darnley) سے شادی کر لی۔ ان کے ایک بچہ پیدا ہوا، جو آگے چل کر سکاٹ لینڈ کا جیمز ششم اور انگلستان کا جیمز اول بنا۔ میری اور ڈارنلے کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ 1566ء میں ڈارنلے نے میری کے اطالوی سیکریٹری کو قتل کرا دیا۔ ایک سال بعد وہ خود بھی مارا گیا۔ میری نے ایک اور رئیس باتھ ویل (Bothwell) سے شادی کر لی۔ اس اثنا میں میری کے ایک عزیز مرے (Murray) نے تمام امیروں کو جمع کر کے کاروبار حکومت خود سنبھال لیا۔ میری نے شکست کھائی اور وہ قید ہو گئی۔ آخر اس نے تاج و تخت اپنے کمسن بیٹے کے حوالے کیا اور خود انگلستان پہنچ گئی۔ کچھ مدت قید رہی اور اس اثنا میں بار بار الزبتھ کے خلاف بغاوتیں ہوتی رہیں، جن میں سے بعض میں صحیح یا غلط، میری کا نام بھی لیا گیا۔ آخر ایلزبتھ نے اپنے تخت کی حفاظت کے لیے اسے موت کی سزا دے دی۔

بحری سرگرمیاں:

ایلزبتھ کے عہد میں اس کے منچلے ملاحوں نے وسیع پیمانے پر بحری سرگرمیاں جاری کر دیں۔ ان میں سے سر فرانسس ڈریک (Francis Drake) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ کئی مرتبہ امریکہ پہنچا۔ اہل ہسپانیہ کے جہاز تباہ کر کے واپس ہوا اور ان کا قیمتی سامان لوٹ لایا۔ 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی

بنیاد پڑی اور اسے ہندوستان کے ساتھ تجارت کا پروانہ ملا۔ یہی کمپنی تھی۔ جس نے آگے چل کر ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد رکھی۔

ہسپانیہ سے جنگ:

ہسپانیہ پہلے ہی سے منچلے برطانوی ملاحوں کی چیرہ دستیوں سے نالاں تھا، اب اس نے فیصلہ کرلیا کہ ایک بھاری بیڑہ لے کر انگلستان پر حملہ کرے۔ اس میں ایک سو بتیس جہاز تھے اور تین ہزار ایک سو پینسٹھ توپیں تھیں۔ اس بیڑے کو ڈریک، ہارڈ (Howard) اور ہاکنز (Hawkins) نے دوبار انگلستان میں شکست دی۔ پھر یہ طوفان میں تباہ ہوگیا۔ یہ 1588ء کا واقعہ ہے۔ 1597ء میں آئرلینڈ والوں نے ارل ٹائرون کی سرکردگی میں بغاوت کی۔ ارل ایسکس (Essex) کو مقابلے کے لیے بھیجا گیا۔ 1601ء میں بغاوت فرو ہوگئی۔ خود ایسکس کو بعدازاں بغاوت کے جرم میں موت کی سزا ملی۔

ایلزبتھ کی وفات:

ایلزبتھ نے مذہبی تنظیم کے لیے بھی بہت کچھ کیا اور اس کے عہد میں تجارت نے انگلستان میں دولت کی نہریں بہادیں، لیکن غریبوں کی حالت بڑی پریشانی کن تھی۔ 1601ء میں ایلزبتھ نے غریبوں کے لیے ایک قانون منظور کرایا، جس میں طے ہوا کہ لوگوں کو بیکار نہ پھرنے دیا جائے۔ نوجوانوں کو مفید کاروبار سکھایا جائے۔ تمام مذہبی حلقوں کا فرض قرار دیا کہ وہ اپنے ہاں کے ضرورت مندوں کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کریں۔ 1603ء میں پینتالیس سال کی حکومت کے بعد ایلزبتھ فوت ہوئی۔ وہ انگلستان ہی نہیں، بلکہ یورپ کے چند بڑے فرمانرواؤں میں گنی جاتی ہے۔

سٹوارٹ خاندان:

ایلزبتھ کے بعد تخت حکومت میری، ملکہ سکاٹ لینڈ کے بیٹے جیمز ششم کو مل گیا، جو ہنری ہفتم کی دختری اولاد میں سے تھا۔ اس خاندان کو سٹوارٹ خاندان کہتے ہیں، جس کی حکومت چند سال کے وقفے کے بعد 1714ء تک قائم رہی۔

24 مارچ 1603ء کو جیمز کی بادشاہی کا اعلان ہوا۔ 7 مئی کو وہ لندن پہنچا۔ انگلستان کے بادشاہوں میں وہ جیمز اول کہلاتا ہے، اس لیے کہ اس نام کا کوئی بادشاہ انگلستان میں پہلے نہیں گزرا تھا۔ اگرچہ بادشاہ ٹیوڈروں کے زمانے ہی سے مطلق العنانی کی طرف راغب تھے، لیکن جیمز اور اس کا بیٹا چارلس تو یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہی خدا کا ایک عطیہ ہے اور اسے کوئی واپس نہیں لے سکتا۔ اس وجہ سے بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔

انگلستان کے نمائندے ان حقوق کی بحالی کے لیے برابر کوشش کرتے رہے، جو انھیں پہلے حاصل ہو چکے تھے۔

اس زمانے میں سر والٹر ریلے (Walter Raleigh) ایک بڑا قابل قدر صاحب علم اور صاحب اکتشاف تھا، لیکن اس پر الزام لگا کہ وہ سٹوارٹ خاندان کی ایک اور لڑکی کا حامی ہے اور جیمز کو اتار کر اس لڑکی کو ملکہ بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسے قید کر دیا گیا۔ قید میں اس نے اپنی مشہور کتاب تاریخ عالم لکھی۔ 1617ء میں والٹر ریلے کو اس غرض سے رہا کر دیا گیا کہ وہ کہتا تھا مجھے جنوبی امریکہ میں سونے کی ایک کان کا علم ہے۔ یہ امریکہ پہنچا۔ کان نہ ملی اور اس نے ہسپانوی قصبوں پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ یہ ناکام و نامراد انگلستان پہنچا تو ہسپانیہ کے مطالبات تلافی پورا کرنے کے لیے اسے قتل کرا دیا گیا۔

پارلیمنٹ:

جیمز اول نے پہلی پارلیمنٹ 19 مارچ 1604ء کو بلائی اور یہ 9 فروری 1611ء تک قائم رہی۔ بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں پختہ اتحاد ہو جائے۔ اس غرض سے ایک سکیم بھی تیار ہوئی اور ایک کمیشن اس کی چھان بین کے لیے مقرر ہوا۔

دوسری پارلیمنٹ 1614ء میں بلائی گئی۔ اس میں بعض نئے ممبر آئے، جنھوں نے آگے چل کر عوامی حقوق کی حفاظت کے لیے بڑا عظیم الشان کام انجام دیا۔ بادشاہ نے جو ٹیکس عائد کر رکھے تھے، پارلیمنٹ کا پورا اجلاس انھی پر بحث میں گزر گیا، یہاں تک کہ اسے بادشاہ نے منسوخ کر دیا۔ اسے عام طور پر بے نتیجہ پارلیمنٹ [1] کہا جاتا ہے۔ تیسری پارلیمنٹ 1621ء میں بلائی گئی۔ اس نے بھی کوئی خاص کام نہ کیا، البتہ انگلستان کے مشہور صاحب علم و قلم فرانسس بیکن کو مجرم قرار دیا، جو وزیر مالیات تھا اور چالیس ہزار پونڈ کی رقم اس پر جرمانہ عائد کی۔ جرمانہ ادا کر دیا گیا اور فیصلہ ہو گیا کہ آئندہ اسے ذمہ داری کا کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔

18 دسمبر 1621ء کو پارلیمنٹ کی طرف سے ایک احتجاج نامہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا جو احتجاج نامہ کبیر (The Great Protestation) کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کو آزادی، حق رائے، حقوق اور اختیارات کے متعلق جو کچھ پہلے سے حاصل ہے، وہ انگلستانی رعایا کا پیدائشی حق اور قدیم میراث ہے اور بادشاہ یا حکومت یا سلطنت کے دفاع کے متعلق تمام ضروری معاملات کونسل اور پارلیمنٹ میں زیر بحث آنے چاہئیں۔ فروری 1662ء میں پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور ان ممبروں کو قید کر دیا گیا جو اس معاملے میں پیش پیش تھے۔

متفرق واقعات:

علاوہ بریں مندرجہ ذیل واقعات قابل ذکر ہیں:

(1) بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی ہسپانیہ کی شہزادی سے کرانی چاہی، لیکن ہسپانیہ نے جو شرطیں پیش کیں وہ کیتھولکوں کے لیے بڑی مفید تھیں، لہٰذا انگلستان انھیں ماننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ ہسپانیہ کی شہزادی سے شادی کا خیال چھوڑ دیا گیا اور 1642ء میں ولی عہد کی شادی فرانس کی شہزادی سے طے ہو گئی۔

(2) جیمز کے زمانے میں بعض بغاوتیں بھی ہوئیں، ان میں سے بہت مشہور بغاوت وہ ہے جو بارودی سازش (Gunpowder Plot) کے نام سے مشہور ہے۔ گائی فکس اس کا بانی تھا۔ وہ پارلیمنٹ کو بارود سے اڑ دینا چاہتا تھا۔ قبل از وقت اطلاع ملنے پر سازشی گرفتار ہوئے اور انھیں موت کی سزا دے دی گئی۔

(3) جیمز نے یہ اعلان کیا کہ امراء مجھے دو لاکھ پاؤنڈ دے دیں تو میں ان کے بعض جاگیردارانہ حقوق بحال کر دوں گا، لیکن یہ معاملہ تکمیل کو نہ پہنچا۔ 1624ء میں جیمز نے چوتھی پارلیمنٹ بلائی لیکن کچھ دیر بعد یعنی 27 مارچ 1625ء کو اس کا انتقال ہوا۔

چارلس اول:

جیمز اول کا بیٹا چارلس اول تخت نشین ہوا۔ اس نے فرانس کی شہزادی سے شادی کر لی۔ اس پارلیمنٹ میں یہ قرار پایا کہ بادشاہ کو تجارتی جہازوں کی مقدار اور سامان کے مطابق جو رقم ملتی ہے، وہ صرف ایک سال ملے گی، نیز ایک لاکھ چالیس ہزار پاؤنڈ ہسپانیہ کے خلاف جنگ کے لیے منظور ہوئے۔ پھر چارلس پارلیمنٹ پر پارلیمنٹ بلاتا رہا، جن میں سے آخری پارلیمنٹ 1640ء میں بلائی گئی اور وہ عام طور پر طویل پارلیمنٹ[1] کے نام سے مشہور ہے۔ بادشاہ کو پارلیمنٹ کے مطالبے منظور نہ تھے۔ پارلیمنٹ کے ممبر عوامی حقوق کے لیے بڑی استقامت سے لڑ رہے تھے۔ 1668ء میں پارلیمنٹ نے ایک درخواست بادشاہ کے پاس پیش کی، جسے بنیادی حقوق کا پروانہ قرار دینا چاہیے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی ٹیکس نہ لگائے، سپاہیوں کو نجی مکانوں پر پہرہ داری کے لیے مقرر نہ کیا جائے، زمانہ امن میں مارشل لاء کا قانون نافذ کرنے کے لیے فوجی افسر مقرر نہ کیے جائیں، کسی شخص کو اس وقت تک قید نہ کیا جائے جب تک

اس کے خلاف واضح الزام نہ لگ جائے۔ بادشاہ نے یہ درخواست منظور کر لی اور اسے پانچ امدادی رقوم دے دی گئیں۔

خانہ جنگی کا آغاز:

آہستہ آہستہ حالات بگڑتے گئے۔ بادشاہ اور اس کی رعایا میں دوری زیادہ ہوتی گئی۔ جو لوگ آنکھیں بند کر کے بادشاہ کی حمایت کر رہے تھے، وہ عوام کی نظروں سے گر گئے۔ آخر عوام نے ایک فوج منظم کر کے بادشاہ کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اولیور کراموبل (Oliver Cromwell) بادشاہ کے خلاف لڑنے والے فریق کا سردار تھا۔ اس کی بہادر و شجاع اور قواعد دان فوج نے قریباً ہر میدان میں کامیابی حاصل کی۔ آخر چارلس سکاٹ لینڈ والوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ پارلیمنٹ نے صلح کے لیے جو شرطیں طے کر رکھی تھیں وہ پھر پیش کر دیں۔ اس میں سے اہم ترین شرط یہ تھی کہ قومی فوج کا کنٹرول آئندہ بیس سال کے لیے پارلیمنٹ کے حوالے رہے۔ چارلس نے یہ شرطیں منظور نہ کیں۔ جنوری 1647ء میں سکاٹ لینڈ والوں نے بادشاہ کو پارلیمنٹ کے حوالے کر دیا۔ پارلیمنٹ نے مصالحت کی ایک اور کوشش کی اور یہ مطالبہ کیا کہ عبادت کی آزادی ہونی چاہیے۔ بری اور بحری فوج دس سال کے لیے پارلیمنٹ کی تحویل میں دے دینی چاہیے اور ہر پارلیمنٹ کم از کم تین سال قائم رہے۔ اس پر بھی فیصلہ نہ ہوا تو پارلیمنٹ نے بادشاہ سے حلف وفاداری منسوخ کر دیا۔ پھر جنگ شروع ہو گئی آخر چارلس کے خلاف مقدمہ چلا اور 30 جنوری 1649ء کو اسے موت کی سزا دی گئی۔

فرانس

1483ء-1641ء

چارلس ہشتم: (1483ء-1498ء)

فرانس کی تاریخ پندرہویں اور سولہویں صدی میں ایک حد تک خانہ جنگی کی تاریخ ہے۔ مختلف امراء نے خاصا اقتدار حاصل کر لیا تھا، مثلاً برٹنی (Brittany) مین (Maine) پروینس (Provence) اور برگنڈی کے امراء بالکل خود مختار تھے۔ وہ لوگ بادشاہ کی بھی کوئی پروانہ کرتے تھے۔ چارلس ہشتم کو تخت نشین ہوئے چار پانچ بھی سال ہی گزرے تھے کہ برٹنی کا ڈیوک مر گیا اور چارلس نے یہ تجویز پیش کر دی کہ انگلستان، ہسپانیہ، ہیپسبرگ کے شہنشاہ اس ریاست کی آزادی محفوظ رکھنے کے لیے اتحاد کر لیں۔ اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چارلس نے 1491ء میں این (Anne) سے شادی کر لی جو ریاست برٹنی کی وارث تھی۔

1495-96ء میں چارلس نے اٹلی پر حملہ کیا اور نیپلز کو فتح کر لیا، لیکن مختلف بادشاہوں اور پوپ نے مل کر ایک مقدس لیگ بنالی اور چارلس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ 1498ء میں چارلس ہشتم مرا تو اس خاندان کی ایک دوسری شاخ کے ایک شخص کو لوئی دوازدہم کے لقب سے بادشاہ بنایا گیا۔ یہ شخص چارلس پنجم کے چھوٹے بھائی لوئی ڈیوک اور لیانز کا پوتا اور چارلس ڈیوک اور لیانز کا بیٹا تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور ریاست برٹنی کی وارث این سے شادی کر لی، جو چارلس ہشتم کی بیوہ تھی۔ 1501ء میں لوئی نے شاہ ہسپانیہ سے معاہدہ کر کے نیپلز کو فتح کر لیا، لیکن بہت جلد ہسپانویوں اور فرانسیسیوں میں کشمش شروع ہو گئی اور لوئی کو یہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ آگے چل کر یہ لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ایک دوسرے کے خلاف معاہدے کرتے رہے، پھر یکے بعد دیگرے متعدد بادشاہ ہوئے اور ان میں لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔ 1559ء میں آسٹریا اور فرانس کی جنگیں ختم ہوئیں۔

ہنری دوم کے بعد اس کا بڑا بیٹا فرانسس دوم (Francis) کے لقب سے بادشاہ بنا۔ پھر اس کے بھائی یکے بعد دیگرے معاملات کے انچارج بنتے رہے۔ فرانس اور اس کے بھائیوں ہی کی والدہ تاریخ کی مشہور شخصیت کیتھرائن ڈی میڈیچی [1] عملاً مختار کل رہی۔ پراٹسٹنٹوں [2] کے خلاف بڑی سختی شروع ہو گئی اور یہ خانہ جنگی 1562ء سے 1598ء تک قائم رہی۔ اس سلسلے کا نہایت دردناک واقعہ سینٹ بارتھولومیوا [3] کا

ہنگامہ قتل ہے، جس میں بہت سے پراٹسٹنٹ انتہائی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ 24-23 اگست 1572ء کی رات کا واقعہ ہے۔ کیتھرائن کا آخری بیٹا ہنری سوم 1589ء میں مراتو تاج و تخت خاندان بوربون[4] کے حوالے ہوگیا۔ جو چارلس نہم کی نسل سے تھا۔

متفرق واقعات:

15 اپریل 1598ء کو فرمان نانتر[5] جاری ہوا، جس کے رو سے پراٹسٹنٹوں کو کیتھولکوں کے برابر حقوق دے دیئے گئے اور امرا کو یہ حق مل گیا کہ وہ اصلاح شدہ مذہب کے مطابق مختلف جرموں کے مقدمے سن لیا کریں۔ بوربون خاندان کا پہلا بادشاہ ہنری چہارم تھا جو 1589ء سے 1610ء تک تخت نشین ہوا، لیکن مارا گیا۔ پھر اس کا بیٹا لوئی سیزدہم اور اس کے بعد لوئی چہارم تخت نشین ہوئے۔ یہ فرانس کے مشہور بادشاہ تھے۔ اس زمانے میں کارڈینل ریشالیو 6 تمام نظم ونسق کا مختار رہا۔ اگرچہ اس مالیات میں زیادہ درک حاصل نہ تھا، لیکن دفتری حکومت کو پختہ اور پائدار بنانے میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس نے جرمنی، بلجیم، ہالینڈ اور اٹلی میں بھی فرانسیسی اثر بحال کیا۔ اسی کے اعلیٰ انتظامی کام کے بل بوتے پر لوئی چارم کو حاصل عظمت کا درجہ حاصل ہوا۔ 1631ء میں سی سالہ جنگ شروع ہوئی، جس کے حالات آئندہ یکجا بیان ہوں گے۔

ہسپانیہ اور پرتگال

1479ء-1659ء

فرڈیننڈ اور ازابلا:

ہسپانیہ کی تاریخ میں مسیحیت کے نقطہ نگاہ سے خاص عروج وترقی کا دور یہی ہے۔ 1479ء میں فرڈیننڈ ایراگون کے علاقے کا بادشاہ بنا۔ اس کی شادی ازابیلا سے ہوئی، جو 1474ء سے کیسٹیل کی ملکہ تھی۔ اس طرح دونوں علاقوں کی حکومتیں متحد ہوگئیں اور انھیں ہسپانیہ میں پہلا درجہ حاصل ہوگیا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت سمٹ کر تھوڑے سے جنوبی حصے میں رہ گئی تھی، جس کا مرکز غرناطہ تھا۔ 1462ء میں فرڈیننڈ اور ازابیلا نے غرناطہ کو فتح کرلیا اور مسلمان ہسپانیہ سے نکل کر شمالی افریقہ پہنچ گئے۔

اسی زمانے میں امریکہ دریافت ہوا۔ اس کی دریافت کا سہرا بھی ہسپانیہ کے سر بندھا، اس لیے کہ ملکہ ازابیلا ہی نے کولمبس کی سرپرستی کی تھی اور اسے جہاز دے کر بحری سفر پر بھیجا تھا، جس کے نتیجہ میں امریکہ کا سراغ ملا۔ فرڈیننڈ اور ازابیلا کی کوششیں برابر یہ رہیں کہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی شادیاں ان ملکوں میں کریں جن سے ان کی اپنی حیثیت کو زیادہ فائدہ پہنچے اور مختلف حکومتیں رشتے داریوں کی وجہ سے متحد ہو جائیں۔ چنانچہ بادشاہ اور ملکہ نے اپنی بیٹی جونا (Joanna) کی شادی ہپس برگ شہنشاہ کے بیٹے فلپ سے کی، جس کی وجہ سے ہپس برگوں کی سلطنت ہسپانوی سلطنت سے وابستہ ہوگئی۔ پھر ان کے ایک نواسے چارلس پنجم کی شادی پرتگال کی شہزادی سے ہوگئی۔ دوسرے نواسے شہنشاہ فرڈیننڈ اول والی سلطنت ہپس برگ کی شادی این سے ہوئی جو بوہیمیا اور ہنگری کی وارث تھی۔

متفرق واقعات:

1504ء میں ملکہ ازابیلا نے وفات پائی اور اس کی بیٹی جونا کیسٹیل کی وارث بن گئی، لیکن فرڈیننڈ ایراگون اور کیسٹیل کو متحد رکھنا ضروری سمجھتا تھا، اس نے ہسپانیہ کی مجالس شوریٰ سے اختیارات حاصل کر کے اپنی بیٹی کے نام پر حکومت کا کاروبار بدستور جاری رکھا۔ 1506ء میں جونا اور اس کا شوہر اپنی میراث حاصل کرنے کے لیے خود ہسپانیہ پہنچے۔ مجبور ہو کر فرڈیننڈ نے اپنے داماد کے ساتھ فیصلہ کرلیا کہ کیسٹیل کا نائب السلطنت وہ بنا رہے۔ ایک سال بعد وہ فوت ہوگیا تو فرڈیننڈ نے بیٹی کو پاگل قرار دے کر قید کردیا اور پہلے کی طرح کیسٹیل کو اپنے تابع رکھا۔ چنانچہ اس کی بیٹی انچاس سال قید ہی میں رہی اور اس نے 1555ء میں

وفات پائی۔

مسلمان ہسپانیہ سے نکل گئے تھے، لیکن ہسپانوی کلیسا کا جوش انتقام تھمتا نہ تھا، چنانچہ ایک مہم 1509ء میں افریقہ بھیجی گئی، جس نے چند شہروں پر قبضہ کرلیا اور مسلمان حاکموں کو برآمد نہ ہوا۔ 1516ء میں فرڈیننڈ فوت ہوگیا۔

چارلس پنجم: (1516ء-1556)

چارلس پنجم جو ہسپانیہ کی تاریخ میں چارلس اول اور یورپ کا بہت بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے، فرڈیننڈ اور ازابیلا کا نواسا تھا۔ چونکہ فرڈیننڈ کے نرینہ اولاد نہ تھی، اس لیے چارلس نے خود ہسپانیہ کی بادشاہی لے لی اور اپنے چھوٹے بھائی کو ہیپس برگ کے تاج وتخت کا مالک بنادیا۔ یہ چارلس سلطنت کی وسعت اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے اپنے وقت کا بہت بڑا تاجدار تھا۔

1521ء میں فرانس سے لڑائی چھڑ گئی، جس میں فرانس کے بادشاہ فرانس اول نے شکست کھائی اور جنگ پیویا (Pavia) کے بعد وہ گرفتار ہوگیا۔ میڈرڈ میں اس کے ساتھ معاہدہ ہوا، جس کی رو سے فرانس نے اٹلی پر تمام دعوے چھوڑ دیئے اور برگنڈی کا علاقہ چارلس کے حوالے کردیا۔

چارلس نے 1535ء میں ایک مہم تیونس بھیجی، جو ترکوں کے ساتھ کشمش کی طویل تاریخ کا ایک باب تھی۔ 1541ء میں ہسپانویوں کو الجزائر میں سخت شکست ہوئی۔

چارلس کا عہد حکومت:

چارلس نے ہسپانیہ کو ایک مستقل نظام حکومت دیا اور فرڈیننڈ کے شروع کیے ہوئے کام کو جاری رکھا، لیکن اس کی پوزیشن ایسی تھی کہ ہسپانیہ کو بادل خواستہ یا ناخواستہ یورپ کے قریباً ہر مسئلے میں دخل دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے روپیہ بھی بے اندازہ خرچ ہوا اور جانیں بھی بے شمار تلف ہوئیں۔ روپے کا خرچ اس وقت چنداں محسوس نہ ہوا، اس لیے کہ امریکہ سے بے اندازہ سونا آرہا تھا۔

اس زمانے میں اچھے مصنف پیدا ہوئے۔ اہل ہسپانیہ نے خود کیتھولک مذہب کی اصلاح کے لیے کوششیں کیں۔ اگناٹیس ڈی لایلا (Ignatius Loyola) نے رومہ میں ایک نئے مذہبی نظام کی بنیاد ڈالی، جو آگے چل کر یسوعی فرقے کے نام سے منسوب ہوا۔ یہ نظام ابتداء ہی سے فوجی اصول پر قائم کیا گیا تھا اور اس میں شامل ہونے والے تمام لوگوں کو مشنری ہونے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لایلا پہلے فوج میں ملازم تھا، زخمی ہوا تو پھر اس نے یروشلم پہنچ کر مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ بعد ازاں پیرس میں دینیات

کی تعلیم پائی۔ 1540ء میں اس نظام کا آغاز ہوا۔فنون کے لحاظ سے بھی یہ دور بڑا کامیاب تھا۔تعمیرات میں اطالوی اثر نمایاں رہا، جیسا کہ اسکوریال 1 کی عمارت سے ظاہر ہے۔

فلپ ثانی: (1556ء-1598ء)

چارلس پنجم عجیب وغریب مذہبی نظریات کا آدمی تھا۔چالیس سال کی حکومت کے بعد 1556ء میں تاج وتخت سے دست بردار ہوگیا اور اس کا بیٹا فلپ ثانی ہسپانیہ، امریکی نوآبادیوں، نیپلز، میلان، نیدرلینڈز وغیرہ علاقوں کا بادشاہ بنا۔ اگرچہ اصل ونسل کے اعتبار سے یہ ہیپسبرگ تھا، لیکن اس نے ہسپانوی خصائص اختیار کر لیے تھے اور اپنے خاندان کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ ہسپانوی مانا جاتا ہے۔اس نے اپنے عہد حکومت کا بیشتر حصہ ہسپانیہ ہی میں گزرا۔یہ بڑا محنتی، سرگرم، مطلق العنان، سنگ دل اور کینہ توز مذہبی آدمی تھا۔اس کی پوری پالیسی کا نصب العین یہ تھا کہ کیتھولک مذہب محفوظ رہے اور پراٹسٹنٹ کا کوئی نشان پایا نہ جائے۔

فلپ نے چار شادیاں کیں۔پہلی میری سے، جو پرتگال کی شہزادی تھی۔اسی سے اس کا فرزند ڈان کارلس (Don Carlos) پیدا ہوا۔دوسری شادی اس نے ہنری ہشتم کی بیٹی میری ملکہ انگلستان سے کی۔تیسری فرانس کی شہزادی ایلزبتھ سے اور چوتھی آسٹریا کی شہزادی این سے۔

فلپ کا عہد حکومت:

فرانس کے ساتھ جنگ جاری رہی اور ہسپانیہ کو کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ 1559ء میں صلح ہوگئی، جس کے مطابق فرانس نے ہسپانیہ کے تمام مقبوضات کو درست تسلیم کرلیا۔ 1560ء میں میڈرڈ مستقل دارالحکومت بنا۔ 1567ء میں نیدرلینڈز نے آزادی حاصل کرنے کے لیے طویل کشمکش کا آغاز کیا۔ 1568ء میں فلپ کا بڑا لڑکا ڈان کارلس فوت ہوا۔بعض لوگ فلپ کو اس کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

1969ء میں مورسکوؤں (Morisco) نے بغاوت کی۔مورسکوؤں سے مراد وہ مسلمان ہیں جنہیں جبراً مسیحی بنالیا گیا تھا۔ان کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ عیسائی بن جانے کے باوجود وہ خفیہ خفیہ اپنے پہلے مذہب پر قائم ہیں۔ان پر ظلم ہونے لگا، لہٰذا انھوں نے مجبور ہوکر بغاوت کردی، جس کا سلسلہ 1571ء تک پہاڑ توڑے گئے۔آخر 1609ء میں انھیں حکم مل گیا کہ ہسپانیہ سے باہر نکل جائیں۔ 1574ء میں ہسپانویوں کو شکست دے کر تیوانس سے نکال دیا گیا۔ 1580ء میں فلپ پرتگال کے تخت کا وارث بھی بن گیا۔ 1587ء میں برطانوی امیر البحر فرانسس ڈریک نے قادس میں ہسپانوی بیڑے کو تباہ کیا۔اس کے بعد

انگلستان پر بحری بیڑے کا حملہ ہوا، جس کے حالات برطانیہ کے ذکر میں آچکے ہیں۔

فلپ ثالث: (1598ء-1621ء)

فلپ ثانی کی وفات پر اس کا چھوٹا بیٹا فلپ ثالث کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ مذہبی آدمی تھا اور پوری زندگی مذہب کے فروغ کے لیے وقف کردی۔ اس کے عہد میں ہسپانیہ کے اندر نو ہزار خانقاہیں تھیں اور ایک تہائی آبادی کلیسا کی خدمت کے لیے وقف تھی۔ وہ خود کاروبار حکومت میں زیادہ حصہ نہ لیتا تھا۔ اپنے ایک با اعتماد رفیق کے حوالے سب کچھ کر دیا تھا۔ وہی نظم و نسق کے تمام معاملات کا مختار تھا۔ سولہویں صدی میں صنعت و تجارت کو بڑی ترقی ہوئی تھی، سترہویں صدی کے آغاز پر تنزل کا دور شروع ہوگیا۔

1621ء میں فلپ چہارم بادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں بغاوتیں ہوئیں۔ فرانس سے بھی لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ 1659ء میں ایک معاہدہ ہوا جسے پری نیز (Pyrenees) کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ہسپانیہ نے بعض مقامات فرانس کے حوالے کیے اور فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے ہسپانوی بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرلی۔

پرتگال:

پرتگال کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں۔ 1498ء میں پرتگیزی ہندوستان پہنچ گئے تھے اور یہاں انھوں نے مختلف مقامات پر قبضہ جما کر بحری تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ 1496ء میں ہسپانیہ کے بادشاہ فرڈینںڈ اور وہاں کی ملکہ ازابیلا کو خوش کرنے کے لیے پرتگیزی بادشاہ نے یہودیوں کو اپنے ملک سے خارج کر دیا۔ 1536ء میں وہاں مذہبی تعزیرات کا محکمہ قائم ہوا۔ ہسپانیہ کی طرح پرتگال نے بھی اس محکمے میں بے حد ظلم و ستم توڑے۔ 1578ء میں مراکشی مسلمانوں نے پرتگیزوں کو القصر الکبیر کے مقام پر خوفناک شکست دی اور ان کی فوج تباہ کرڈالی۔ 1580ء میں پرتگال کا بادشاہ لاولد مرا۔ پانچ آدمیوں کی ایک کونسل کاروبار حکومت چلانے کے لیے مقرر کردی گئی۔ سات آدمی تاج و تخت کے دعوے دار تھے۔ ان میں سب سے طاقتور ہسپانیہ کا بادشاہ فلپ ثانی اور سب سے بڑھ کر ہر دل عزیز اینٹونیو تھا، جو متوفی بادشاہ کے بھائی کا بیٹا تھا، لیکن اس کی ماں سے باقاعدہ شادی نہ ہوئی تھی۔ 1580ء میں فلپ کو بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ اینٹونیو نے دو مرتبہ تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ فرانس سے مدد لی، دوسری مرتبہ برطانیہ سے، لیکن دونوں مرتبہ ناکام رہا۔ 1640ء میں ہسپانیہ کے اندر بغاوت ہوئی تو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے امراء اور پادریوں کو اپنے ساتھ ملالیا اور ہسپانوی حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔ اس طرح پرتگال کو آزادی مل گئی اور باغیوں کے شاہی خاندان کی ایک اور شاخ سے ایک شخص کو بادشاہ بنالیا گیا، جو جان چہارم کے لقب سے ملقب ہوا۔

اٹلی

عام کیفیت:

اٹلی میں یہ دو متضاد حالات کا مرقع ہے۔ اسی میں تحریک احیائے علوم کمال پر پہنچی، حالانکہ سیاسی لحاظ سے اٹلی متفرق ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور بڑی بڑی یورپی طاقتوں کی رقابت کے باعث یہ ملک کشمکشوں کا اکھاڑا بن گیا تھا۔ سیاسی اعتبار سے ریاستوں کا شمار مشکل ہے۔ ان میں سے بڑی بڑی ریاستیں یہ تھیں: وینس، میلان، فلارنس، نیپلز، پاپائی جاگیرات۔ علمی اعتبار سے دیکھا جائے تو میکیاولی [1] اسی دور میں گزرا۔ فرانسسکو گوئی کیارڈینی [2] کی تاریخ اٹلی بھی اسی دور کی کتاب ہے۔ لیوڈوویکو آریوسٹو [3]، اپنے عہد کا سب سے بڑا رزمیہ شاعر تھا۔ ماہرین فن تعمیرات اور مصوروں کا شمار مشکل ہے، مثلاً لیونارڈو ڈونسی í□ [4] رافائیل سینٹی í□ [5] ٹیٹین í□ [6] بیلینی [7] وغیرہ۔

فرانس کے ساتھ لڑائیاں:

1494ء میں فرانس نے اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ فلارنس اور نیپلز کی ریاستوں نے خفیہ معاہدہ کر کے میلان کی لوٹ مار کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میلان کے حاکم نے فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم سے امداد طلب کی۔ فرانسیسی قوت کی مزاحمت آسان نہ تھی۔ فلارنس نے چپ چاپ ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر یکایک فرانس کے مقرر کیے ہوئے حاکم کو نکال باہر کیا اور اپنا تعلق توڑ لیا۔ ناچار حکومت فلارس کو مختلف قصبے چارلس کے حوالے کرنے پڑے۔ چارلس 1495ء میں رومہ کی طرف بڑھا اور نیپلز میں داخل ہو گیا۔ 22 فروری 1495ء کو نیپلز پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میلان اور وینس شہنشاہ میکس ملین í□(Maximilian) پوپ الیگزینڈر ششم اور فرڈیننڈ شاہ ایراگون نے شاہ فرانس کے خلاف اتحاد کا معاہدہ کر لیا۔ ان کی متفقہ قوت کا مقابلہ فرانسیسی نہ کر سکے اور وہ نیپلز کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

لڑائی کا دوسرا دور:

دو تین سال اطمینان سے گزر گئے۔ اس اثناء میں چارلس ہشتم فوت ہو گیا اور لوئی دوازدہم فرانس کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے وینس کے ساتھ معاہدہ کر لیا کہ کریمونا اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور میلان فرانس لے لے گا۔ یہ معاہدہ ہوتے ہی اگست 1499ء میں فرانس نے پھر اٹلی پر حملہ کر دیا اور میلان کا حاکم بھاگ کر جرمنی پہنچ گیا۔ دوسرے سال وہ جرمنوں کی تنخواہ دار فوج ساتھ لے کر آ گیا اور فرانس کو میلان خالی کرنا

پڑا۔ کچھ مدت گزری تو جرمن فوجیں منتشر ہونے لگیں۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر فرانسیسیوں نے پھر میلان لے لیا۔ حاکم گرفتار ہوا اور قید میں مرا۔

اس اثناء میں فرڈیننڈ شاہ اراگون کے ساتھ لوئی دوازدہم کا معاہدہ ہو گیا، جس کے مطابق دونوں نے نیپلز کو بانٹ لینے کا بندوبست کرلیا۔ چنانچہ جو 1501ء میں فرانسیسی فوج بڑھتی ہوئی رومہ میں داخل ہوگئی۔ پوپ نے نیپلز کے بادشاہ کو معزول کر دیا اور نیپلز کی سلطنت لوئی دوازدہم شاہ فرانس اور فرڈیننڈ شاہ اراگون کے حوالے کر دی۔ پھر ان دونوں حلیفوں میں مال غنیمت پر جھگڑا ہوا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ ابتداء میں اہل ہسپانیہ نے شکستیں کھائیں۔ 28 اپریل 1503ء کو فیصلہ کن کامیابی حاصل کی اور 13 مئی کو انھوں نے نیپلز لے لیا۔ اسی سال دسمبر میں پھر فرانسیسی شکست کھا گئے اور حوالگی پر مجبور ہوئے۔ یوں نیپلز اور سسلی دونوں ہسپانیہ کے قبضے میں آ گئے۔ گویا انھیں جنوبی اٹلی پر پورا اقتدار حاصل ہو گیا۔ البتہ شمال میں میلان پر فرانس کا قبضہ بحال رہا۔

وینس کے خلاف گروہ بندی:

10 دسمبر 1508ء کو میکس ملین اور لوئی دوازدہم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کا مدعا یہ تھا کہ وینس سے وہ تمام علاقے چھین لیے جائیں، جو اٹلی کے اندر اس کے قبضے میں ہیں۔ شاہ ہسپانیہ اور پوپ بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ فرانس نے حملہ کر کے وینس کو شکست دی۔ (14 مئی 1509ء)۔ مختلف مقامات پر قبضہ کرلیا۔ بعض مقامات پوپ نے سنبھال لیے۔ اپولیا کے بڑے بڑے شہروں پر فرڈیننڈ قابض ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد وینس نے اپنی قوت بحال کی اور ایک مشہور شہر میکس ملین سے واپس لے لیا۔ 1510ء میں پوپ جرمنوں کی قوت سے خوف زدہ ہو کر الگ ہو گیا اور وینس سے جا ملا۔ فرڈیننڈ چونکہ اپنے مقبوضات پر مطمئن تھا، لہٰذا اس نے غیر جانبداری اختیار کر لی۔ فرانسیسیوں نے 1511ء میں بولونا لے لیا۔ یہ صورت دیکھ کر فرڈیننڈ بھی پوپ اور وینس کا ساتھی بن گیا۔ ہنری ہشتم شاہ انگلستان نے بھی اسی جتھے کا ساتھ دیا۔ چنانچہ فرانسیسی میلان سے نکالے گئے۔ فلارنس کو بھی اتحاد میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ لڑائی جاری رہی، لیکن 1513ء میں فرانسیسی بری طرح شکست کھا گئے۔ پھر پوپ، فرڈیننڈ اور ہنری ہشتم نے صلح کر لی۔

نئی جنگ:

1515ء میں فرانس کا بادشاہ لوئی دوازدھم فوت ہوا اور اس کی جگہ فرانسس اول تخت پر بیٹھا۔ اسے اٹلی

سے خاص دلچسپی تھی، چنانچہ اس نے ہنری ہشتم شاہ انگلستان اور وینس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا، جو شہنشاہ میکس ملین، پوپ، فرڈیننڈ شاہ ایراگون، میلان، فلارنس وغیرہ کی مخالفت پر مشتمل تھا۔ ستمبر 1515ء میں فرانسیسیوں نے از سر نو میلان لے لیا۔ پوپ نے بھی عافیت اسی میں دیکھی کہ فرانس کے سامنے جھک جائے۔ فرڈیننڈ شاہ ایراگون فوت ہو چکا تھا۔ اس کے جانشین چارلس پنجم کی آرزو یہ تھی کہ ترکوں کے خلاف جنگ کے لیے یورپی طاقتوں کے درمیان تعاون کا جذبہ پیدا کر دے۔ چنانچہ 1516ء میں اس نے بھی فرانس کے ساتھ معاہدہ کر لیا، جس کے مطابق میلان فرانسیسیوں ہی کے قبضے میں رہا، البتہ نیپلز کے دعوے سے وہ دست بردار ہو گئے۔ شہنشاہ میکس ملین نے روپیہ لے کر بعض مقامات وینس کو واپس کر دیئے۔

چارلس پنجم اور فرانسس اول:

چارلس پنجم اور فرانسس اول کے درمیان خاصی دیر تک رزم و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ پوپ اور شاہ انگلستان نے فرانس کے خلاف چارلس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ فرانسیسی، میلان پارما اور پیاسنز اسے نکالے گئے، صرف میلان کا قلعہ ان کے قبضے میں رہ گیا۔ جنوآ ان کا بہت بڑا بحری مرکز تھا، مئی 1523ء میں وہاں سے بھی ان کا اخراج ہو گیا، مگر اکتوبر 1524ء میں انھوں نے زبردست فوج تیار کی اور دوبارہ میلان لے لیا۔ یہ حالت دیکھتے ہی پوپ اپنے سابقہ ساتھیوں کو چھوڑ کر فرانسیسیوں کے ساتھ مل گیا۔ 24 فروری 1525ء کو پیویا کے مقام پر جنگ ہوئی، جس میں فرانسیسیوں نے سخت شکست کھائی۔ شاہ فرانس خود گرفتار ہو گیا اور اسے بطور اسیر جنگ میڈرڈ لے گئے، جہاں 14 جنوری 1526ء کو ایک معاہدہ ہوا۔ فرانس اٹلی پر تمام دعوؤں سے دست بردار ہو گیا، برگنڈی کا علاقہ چھوڑ دیا نیز آرٹائس (Artois) اور فلینڈرز کی سیادت بھی ترک کر دی۔

رومہ کی تباہی:

فرانسس نے مجبوراً معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ قید سے رہا ہوتے ہی اس نے پوپ، میلان، وینس اور فلارنس کو ساتھ ملا کر چارلس کے خلاف ایک نیا جتھا قائم کر دیا، لیکن تھوڑی ہی مدت بعد میلان پر ہسپانیوں کا قبضہ ہو گیا، پھر وہ رومہ پہنچ گئے۔ پوپ ان کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا تھا۔ چارلس کے فوجیوں نے رومہ کو بہت بری طرح لوٹا اور تباہ کیا۔ دورِ احیائے علوم میں رومہ نے جو عظمت حاصل کر لی تھی، وہ بالکل ختم ہو گئی۔ اس اثناء میں فلارنس نے اس حاکم کو نکال دیا، جو فرانسیسیوں نے مقرر کر رکھا تھا۔ جنوآ نے بھی بغاوت کر دی اور وہاں آنڈریا ڈوریا (Andrea Doria) نے نئی حکومت قائم کر لی۔

تاہم فرانسیسی فوجوں نے شمال میں لمبارڈی کو پامال کیا اور جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ 3 اگست 1529ء کو فرانس اول اور چارلس پنجم کے درمیان صلح ہوگئی۔

خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس صلح کے لیے گفتگو دو عورتوں کے درمیان ہوئی: ایک چارلس پنجم کی پھوپھی اور دوسری فرانس اول کی ماں۔ اس صلح کی رو سے فرانس نے اٹلی پر تمام دعوے چھوڑ دیئے۔ آرٹائس اور فلینڈرز کی سیادت بھی ترک کر دی۔ وینس نے جو علاقے فتح کیے تھے، واپس لے لیے گئے۔ میلان کی حکومت بحال کر دی گئی۔ قلعہ چارلس پنجم کے قبضے میں رہا۔ فلارنس کو مجبور کیا گیا کہ جس حاکم کو اس نے نکالا تھا، اسے واپس لے لے۔ 23 فروری 1530ء کو چارلس پنجم اٹلی کا بادشاہ بنا۔ پوپ نے اپنے ہاتھ سے تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ 1535ء میں پھر کشمکش شروع ہوئی، لیکن بہت جلد سابقہ صلح نامے کے مطابق سب کچھ بحال ہو گیا، البتہ پیدموں (Piedmont) کا دو تہائی علاقہ فرانسیسیوں کے قبضے میں رہا۔

پاپائیت:

1474ء سے 1644ء تک تقریباً تیس پوپ مسند نشین ہوئے۔ ان میں سے قابل ذکر صرف چند ہیں: مثلاً الیگزانڈر ششم، جو بورجیا خاندان سے تھا۔ اس کی پالیسی کا مقصد و مدعا یہ تھا کہ اپنے خاندان کے لیے وسط اٹلی میں عظیم الشان حکومت کا انتظام کرے۔ اس کا بیٹا سیزر یورجیا اور بیٹی لوکریزیا بورجیا، باپ کی سکیموں کے حامی رہے۔ اسے زہر دے کر لوگوں کو مروانے میں بھی کمال حاصل تھا۔ پوپ جولیس ثانی بڑا منتظم آدمی تھا۔ اسے مذہبی پیشوائی کے بجائے سیاسی نظم ونسق میں زیادہ درک حاصل تھا۔ پاپائی جاگیرات کا اصل بانی اور ناظم یہی شخص ہے۔ پوپ انڈین چہارم بڑا دیانت دار اور درویش مزاج آدمی تھا۔ اس نے پاپائی نظام کو تمام خرابیوں سے پاک کیا۔ چارلس پنجم اور فرانس اول کے درمیان صلح کرانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تا کہ وہ متحد ہو جائیں اور مسیحیوں کی متحدہ قوت ترکوں کے خلاف جنگ کرے۔ پوپ پال سوم کو اصلاحات کا پورا احساس تھا اور اس نے ان کے لیے پوری کوشش کی۔ پال چہارم اس وجہ سے قابل ذکر ہے کہ تحریک اصلاح مذہب کی روک تمام کے لیے اس نے محکمہ تعزیرات کے اختیارات زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیئے۔ پوپ پائس پنجم اس لحاظ سے ضرور قابل ذکر ہے کہ اس نے انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ کو مذہب کے دائرے سے خارج قرار دے دیا تھا۔ پوپ سکسٹس (Sixtus) پنجم واقعی ایک منتظم پوپ تھا، جس نے پاپائی جاگیرات کے تمام بڑے بڑے امراء کی قوت توڑی۔ ڈاکوؤں اور قزاقوں کو ختم کیا اور انتظام اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ اس کے عہد میں صنعت وحرفت کو بہت ترقی ہوئی۔

اطالوی ریاستیں:

اطالوی ریاستوں کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں ترین حیثیت وینس کی تھی، جس کے تجارتی سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس دور میں ترکوں کی پیش قدمی جاری تھی اور یورپی طاقتیں چاہتی تھیں کہ وینس کو اپنے ساتھ ملا کر ترکوں کا مقابلہ کریں۔ وینس اپنے تجارتی مفاد کو بے سبب نظر انداز نہ کر سکتا تھا، لہٰذا وہ یورپی طاقتوں کے ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ متفرق لڑائیوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ 1570ء میں ترکوں نے قبرص پر قبضہ کر لیا۔

میلان، جنوآ، فلارنس اور نیپلز کے سرسری حالات اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ سیوائے اور مانچوآ بھی قابل ذکر ہیں۔ سیوائے پر زیادہ تر فرانسیسیوں کا اثر رہا۔

جرمنی

1493ء-1618ء

جرمنی کا بادشاہ میکس ملین اول ہے، جس نے سب سے پہلے اپنے آپ کو رومی شہنشاہ کہنا شروع کیا۔ وہ 1493ء میں تخت نشین ہوا۔ ایک مجلس شوریٰ 1495ء میں بلائی جس میں دستوری اصلاحات تجویز ہوئیں تاکہ سلطنت قرون وسطیٰ کی وضع وہیئت کے بجائے دور جدید کی وضع وہیئت اختیار کر لے۔ 1512ء میں مجلس شوریٰ کا اجلاس بمقام کولون (Cologne) ہوا، جس میں سلطنت کی تنظیم کو بہتر صورت دی گئی تاکہ امن عامہ قائم رکھنے میں سہولت ہو۔ پوری سلطنت کے دس حلقے بنا دیئے گئے، یعنی آسٹریا، بوریا، سوابیا، فرینکونیا، رہان ءکا حلقہ زیریں، رہائن کا حلقہ بالا، ویسٹ فیلیا، زیریں سیکسنی، بالائی سیکسنی اور برگنڈی۔ آخری علاقہ خاندان کے ان سلطانوں کو دے دیا گیا تھا جو ہسپانوی سلطنت کے مالک بنے تھے۔

جو واقعات اٹلی کے متعلق مختلف فریقوں کی لڑائیوں کے سلسلے میں پیش ہو چکے ہیں، انھیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میکس ملین اول 1519ء میں فوت ہوا تو سلطنت اس کے پوتے چارلس پنجم کو ملی۔ اس نے جرمنی اور متعلقہ علاقے اپنے چھوٹے بھائی فرڈیننڈ کو دے دیئے، لیکن شہنشاہی کا منصب اپنے ہی پاس رکھا۔ 1556 میں وہ تاج وتخت سے دست بردار ہوا تو فرڈیننڈ اول اس منصب کا حامل بن گیا۔ بعد ازاں یہ منصب اسی کی اولاد میں رہا۔

تحریک اصلاح مذہب:

اس دور کی ایک نہایت اہم تحریک وہ ہے جسے عام طور پر تحریک اصلاح مذہب (Reformation) قرار دیتے ہیں۔ جرمنی کا ایک معمولی پادری مارٹن لوتھر اس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے اسباب بہت پہلے سے پیدا ہو چکے تھے اور یہ تنہا لوتھر نہیں، بلکہ بہت سے آدمیوں کی مشترکہ محنت کے باعث پایہ تکمیل کو پہنچی۔

ظاہر ہے کہ رومی کلیسا کی حالت بہت پہلے سے بگڑ گئی تھی۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں کلیسا کی باگ دوڑ تھی، ان میں دین داری کے بجائے دنیا داری بہت بڑھ گئی تھی اور برسر کار مذہبی پیشواؤں کے طور طریقے بھی اچھے نہ رہے تھے۔ پھر مختلف وقتوں میں بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے، جنھوں نے یونانی اور لاطینی میں بائبل کا مطالعہ کیا اور تمام قواعد وضوابط پر تنقیدی نظر ڈالی تو صاف واضح ہو گیا کہ رومی کلیسا نے خواہ مخواہ اپنی مرضی کے مطابق مختلف قواعد گھڑ لیے ہیں۔ راٹرڈم (ہالینڈ) میں اریسمس (Eramus) نے 1516ء

میں عہد نامہ جدید کا یونانی متن شائع کیا تو سب پر واضح ہو گیا کہ بنیادی کلیسیائی تحریرات کس درجہ ناقص ہیں۔ رومہ کے وقار کو ایک نقصان اس وجہ سے پہنچا کہ پوپوں کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ساتھ ساتھ مختلف ملکوں کے اندر قومی روح نے فروغ پایا تو عام کلیسائی مصلحتوں پر اپنے مقاصد کے ترجیح دینے لگے۔ اس طرح تحریک اصلاح مذہب کو متعدد محرکات مل گئے۔

مارٹن لوتھر نے 31 اکتوبر 1517ء کو ایک مرقع تیار کیا اور اسے وٹن برگ (Wittenberg) کے گرجا کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اس میں پچانوے ایسی باتیں بیان کی گئی تھیں، جو مذہبی اختیارات کے غلط استعمال کی دلیل تھیں۔ 1518ء میں زونگلی (Zwingli۔1474ء-1531ء) نے سوئٹزرلینڈ میں اصلاحی تحریک جاری کر دی۔

بہر حال 1517ء سے باقاعدہ کشمکش شروع ہو گئی۔ لوتھر کا بنیادی دعویٰ یہ تھا کہ انسان کی نجات ایمان پر موقوف ہے۔ فرد اور خدا کے درمیان کسی مذہبی پیشوا کے واسطے کی ہرگز ضرورت نہیں۔

جیسا کہ دقیانوسی مذہبی پیشواؤں کا قاعدہ ہے، لوتھر کے خلاف فرمان جاری ہوئے اور اسے مذہب کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔ اس اثناء میں چارلس پنجم تختِ شہنشاہی پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ 1521ء میں جرمنی آیا۔ لوتھر کو حفاظت کا عہد دے کر بلایا گیا اور اس نے اپنے عقائد کو سچا ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن پوپ کے فرمان کے مطابق سلطنت کی طرف سے ممانعت کا اعلان ہو چکا تھا، لہٰذا سیکسنی کا فرمانروا فریڈرک، لوتھر کو اپنے ساتھ وارٹ برگ لے گیا، جہاں وہ پوری حفاظت میں زندگی بسر کرتا رہا۔ سلطنت کی طرف سے جو فرمان جاری ہوا تھا، اس میں نئے مذہب کے تمام اصول ممنوع قرار دیئے گئے اور لوتھر نے بائبل کا جو ترجمہ کیا تھا، اس کی اشاعت بھی روک دی گئی۔

چارلس پنجم اور فرانسس اول کے درمیان اٹلی میں لڑائیاں شروع ہو گئیں تو لوتھر نے 1522ء میں اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور جرمن زبان میں دعا و عبادت کا طریقہ جاری کر دیا۔ یہ طریقہ سیکسنی اور ہیس میں رائج ہو گیا۔ شہنشاہ چارلس، فرانس کے ساتھ لڑائی میں الجھا ہوا تھا اور اسے دوسری طرف توجہ کا موقع نہ ملا۔ اس وجہ سے تحریک اصلاح مذہب ترقی کر گئی، پھر بعض جنگی سردار بھی اس کی حمایت پر کھڑے ہو گئے۔

دہقانوں کی بغاوت: (1524ء-1525ء)

لوتھر کی تحریک اصلاح مذہب کے باعث افراتفری سے پھیل گئی تھی۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر سوابیا اور فرینکونیا کے دہقانوں نے جرمن جاگیرداروں کی دراز دستیوں کے خلاف ایک تنظیم قائم کر لی اور اپنے تمام مطالبات بارہ دفعات کی شکل میں پیش کر دیئے، لیکن لوتھر کسانوں کی مخالفت پر کھڑا ہو گیا اور ان

بے چاروں کو شکست ہوئی [1] ۔اس اثناء میں ایک اور مذہبی و معاشی تحریک جاری ہوگئی، جس کا لیڈر ٹامس میونزا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ بچپن میں پستمہ دے دینا بے سود ہے۔ ساتھ ہی اس نے معاشی پروگرام ایسا پیش کیا، جس میں کمیونزم کا رنگ موجود تھا۔ چنانچہ وہ شخص گرفتار ہو کر مارا گیا۔

پراٹسٹنٹزم:

فرانس کے ساتھ لڑائی ختم ہوگئی تو 1529ء میں شہنشاہ نے پھر ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جس میں فیصلہ ہوا کہ نئے مذہب کی ممانعت کے متعلق جو قواعد پہلے منظور ہوئے تھے، وہ پوری سختی سے نافذ کیے جائیں، یعنی کیتھولک پارٹی کی حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ اس فیصلے کے خلاف احتجاج ہوا، جسے انگریزی میں پروٹسٹ کہتے ہیں۔ چنانچہ احتجاج کرنے والوں کا نام پراٹسٹنٹ مشہور ہوا آگے چل کر لوتھر کے تمام ہم خیال اسی نام سے یاد کیے جانے لگے۔

1541ء میں جان کیلون (John Calvin 1509ء-1564ء) نے تحریک اصلاح جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں جاری کی۔ یہ شخص تین سال کے سوا اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جنیوا کی ریاست کا رئیس رہا۔ لوتھر کی تحریک زیادہ تر جذباتی تھی، کیلون نے اس تحریک کو باقاعدہ منظم کر دیا اور اپنے پیروؤں کے لیے ایک اخلاقی ضابطہ تیار کر دیا۔ لوتھر کلیسا کو دنیوی اقتدار سے الگ نہ رکھنا چاہتا تھا۔ کیلون نے کلیسا کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ کیلون کی تعلیم جنیوا سے سکاٹ لینڈ اور انگلستان پہنچی۔ پھر یہ امریکہ میں بھی جاری ہو گئی۔ فرانس اور ہنگری میں بھی لوگوں کی خاصی تعداد اس عقیدے کی حامی بن گئی۔ جرمنی میں اسی کو فروغ حاصل ہوا۔

ریاستوں کے خلاف جنگ: (1546ء-1547)

چارلس پنجم کو فرانس کے ساتھ لڑائیوں سے فراغت ملی تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ جو بہت سی ریاستیں سلطنت کے اندر موجود ہیں۔ ان کی آزادی ختم کر دینی چاہیے اور تمام مقامات پر ایک کلیسائی نظا جاری کر دیا جائے۔ پوپ بار بار اسی بات پر زور دیتا تھا اور چارلس وعدہ کر چکا تھا کہ اس مقصد کو پورا کرے گا۔ چنانچہ مختلف ریاستوں سے کشمکش شروع ہوگئی۔ کچھ مدت تک یہ کشمکش غیر فیصلہ کن حالت میں قائم رہی۔ پہلے چارلس نے جنوبی جرمنی کی ریاستوں کا جتھا توڑا، سیکسنی پہنچ کر وہاں کے حاکم کو شکست دی اور اسے گرفتار کر لیا۔ ایک حد تک شہنشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ پھر سیکسنی کے حاکم نے خفیہ خفیہ ہتھیار فراہم کر لیے اور اچانک شاہ فرانس کے ساتھ اتحاد کر کے شہنشاہ کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ آخر 1552 میں پسا Pisa کے مقام

پر ایک صلح نامہ ہوا جس میں نئی مجلس شوریٰ کا انعقاد تک سب کو اپنے اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی مراسم بجا لانے کی اجازت دے دی گئی۔

1555ء میں آگس برگ (Augsburg) کے مقام پر آخری مذہبی صلح نامہ قرار پایا (25 ستمبر) اس کے مطابق ہر ریاست کو اپنے دائرے میں تحریک اصلاح کی اشاعت کا حق دے دیا گیا اور قرار پایا کہ نئے مذہب کے حامیوں کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کیتھولک مذہب والوں کے ساتھ ہوگا۔

چارلس پنجم کے جانشین:

چارلس پنجم کے بعد شہنشاہی منصب اس کے بھائی فرڈینڈ کو ملا (1556ء-1564ء) پھر اس کا بیٹا میکس ملین ثانی (1564ء-1576ء) شہنشاہ بنا۔ یہ نرم طبیعت کا آدمی تھا اور اس کا جھکاؤ پراٹسٹنٹوں کی طرف تھا۔ اس کے عہد میں ترکوں سے لڑائیاں جاری رہیں۔ میکس ملین کے بعد رڈولف ثانی تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بڑا عالم اور ہیئت دان تھا، لیکن فرمانروائی کا کوئی جوہر اس میں موجود نہ تھا۔ اس عہد میں پراٹسٹنٹوں کے خلاف ردعمل شروع ہوا۔ 1608ء میں پراٹسٹنٹوں نے ایک یونین بنالی۔ 1609ء میں اس کے خلاف کیتھولکوں کی لیگ بن گئی۔ 1212ء میں رڈولف کا بھائی میتھیاس (Mathias) سلطنت کا مالک بن گیا۔ اس نے ایک فرمان جاری کر دیا، جس کے مطابق امراء اور جنگی سرداروں کی جاگیروں اور شہروں کے لیے مذہبی آزادی کا اعلان ہوگیا۔

سی سالہ جنگ:

1618ء میں وہ خوفناک لڑائی شروع ہوئی جو یورپ کی تاریخ میں سی سالہ (Thirty Years War□ó1618ء-1648ء) جنگ کے نام سے مشہور ہے، اس لیے کہ یہ تیس سال بعد جا کر 1948ء میں ختم ہوئی۔ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دو دور مذہبی تھے اور یہ جنگ شروع ہی مذہب کی بنا پر ہوئی تھی، یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ پراٹسٹنٹوں کو یورپ سے محو کر دیا جائے۔ فرڈینڈ ثانی شہنشاہ جرمنی اسے شروع کرنے کا ذمہ دار تھا، لیکن اس کے آخری دو دور بدیہی طور پر سیاسی تھے اور مذہب سے انھیں چنداں تعلق نہ رہا تھا۔

(1) پہلا دور 1618ء سے 1625ء تک سات سال قائم رہا۔ اسے جنگ کا بوہیمی دور (Bohemian Period) سمجھنا چاہیے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی تھی کہ پراٹسٹنٹوں کو بعض شکایات تو پہلے سے موجود تھیں، ان میں اضافہ اس لیے ہوا کہ بوہیمیا کے دس گورنروں میں سے شہنشاہ نے سات گورنر ایسے

مقرر کر دیئے، جن کا مذہب کیتھولک تھا۔ پراگ میں بغاوت ہوئی اور دو گورنروں کو باغیوں نے کھڑکیوں سے نیچے پھینک دیا۔ اگر چہ وہ ستر فٹ نیچے خندق میں گرے، لیکن ان کی جانیں بچ گئیں۔لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ پراٹسٹنٹوں کی یونین نے، جن کا رئیس پلیٹی نیٹ [1] کا حاکم فریڈرک تھا، پراٹسٹنٹوں کی مدد کی۔ کچھ کامیابیاں بھی ہوئیں لیکن آخر انھوں نے شکست کھائی اور بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔

(2) اس کے بعد ڈنمارک کے بادشاہ کرسچن چہارم نے جو پراٹسٹنٹوں کا ایک سردار تھا، جنگ میں مداخلت کی۔ یہاں سی سالہ جنگ کا دوسرا دور شروع ہوا [2][6] اس میں بھی لڑائیاں جاری رہیں۔ 29 مارچ 1629ء کو شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا، جس کے مطابق وہ تمام کلیسائی جائدادیں جو پیا کی مجلس کے وقت سے ضبط ہو چکی تھیں، بحال کر دی گئیں اور جو لوگ بڑے اہتمام سے پرانے مذہب کے پابند تھے، ان کے سوا تمام دوسرے طبقوں کو مذہبی اعمال سے محروم کر دیا گیا۔ 22 مئی 1629ء کو لیوبک کے مقام پر شہنشاہ جرمنی اور کرسچن چہارم کے درمیان معاہدہ ہوا۔ اس کے مطابق کرسچن کے جتنے علاقے فتح ہو چکے تھے، اسے واپس کر دیئے گئے۔ اس نے اپنے رفیقوں کو چھوڑ دیا اور جرمنی کے معاملات میں مداخلت سے الگ رہنے کا اقرار کر لیا۔

(3) جولائی 1630ء میں گستاوس ثانی ایڈوانفس شاہ سویڈن پراٹسٹنٹوں کے حامی و سرپرست کی حیثیت میں جدوجہد کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ سی سالہ جنگ کا تیسرا دور ہے۔ شاہ سویڈن کی خواہش صرف یہ تھی کہ مظلوم پراٹسٹنٹوں کی حفاظت کرے۔ میکلن برگ کے رئیسوں اور اپنے رشتے داروں کی ضبط شدہ جائیدادیں بحال کرائے [3]۔ لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں سب سے بڑی لڑائی 17 ستمبر 1631ء کو لائیزنگ میں ہوئی۔ گستاوس نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ پھر وہ دریائے ڈینیوٹ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔ 16 نومبر 1632ء کو لٹزن میں ایک اور لڑائی ہوئی۔ گستاوس رسالے کی کمان کرتا ہوا گولی لگنے سے مارا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے کامیابی کو ہر اعتبار سے درجۂ تکمیل پر پہنچا دیا۔ تاہم 1634ء میں سویڈن والوں نے نورڈ لنجن (Nordlingen) کے مقام پر شکست کھائی اور 30 مئی 1635ء کو پراگ کے مقام پر صلح ہوگئی۔

(4) چوتھا دور وہ ہے، جس میں سویڈن اور فرانس دونوں نے مداخلت کی۔ یہ 1635ء سے شروع ہو کر 1648ء تک قائم رہا[1]۔ ان کے سامانے کوئی خاص مذہبی مقصد نہ تھا، بلکہ وہ جرمنی پر تسلط حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ تیرہ سال میں بڑی بربادیاں ہوئیں۔ جرمنی کے حالات حد درجہ خطرناک ہوگئے۔ شہر اور قصبے تباہ ہو گئے۔ تجارت کے سلسلے ٹوٹ گئے۔ جان و مال کا نقصان نا قابل تلافی نظر آنے لگا۔ آبادی گھٹ گئی اور افلاس بہت بڑھ گیا۔

عہد نامہ ویسٹ فیلیا: 26 اکتوبر 1648ء:

یہ حالات دیکھ کر صلح کے لیے گفتگوئیں شروع ہو چکی تھیں جن میں جرمنی، فرانس اور سویڈن، تینوں کے سفیروں نے حصہ لیا۔ کئی سال کی کشمکش کے بعد آخر صلح ہوگئی، جسے یورپ کی تاریخ میں حد درجہ اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اس کی بنا پر سی سالہ جنگ ختم ہوئی۔ اس کی شرطوں کا خلاصہ یہ ہے:

(1) سویڈن:

پومیرینیا کا ایک حصہ پہلے سے سویڈن کے پاس تھا۔ اس معاہدے کے مطابق پومیرینیا کا ایک اور حصہ نیز روجن í(Rugen) وسمر í(Wismar) بریمن â(Bremen) شہر کے سوا) اور وردن (Verden) اس کے حوالے کر دیئے گئے، نیز پچاس لاکھ رکس ڈالر کا تاوان اس پر ڈالا گیا۔

(2) فرانس:

فرانس کو میٹز í(Metz) طول 7 اور وردون 8 کے اسقفی علاقے، الساس اور بعض دوسرے شہر دے دیئے گئے۔

(3) ہیس کیسل:

شام برگ (Schaumburg) کے حلقے کا ایک حصہ اور ہرس فلڈ (Hersfeld) کا علاقہ۔

(4) برینڈن برگ:

اس سے پومیرینا لیا گیا تھا اور اس کے عوض میں متعدد اسقفی علاقے دے دیئے گئے۔

(5) میکلن برگ:

اسے شویرن(Schwerin) اور راٹزبرگ(Ratzeburg) کے علاقے دیئے گئے۔

(6) برنزوک:

اسے بھی کچھ علاقے مل گئے۔

(7) نیدرلینڈ اور سوئٹزرلینڈ کی جمہوریتوں کو آزاد تسلیم کرلیا گیا۔

(8) یہ فیصلہ ہوگیا کہ تمام لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔اس آزادی میں کیلون کے پیرو بھی شامل کر لیے گئے۔کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ریاستوں کے ساتھ تمام معاملات میں یکساں سلوک کا اعلان بھی ہوگیا۔

روس

1505ء-1645

عام کیفیت:

یورپ کے دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح روس میں بھی اس وقت بادشاہ اور بڑی بڑی جاگیروں والے امراء کے درمیان خاص کشمکش بپا رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہری لوگوں کا اثر کم ہو گیا اور مزارعین آہستہ آہستہ غلام بنتے گئے۔ مزارعین کی حالت بگڑنے کا ایک سبب اور بھی ہے۔ روس پر تاتاریوں کا قبضہ تھا۔ بادشاہ اور بڑے امیروں کو ان سے لڑنے اور مختلف علاقے آزاد کرانے کے لیے فوجیں رکھنی پڑتی تھیں۔ ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ عارضی طور پر زمینیں لوگوں کو کاشت پر دے دیتے اور ان سے فوجی خدمت لیتے۔ اس طرح مزارعین کی حالت کمزور ہوتی گئی اور وہ زمینیں چھوڑ چھوڑ کر نئے مفتوحہ علاقوں کی طرف بھاگنے لگے۔ امیروں نے انھیں اپنی اپنی زمینوں پر جمائے رکھنے کے لیے سخت قوانین منظور کرانے شروع کیے۔ انھی قوانین نے انجام کار روس کی بہت بڑی آبادی کو حیوانوں کے درجے پر پہنچا دیا اور مزارعین کی غلامی کی یہ حالت بڑی دیر تک قائم رہی، بلکہ اس کا قطعی خاتمہ 1917ء کے انقلاب پر ہوا۔

پہلا زبردست بادشاہ:

روس میں قومی بادشاہی کا آغاز آئی ون سوم سے ہوا تھا، جسے آئوان اعظم بھی کہتے ہیں۔ 1505ء میں اس کے انتقال پر باسل سوم بادشاہ بنا۔ اس کا عہد حکومت اٹھائیس سال پر پھیلا ہوا ہے، جو پرسکون طریقے پر گزر گیا۔ پھر آئیوان چہارم تخت پر بیٹھا۔ یہ اتنا خونریز اور ظالم آدمی تھا کہ اب تک ''خوفناک'' آئی ون کہلاتا ہے۔ تخت نشینی کے وقت تین سال کی عمر تھی۔ شروع میں تمام انتظامات اس کی ماں کے حوالے رہے۔ پھر امراء کے بڑے بڑے خاندان مختار امور بن بیٹھے۔ 1547ء میں آئی ون نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ساتھ ہی مشورے کے لیے امراء کی ایک کونسل بنا دی۔ 1549ء میں ایک بڑی کونسل بلائی گئی تاکہ تمام طبقے بادشاہ کے حامی بن جائیں۔ اس نے گورنروں کا زور توڑ دیا۔ قازان (Kazan) واستراجان (Astrakhan) تاتاریوں سے واپس لے لیے۔ روسی تاجر کوہستان یورال کے مشرق میں پہنچ گئے اور کاسکون نے سائبیریا کی تسخیر شروع کر دی۔

آئی ون کو بیرونی حملوں سے بھی سابقہ پڑا۔ مثلاً کریمیا کے تاتاریوں نے ماسکو کو لوٹا۔ سویڈن کے

مقابلے میں روسیوں کو شکست ہوئی۔ شاہ پولینڈ روسیوں کو دباتا ہوا، سکو تک پہنچ گیا۔ جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آئی ون نے صلح کر لی، لیکن ملک کے اندر امراء کا زور توڑ دیا اور جو امراء سرکشی کی طرف مائل تھے، ان سے نہایت شدید انتقام لیا۔

متفرق واقعات:

1584ء میں آئی ون چہارم فوت ہوا اور اس کا بیٹا زار بنا، لیکن اس کے عہد میں پھر بڑے امراء مالک ومختار بن گئے میں سب سے بڑھ کر نامور نکیٹا رومانوف (Nikita Romanov) ہے جو آئی ون کی پہلی بیوی کا بھائی تھا۔

1589ء میں روس نے اپنے مستقل کلیسائی نظام کی بنیاد رکھی، جسے قسطنطنیہ کے نظام سے کوئی تعلق نہ تھا۔

آئی ون کا بیٹا تھیوڈور 1598ء میں فوت ہوا، تو اس کا جانشین کوئی نہ تھا، لہٰذا ملک میں افراتفری پھیل گئی۔ کئی لوگوں نے جھوٹ موٹ تاج وتخت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ حالت 1613ء تک قائم رہی۔ اس اثناء میں پولینڈ کا بادشاہ پیش قدمی کرتا ہوا 1609ء میں سمولنسک پہنچ گیا۔ اس نے بڑے بڑے امراء کو زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کا یقین دلایا، تاکہ وہ امداد کے لیے تیار ہو جائیں۔ روسیوں نے 1610ء میں ایک عجیب چال چلی، یعنی شاہ پولینڈ کے بیٹے کو بادشاہ بنا لینے کی پیش کش کر دی، لیکن بادشاہ خود روس کا تاجدار بننا چاہتا تھا، وہ بیٹے کی بادشاہی پر راضی نہ ہوا۔ اس اثناء میں پولستانیوں کے خلاف ایک زبردست جذبہ پیدا ہو گیا۔ ایک قومی فوج تیار ہوئی جس نے 1612ء میں ماسکو کو پولستانیوں کے تصرف سے آزاد کرا لیا۔ 21 فروری 1623ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں نکیٹا رومانوف کے پوتے مائیکل رومانوف [1] کو بادشاہ منتخب کر لیا گیا۔ اس خاندان کی بادشاہی 1917ء تک بحال رہی۔ اگرچہ مائیکل رومانوف اپنے چند خاص رفیقوں کے زیر اثر آ گیا، لیکن آہستہ آہستہ ملک میں امن بحال ہو گیا۔ مزارعین کی غلامی زیادہ پختہ ہو گئی۔ قومی اسمبلی کے اجلاس وقتاً فوقتاً بلائے جاتے تھے، وہ کوئی نمائندہ قوت حاصل نہ کر سکی اور اس کی حیثیت محض ایک مجلس مشاورت کی رہ گئی۔ 1617ء میں سویڈن نے نووگورود واپس کر دیا۔ 1634ء میں پولینڈ کے ساتھ بھی عارضی صلح ہو گئی۔ 1637ء میں کاسکوں نے کریمیا کے تاتاریوں سے ایزوو کا قلعہ لے لیا۔ پھر انھوں نے یہ مائیکل کے حوالے کرنا چاہا، لیکن اس نے پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیے کہ اندیشہ تھا کہیں ترکوں سے جنگ نہ ہو جائے، لہٰذا کاسکوں نے اسے اصل مالوں کو لوٹا دیا۔

ہنگری

1490ء-1648ء

لاڈس لاس ثانی اور اس کا بیٹا: (1490ء-1526ء)

ہنگری کے امراء نے بوہیمیا کے بادشاہ لاڈس لاس ثانی (Ladislas) کو ہنگری کا بادشاہ منتخب کیا۔ یہ بڑا کمزور اور بے اثر سا آدمی تھا۔ اس کی کوشش یہی رہی کہ ہپس برگ خاندان سے اپنی شاہی منوالے، لہٰذا اس نے شہنشاہ میتھیاس کی فتوحات سے دست برداری اختیار کر لی۔ ہپس برگ خاندان ہی میں اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ لاڈس لاس کی اس کمزور پالیسی نے ہنگری کے بعض امراء کو برانگیختہ کر دیا اور انھوں نے سٹیفن زاپولیا (Stephen Zapolya) امیر ٹرانسلوانیا کی سرکردگی میں ایک قومی پارٹی بنا لی۔ لاڈس لاس کو روپے کی ضرورت تھی، جس کے بغیر وہ فوج نہ رکھ سکتا تھا۔ امراء نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا، لہٰذا بادشاہ امراء کے رحم پر رہ گیا۔

1514ء میں کسانوں نے ایک زبردست بغاوت کی، اس لیے کہ امراء انھیں بڑی بے دردی سے لوٹتے تھے۔ سٹیفن کے بیٹے زاپولیا نے شدید خونریزی کے ذریعے سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اسی سال ایک دستور بنا، جسے مجلس شوریٰ منظور کر لیا۔ اس کے مطابق تمام امراء کی مساوات کا اعلان ہو گیا۔ کسانوں کے لیے غلامی کا ایک مستقل نظام تجویز کر دیا گیا۔ لاڈس لاس کا بیٹا لوئی ثانی (Louis) ایک اخلاق باختہ اور عشرت دوست جوان تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ تحریک اصلاح مذہب نے بھی اس زمانے میں خوب فروغ پایا۔ تحریک نے پہلے ان علاقوں اور قصبوں میں جڑ پکڑی جہاں جرمن آباد تھے۔ امراء نے اس کی سخت مخالفت کی۔ 1523ء میں اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص نئے طریقے کو قبول کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی اور جائیداد ضبط کر لی جائے گی، لیکن اس فرمان کے باوجود تحریک پھیلتی ہی گئی۔ 1521ء میں ترکوں نے بلغراد لے لیا اور ہنگری پر کامیاب حملے شروع کر دیئے۔ 29 اور 30 اگست 1526ء کو جنگ موہاکس (Mohacs) میں ترکوں نے لوئی کی بیس ہزار فوج تباہ کر ڈالی۔ اسی میدان میں لوئی مارا گیا۔

بعد کے حالات:

لوئی کی وفات پر جانشینی کے لیے سخت کشمکش شروع ہوگئی۔ امراء کے ایک طبقے کی خواہش تھی کہ ہیپس برگ خاندان کے شہنشاہ چارلس پنجم کے بھائی کو بادشاہ چن لیا جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح جرمنی سے ترکوں کے خلاف زبردست مدد حاصل کی جاسکے گی۔ قومی پارٹی کی خواہش تھی کہ جان زاپولیا کو بادشاہ بنایا جائے۔ دو سال خانہ جنگی جاری رہی جس میں زابولیا نے شکست کھائی۔ یہ حالت دیکھ کر زاپولیا نے ترکوں سے مدد طلب کی۔ ترک حمایت پر آمادہ ہو گئے، لہٰذا ایک صلح نامے کی رو سے دونوں کو (جان زاپولیا اور چارلس پنجم کا بھائی فرڈیننڈ) بادشاہ تسلیم کرلیا گیا اور ملک کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

جان زاپولیا نے 1540ء میں وفات پائی۔ ترکوں نے اس کے کم سن بیٹے جسں منڈ اکو اس کا جانشین تسلیم کرلیا۔ اس پر فرڈیننڈ سے ازسرنو کشمکش شروع ہوگئی۔ چنانچہ ترکوں نے ہنگری کے دارالحکومت بوڈا کو مسخر کرلیا اور پورا وسطی ہنگری ان کے قبضے میں آگیا۔ اس علاقے کو انھوں نے چار انتظامی حلقوں میں تقسیم کیا اور چاروں حلقے فوجی جاگیرداروں کے حوالے کر دیئے۔ مذہبی اعتبار سے انھوں نے رواداری کا برتاؤ جاری رکھا۔

ہیپس برگ خاندان کے پاس ہنگری کے مغرب اور شمال میں تھوڑا سا علاقہ تھا۔ اس کے لیے بھی وہ ترکوں کو خراج کی خاصی بڑی تعداد ادا کرتے تھے۔ سرحد کے ساتھ ساتھ لڑائیاں جاری تھیں۔ ہیپس برگ خاندان نے اطالوی اور ہسپانوی باشندوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی کررکھا تھا، جنہیں پیسے کے سوا کسی چیز سے غرض نہ تھی۔ انھوں نے بڑی بے دردی سے ملک کو لوٹا۔ فرڈیننڈ اور اس کے جانشین ویانا امراء ہنگری کے روایتی حقوق کا چنداں خیال نہ رکھتے تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہنگری والے ان سے بے حد ناراض ہو گئے۔

ٹرانسلوینیا میں سرگرمیاں:

ٹرانسلوینیا کو رسمی طور پر ترکوں کے ماتحت ایک ریاست کی حیثیت حاصل تھی، لیکن عملاً اس کے معاملات میں دخل نہ دیا جاتا تھا۔ جسں منڈ زاپولیا کی حکومت 1581ء تک قائم رہی۔ پھر باتھوری (Bathory)â1581ء-1602ء) نے ہیپس برگ خاندان کو ساتھ ملانے کے لیے کوششیں کیں، تاکہ متحدہ قوت سے ترکوں پر ضرب لگائی جائے، لیکن خود ٹرانسلوینیا کے امراء نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ 1604ء میں سٹیفن بوکسکے (Bocskay) ٹرانسلوینیا کا امیر بنا، جس نے ہیپس برگوں کو شکست دی

اور معاہدہ ویانا کے ذریعے سے پراٹسٹنٹوں کے لیے وہی درجہ حاصل کرلیا جو کیتھولکوں کو حاصل تھا۔1613ء میں بیتھلن گیبر (Bethlen Gabor) امیر بنا۔ وہ ملک کی عظیم الشان حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کے عہد میں اس کی ریاست ہنگری کی ثقافت اور قومی احساسات کا مرکز بنی رہی۔1630ء میں جارج راکوزی (George RaRoczi) درجہ امارت پر پہنچا۔ اس نے نہایت نازک دور میں اپنے ملک کو خطرات سے بچائے رکھا اور ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ٹرانسلوینیا کو ایک آزاد ریاست بنالیا۔

پولینڈ اور لیتھوانیا

1492ء-1648

عام کیفیت:

پولینڈ کے اندر اس دور میں چھوٹے چھوٹے امراء نے زیادہ قوت حاصل کر لی، لہٰذا ملک کی حیثیت ایک مطلق العنان بادشاہی کی نہ رہی، بلکہ ایک ایسی حکومت کی بن گئی جس کا بادشاہ امراء کے ذریعے سے چنا جاتا تھا اور اسے محض ایک رسمی رئیس کی حیثیت حاصل تھی۔ پولینڈ کے بادشاہوں نے بڑی کوششیں کیں کہ اپنی قوت بڑھائیں، نظام حکومت کی اصلاح کریں اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ایک باقاعدہ فوج کی طرح ڈالیں، لیکن ان میں سے کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔

1505ء میں ایک دستور بنایا گیا جس نے قومی پارلیمنٹ کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے لیے امراء اپنی صوبائی مجلسوں کے ذریعے سے ممبر منتخب کرتے تھے۔ وضع قوانین کے لیے یہ سب سے بڑی مجلس تھی اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی نیا قانون منظور نہ ہوسکتا تھا۔

جس طرح روس یا بعض دوسرے ملکوں میں کسانوں کو غلام بنایا جا چکا تھا، اسی طرح 1511ء میں پولینڈ کی پارلیمنٹ نے بھی ایسے قوانین منظور کر لیے جن کے مطابق پولستانی کسانوں کے لیے غلامی کا نظام تیار کر دیا گیا۔

1569ء میں لتھونیا Lithuania کی مخالفت کے باوجود اس ملک کو پولستانی سلطنت میں شامل کر دیا گیا۔ فیصلہ ہوا کہ دونوں قوموں کا بادشاہ ایک ہو اور ان کی پارلیمنٹ مشترک ہو، اگرچہ لتھوانیا کا نظم و نسق بھی الگ رہا اور فوج بھی الگ رہی۔

بجس منڈ ثانی (1548ء-1572ء) کی وفات پر اس کے خاندان کی حکومت ختم ہوگئی اور پولینڈ کی بادشاہی حقیقی معنی میں انتخابی بن گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہی کی قوت حد درجہ کمزور ہوگئی۔ دوسری قوموں کی رقابتوں میں بار بار الجھنا پڑا اور اصلاح کی کوئی امید نہ رہی۔

1543ء میں فرانس کے شاہی خاندان سے ایک فرد کو بادشاہ منتخب کیا گیا، لیکن ایک سال بعد اس کا بھائی چارلس نہم فوت ہوگیا تو وہ چپ چاپ پولینڈ سے کھسکا اور فرانس پہنچ گیا۔ 1587ء میں سویڈن کے بادشاہ کا بیٹا تاج و تخت کے لیے منتخب ہوا۔ اسی کا بیٹا ولاڈس لاو (Wladyslaw) تھا جس نے روس پر حملہ کیا تھا۔ 1634ء میں اسی نے روسی تخت کا دعویٰ چھوڑ دیا، مگر سمولنسک کا علاقہ پولینڈ کے لیے واپس لے لیا۔

درمیانی دور

جزائر برطانیہ

جمہوریت:(1649ء-1660)

چارلس اول کو سزائے موت ملنے پر انگلستان میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی، جس کا سلسلہ ایک حد تک اسی زمانے سے جاری تھا۔ جب پارلیمنٹ نے بادشاہ سے کشمکش شروع کر دی تھی۔ اس جمہوری حکومت میں تمام اختیارات فوج اور اس کے سالار کرامویل (Cromwell) کے قبضے میں تھے۔ نظری لحاظ سے دیکھا جائے تو قانون سازی کا اختیار طویل پارلیمنٹ کے ان پر قریباً پچاس ممبروں کے قبضے میں تھا، جو باقی رہ گئے تھے اور اسی وجہ سے رمپ [1] کہلاتے ہیں اور عملی اختیارات کونسل آف سٹیٹ کی تحویل میں تھے، جو اکتالیس ممبروں پر مشتمل تھی۔ (ان میں سے تین جج تھے، تین فوجی افسر، پانچ امیر اور تین نمائندگان دار العوام)۔ بادشاہ کا لقب اور عہدہ اڑا دیا گیا اور دار الامر بھی ختم کر دیا گیا۔

سکاٹ لینڈ نے مقتول بادشاہ کے بیٹے کو چارلس دوم کے لقب سے بادشاہ بنانے کا اعلان کیا۔ اہل آئر لینڈ بھی اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے، لیکن کرامویل نے خود آئر لینڈ پہنچ کر بغاوت فرو کی۔ دو جگہ مقابلہ ہوا۔ آئر لینڈ کی فوجیں بے دردی سے قتل کر دی گئیں۔ کیتھولکوں سے زمینیں چھین کر پراٹسٹنٹوں کو دے دی گئی۔ بہت سے کیتھولک مارے گئے۔ اس وقت سے آئر لینڈ کے مسئلے میں نئی تلخیاں پیدا ہو گئیں۔

چارلس دوم کی شکست:

چارلس دوم خود سکاٹ لینڈ پہنچا۔ اس نے حلف اٹھایا اور اس کی بادشاہی کا اعلان ہو گیا، لیکن کرامویل نے اسے ڈمبرا (Dumbar) اور ورسسٹر (Worcester) کی لڑائیوں میں شکست فاش دی اور وہ (چارلس) بڑے خطرناک مرحلوں میں سے بھیس بدل کر گزرتا ہوا فرانس پہنچ گیا۔ اس طرح اس کی ابتدائی کوشش ناکامی پر ختم ہوئی۔

قانون جہاز رانی:

9 اکتوبر 1651ء کو پہلا قانون جہاز رانی منظور ہوا، جس کے مطابق اعلان کر دیا گیا کہ انگلستان میں صرف وہی مال آسکتا ہے، جو یا تو انگریزی جہازوں میں آئے یا اس ملک کے جہازوں میں، جہاں مال

بنتا ہو۔

اس زمانے میں ولندیزوں کو جہاز رانی میں کمال حاصل تھا اور ان کے تجارتی جہاز ہر جگہ پھرتے تھے۔ مندرجہ بالا قانون نے ان کی جہاز رانی پر ضرب لگائی اور انگریزوں کے لیے تجارتی جہاز رانی میں برتری حاصل کرنے کا موقع پیدا کر دیا۔ ولندیزوں نے اس قانون کو لڑائی کا وسیلہ بنالیا، لیکن انگریزی امیرالبحروں نے زبردست کامیابیاں حاصل کیں، یہاں تک کہ 5 اپریل 1654ء میں ولندیزوں کے ساتھ صلح ہو گئی۔

کرامویل کا نیا عہدہ:

20 اپریل 1653ء کو کرامویل نے پارلیمنٹ کے بچے کھچے ممبروں یعنی رمپ کو ختم کر دیا۔ کونسل آف سٹیٹ توڑ ڈالی۔ اس کی جگہ ایک نئی کونسل بنائی، نیز ایک سو چالیس ممبروں کی نئی پارلیمنٹ قائم کی۔ اس پارلیمنٹ میں جو لوگ کرامویل کے حامی تھے انھوں نے سارے اختیارات اس کے حوالے کر دیئے اور کرامویل نے 16 دسمبر 1653ء کو پروٹیکوریٹ [1] کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی خود اسے جمہوریہ انگلستان و سکاٹ لینڈ و آئرلینڈ کا لارڈ پروٹیکٹر [2] بنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک دستور تیار کر دیا گیا جس کے رو سے لارڈ پروٹیکٹر کے لیے اکیس ممبروں کو کونسل بہ غرض امداد بنا دی گئی۔ مستقل فوج تیس ہزار مقرر کر دی گئی۔ یہ بھی قرار پایا کہ تین سال کے لیے پارلیمنٹ منتخب ہوا کرے اور اس کے چار سو ساٹھ ممبر ہوا کریں۔ جب اس کا اجلاس ایک مرتبہ بلا لیا جائے تو پھر پانچ ماہ سے پیشتر اسے ختم نہ کیا جائے۔ لارڈ پروٹیکٹر اور کونسل کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ جب پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو حسب ضرورت ہنگامی قوانین جاری کر دیں، لیکن ٹیکس لگانے اور روپے دینے کی منظوری صرف پارلیمنٹ کے لیے مخصوص رہی۔ نئی پارلیمنٹ اور لارڈ پروٹیکٹر کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی، چنانچہ لارڈ پروٹیکٹر نے 12 ستمبر 1654ء کو ممبر ایوان پارلیمنٹ سے نکال دیئے۔ پھر پارلیمنٹ نے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا کہ لارڈ پروٹیکٹر کا عہدہ موروثی نہ ہو، بلکہ حسب ضرورت اس کے لیے انتخاب عمل میں آئے۔ 22 جنوری 1655ء کو پارلیمنٹ ختم کر دی گئی۔

انگلستان کو بارہ فوجی حلقوں میں تقسیم کر لیا گیا۔ ہر حلقے کی فوج کے خرچ کے لیے شاہی جاگیرات پر دس فیصد ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ جن پادریوں کا تعلق انگریزی کلیسا سے تھا، انھیں تعلیم یافتہ یا تبلیغ کی ممانعت کر دی گئی۔ کیتھولک پادریوں کو ملک سے نکال دیا گیا۔ اخباروں پر سنسر لگا دیا گیا۔ اخلاق و فنون میں نہایت شدید احتیاط و نگرانی کے طریقے اختیار کیے گئے

فرانس میں ڈیوک آف سیوائے نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پراٹسٹنٹوں پر سختیاں نہ کرے گا اور چارلس دوم کو فرانس سے نکال دے گا۔

ہسپانیہ سے جنگ:

1655ء میں انگریزی امیر البحروں نے جمیکا پر قبضہ کرلیا، اس لیے ہسپانیہ سے لڑائی شروع ہوگئی۔ 9 ستمبر 1665ء کو ہسپانوی جہاز امریکہ سے مال وزر کے خزانے لے کر ہسپانیہ پہنچے تھے۔ من چلے انگریز ملاحوں نے ہسپانوی بندرگاہ قادس کے قریب ان پر حملہ کیا اور مال وزر لوٹ کر لے گئے۔ 1657ء میں انھوں نے سانٹا کروز (Santa Cruz) کے قریب ہسپانیہ پر زبردست فتح حاصل کی۔

متفرق واقعات:

ایک درخواست پیش ہوئی کہ دستور میں تبدیلیاں کر لی جائیں۔ ایوان بالا از سر نو قائم کیا جائے۔ کونسل آف سٹیٹ کے اختیارات گھٹا دیے جائیں۔ پروٹیکٹر سے پارلیمنٹ کے ممبر کو خارج کر دینے کا اختیار واپس لے لیا جائے۔ فوج اور بحریات کے لیے مقررہ رقم دی جائے۔ جو عیسائی تثلیث کو مانتے ہوں، ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ لازم ہے۔ البتہ اسقفی نظام کے حامیوں اور کیتھولکوں کو مستثنیٰ رکھا جائے۔ کرامویل کی خدمت میں بادشاہ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن اس نے اسے قبول نہ کیا۔

ڈنکرک محاصرے کے بعد انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ 3 ستمبر 1658ء کو کرامویل نے وفات پائی۔

رچرڈ کرامویل:

آلیور کرامویل کے بیٹے رچرڈ کرامویل نے باپ کا عہدہ سنبھالا۔ نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں پروٹیکٹر اور پارلیمنٹ کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے۔ فوج نے رچرڈ کو آمادہ کرلیا کہ پارلیمنٹ کو توڑ دے۔ پارلیمنٹ کے بچے کھچے ممبر سپیکر کی سرکردگی میں اکٹھے ہوئے اور انھوں نے رچرڈ سے کہا کہ لارڈ پروٹیکٹر کے عہدے سے استعفیٰ دے دے۔ جنرل مانک (Monk) اپنی فوج سکاٹ لینڈ سے لے کر لندن پہنچا۔ تمام معاملات پر قابو رچرڈ کرامویل کا دور ختم ہوگیا۔ اب پھر لوگوں کی توجہ مقتول بادشاہ کے بیٹے چارلس کی طرف پلٹی جو فرانس میں بیٹھا تھا۔

14 اپریل کو چارلس نے اعلان کیا کہ میں سب کے گناہ معاف کرتا ہوں۔ ضمیر کی آزادی سب کو حاصل ہوگی۔ جو جائیدادیں ضبط ہو چکی ہیں، وہ ان لوگوں کے قبضے میں رہیں گی جو فی الحال ان کے مالک ہیں۔ اس پر پارلیمنٹ بلائی گئی۔ اس کے پانچ سو چھپن ممبر تھے۔ یکم مئی کو پارلیمنٹ نے چارلس کے حق میں فیصلہ کیا۔ 8 مئی کو اس کی بادشاہی کا اعلان ہوا، 29 مئی کو وہ انگلستان پہنچ گیا۔

چارلس دوم: (1660ء-1675ء)

چارلس دوم بادشاہ بن گیا۔ اس نے ایڈورڈ ہائڈ (Edward Hyde) کو (آگے چل کر ارل آف کلارنڈن) وزیر مال اور وزیر اعظم بنالیا۔ اپنے لیے بارہ لاکھ پاؤنڈ سالانہ کی آمدنی کا انتظام کرایا اور اس سلسلے میں امراء کے بعض حقوق ان کے حوالے کر دیئے۔ جو اسقف اپنے حلقوں اور دارالامراء کی ممبری سے محروم ہو گئے تھے، انھیں بحال کر دیا۔ یکم جنوری 1637ء سے 24 جون 1660ء تک جو سیاسی جرم ہو چکے تھے ان کے لیے برات کا قانون بنا دیا۔ طویل پارلیمنٹ (Long Parliament) کے بنائے ہوئے جن قوانین کی چارلس اول تصدیق کر چکا تھا، اعلان کر دیا گیا کہ وہ سب جاری رہیں گے۔ پانچ ہزار آدمیوں کے سوا ساری فوج توڑ دی گئی۔ کرامویل نے آئرلینڈ کا جو فیصلہ کر دیا تھا، اس کی تصدیق کر دی۔

ان کے علاوہ بھی بعض قوانین منظور کیے گئے، مثلاً کلیسائے انگلستان کی طرف سے جو حلف دیا جاتا تھا، وہ تمام میجسٹریوں کے لیے ضروری قرار پایا۔ بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو ناجائز بتایا گیا۔ تمام پادریوں اور ان کے ماتحتوں کے لیے ضروری ہو گیا کہ عام کتاب عبادات کی پیروی کریں۔ جو لوگ اس کتاب سے اتفاق نہ کریں وہ پرائیویٹ عمارتوں کے سوا کسی جگہ پانچ آدمیوں سے زیادہ تعداد میں جمع نہ ہو سکیں۔ ایک اور قانون بنایا گیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ جو لوگ مسلمہ کتاب عبادات سے اتفاق نہ کریں وہ حلف اٹھالیں کہ اس کی مخالفت نہ کریں گے، نیز قسم کھائیں کہ کلیسا یا سلطنت کو بدلنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔ اس قانون کے رو سے ان تمام آدمیوں کو ایسے قصبوں سے پانچ میل کے اندر آنے کی ممانعت کر دی گئی جو اس قانون کو منظور کر چکے ہوں یا جہاں وہ لوگ پہلے مذہبی پیشوائی کے منصب پر فائز رہے ہوں۔

بادشاہ اور پارلیمنٹ:

چارلس نے اپنے عہد حکومت میں کم و بیش پانچ مرتبہ پارلیمنٹ قائم کی اور وہ توڑی جاتی رہی، لیکن عوامی نمائندوں کو جو اہمیت حاصل ہو گئی تھی اس میں کمی نہ آئی اور بادشاہ کو دب کر ہی گزارا کرنا پڑا۔ پارلیمنٹ کے ممبر عموماً دو حصوں میں بٹے رہے: ایک وہ حصہ جو بادشاہ کا طرفدار تھا، دوسرا وہ حصہ جو بادشاہ کے مقابلے میں عوام کی حمایت پر زور دیتا تھا۔ یہی دو گروہ تھے جو آگے چل کر وِگ (Whig) اور ٹوری[1] کے نام سے موسوم ہوئے۔ ٹوری اس درباری فریق کا نام تھا جو بادشاہ کے حقوق خاص کا حامی تھے۔ وِگ پارلیمنٹ کے اختیارات کی حمایت میں سرگرمی دکھاتے تھے۔ پہلا گروہ ان شمشیر زنوں کا جانشین تھا جو چارلس اول کے لیے

لڑتے رہتے تھے، دوسرا گروہ طویل پارلیمنٹ کے کثیر التعداد گروہ کا جانشین تھا لیکن اس وقت تک اس میں نہ خاص جمہوری روح پیدا ہوئی تھی اور نہ اسے آزاد خیال کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں اصطلاحات ابتداء میں طعن کے طور پر اختیار کی گئیں۔ایک کا تعلق سکاٹ لینڈ سے تھا اور دوسری کا آئر لینڈ[1] سے۔

متفرق واقعات:

باقی واقعات کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

(1) چارلس ثانی نے 20 مئی 1662ء کو جان چہارم شاہ پرتگال کی بیٹی سے شادی کی۔

(2) ڈنکر کو چار لاکھ پاؤنڈ کے عوض میں فرانس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

(3) 1665ء میں ہالینڈ سے جنگ شروع ہو گئی انگریزی بیڑے نے ہالینڈ کے بیڑے کو شکست دی۔ 21 جولائی 1667ء کو صلح ہو گئی۔لڑائی کا اصل سبب جہاز رانی کا قانون تھا۔اس میں ترمیم کر لی گئی اور کہہ دیا گیا کہ ولندیزی جہاز اور کشتیاں دریائے رہائن میں سے مال انگلستان پہنچا سکتی ہے۔1672ء میں دوبارہ جنگ چھڑی۔اس میں بھی ہالینڈ نے شکست کھائی۔

(4) اپریل 1665ء میں لنڈن کے اندر نہایت خوفناک پلیگ پھوٹ پڑی، جس میں بے شمار موتیں ہوئیں۔

(5) ستمبر 1666ء میں آگ لگ گئی، جس میں شہر کا ساڑھے چار سو ایکڑ رقبہ بالکل جل کر راکھ بن گیا۔ انھیں میں سینٹ پال کا گرجا بھی تھا جسے مشہور انگریز فن کار رین (Christopher Wren) نے از سر نو تعمیر کیا۔

(6) لوئی چہاردہم شاہ فرانس کی قوت بڑی رہی تھی اس کے خلاف انگلستان، ہالینڈ اور سویڈن نے ضرورت کے وقت متفقہ کاروائی کا معاہدہ کر لیا۔(13 جنوری 1668ء) لوئی نے کمال یہ کیا کہ 1670ء میں خفیہ خفیہ چارلس سے ایک اور معاہدہ کر لیا۔چارلس کو روپے کی ضرورت ہر وقت رہتی تھی۔لوئی نے کہہ دیا کہ ہر سال دو لاکھ پاؤنڈ کی رقم چارلس کو ملتی رہے گی اور اگر کوئی بغاوت ہوئی تو چھ ہزار فوج مدد کے لیے بھیج دوں گا۔چارلس نے اقرار کر لیا کہ میں اور میرا بھائی جب مناسب موقع دیکھیں گے کلیسائے رومہ سے وابستگی کا اعلان کر دیں گے۔نیز ہسپانیہ اور ہالینڈ کے خلاف جنگوں میں لوئی کو مدد دی جائے گی۔4 تا 7 نومبر 1677ء کو بادشاہ کے بھائی جیمز کی بڑی لڑکی میری کی شادی

ولیم اورینج (William of Orange) سے ہوئی جو آگے چل کر انگلستان میں ولیم سوم کے لقب سے بادشاہ بنا۔

بغاوتیں اور سازشیں:

چارلس کے عہد میں سازشیں بھی ہوئیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر وہ سازش ہے جو پاپائی سازش [1] کے نام سے مشہور ہے۔ ٹائٹس اوئٹس (Titus Oates) نام ایک شخص تھا، جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ کیتھولکوں نے چارلس کو قتل کر کے انگلستان میں رومن کیتھولک مذہب قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس پر عام سراسیمگی پیدا ہو گئی اور کیتھولکوں کے خلاف خفگی کا عام جذبہ پھیل گیا۔ چنانچہ پانچ بڑے بڑے کیتھولک امیر گرفتار ہو گئے اور انھیں لندن کے قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ جیمز ڈیوک آف یارک کی بیوی کے خاص پادری پر مقدمہ چلا۔ وہ مجرم قرار پایا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔ ایک قانون منظور ہوا، جس کے مطابق رومن کیتھولکوں کو پارلیمنٹ میں بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی۔ (یہ قانون 1829ء میں منسوخ ہوا)۔ 1679ء میں سکاٹ لینڈ کے فرقے نے جو معہدین [2] کے نام سے مشہور ہوئے، بغاوت کر دی مگر شکست کھائی۔

جون 1673ء میں ملک کے ممتاز لیڈروں نے ایک جمعیت کا انتظام کیا، جو چارلس کی پالیسی کے خلاف تھی۔ ان لوگوں کو اندیشہ تھا کہ سٹوارٹ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں کی طرح چارلس بھی آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کر رہا ہے۔ آٹھ بڑے بڑے امیر اس جمعیت میں شامل تھے۔ عین اسی موقع پر بعض آدمیوں نے بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے ایک سازش تیار کی، جو رائی ہاؤس [3] کی سازش کہلاتی ہے۔ دونوں سازشوں کا بیک وقت انکشاف ہوا۔ امیروں میں سے ایک نے خودکشی کر لی، دو کو موت کی سزا دی گئی، بعض کو معاف کر دیا گیا۔ اوئٹس کو، جس نے پاپائی سازش کا افسانہ تراشا تھا، جھوٹا قرار دے کر جرمانہ کیا گیا۔

جیمز ثانی:

چارلس نے 6 فروری 1685ء کو وفات پائی۔ چونکہ اس کے کوئی جائز نرینہ اولاد نہ تھی، لہٰذا اس کا بھائی جیمز ثانی کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ رومن کیتھولک مذہب کا پابند تھا اور اس نے تخت نشین ہوتے ہی یہ کوشش شروع کر دی کہ اپنے ہم مذہبوں کے لیے آزادی عبادت کا بندوبست کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہگ اور ٹوری دونوں انگریزی کلیسا کی حفاظت کے لیے متحد ہو گئے، لیکن واضح رہے کہ ٹوریوں کو صرف کلیسا کی حفاظت سے

تعلق تھا، پارلیمنٹ کی برتری برقرار رکھنے سے کوئی سروکار نہ تھا۔

جیسا کہ اندیشہ تھا جیمز نے اپنے مذہبی تعصب کا اظہار شروع کر دیا۔ ڈیوک آف مان متھ (Monmouth) جو چارلس کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، سکاٹ لینڈ پہنچا۔ ڈیوک آف آرگائن اس کے ساتھ تھا۔ انھوں نے جیمز کے خلاف بغاوت بپا کرنے کی کوشش کی اور جنگ سیج مور (Sedgemoor) 6 جولائی 1685ء) میں شکست کھائی۔ مان متھ گرفتار ہوا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔ بادشاہ نے اپنے خاص آدمی جیفریز (Jerfreys) کو جج مقرر کر دیا تا کہ بغاوت میں حصہ لینے والوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے۔ اس نے سیکڑوں کو موت کی سزا دے دی۔ اس وجہ سے اس کی عدالت خونی عدالت (The Bloody Assizes) کے نام سے مشہور ہوئی۔

جیمز نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ انگلستان و سکاٹ لینڈ میں تمام باشندوں کے لیے عام مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ یہ اعلان تمام گرجاؤں میں باقاعدہ پڑھا جائے۔ کینٹر بری کے اسقف اعظم (Arch Bishop) اور چھ دوسرے اسقفوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس اعلان کے پڑھے جانے پر اصرار نہ کیا جائے۔ ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا، لیکن وہ بری ہو گئے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سات ممتاز آدمیوں نے جیمز کے داماد ولیم اورنج کے پاس درخواست بھیج دی، وہ انگلستان کو کیتھولکوں کے ظلم سے نجات دلائے۔ یہ درخواست جیمز کی بادشاہی کے خلاف ایک فیصلہ کن اقدام کا وسیلہ بن گئی۔

10 جون 1687ء کو جیمز کے بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی وجہ سے لوگوں کی تشویش بڑھ گئی کہ معاملہ صرف جیمز کا نھیں، بلکہ جو پالیسی جیمز اب اختیار کر رہا ہے، اسے اس کا بیٹا بھی جاری رکھے گا۔ اس وجہ سے جو درباری لوگ جیمز کے وفادار تھے، وہ بھی بڑی تعداد میں اس سے الگ ہو گئے۔

ولیم کی پالیسی:

ولیم نے 30 ستمبر 1687ء کو اعلان کر دیا کہ میں اہل انگلستان کی دعوت قبول کرتا ہوں۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ انگلستان کو اس کشمکش میں لوئی چاردہم کے خلاف لے آئے جو آگسبرگ میں مذہبی آزادی کے فیصلے کے بعد شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی کامیابی نے چارلس دوم اور جیمز دوم کی پالیسی منقلب کر دی۔ ان دونوں کا جھکاؤ فرانس کی طرف تھا۔ ولیم کی وجہ سے انگلستان اس مسلک پر قائم ہو گیا، جسے بعد میں مسلمہ مسلک قرار دیا جاتا رہا، یعنی براعظم کی ہر اس طاقت کی مخالفت جو غیر معمولی قوت کی مالک بن جاتی۔ خصوصاً اس طاقت کی مخالفت سے جس سے ہالینڈ، بلجیم وغیرہ کو خطرہ ہوتا۔

ولیم کا اعلان دیکھتے ہی جیمز پر ہراس طاری ہو گیا۔ اس نے اپنی غلطی کی تلافی کرنی چاہی لیکن کوئی نتیجہ

نہ نکل سکا۔ ولیم چودہ ہزار فوج کے ساتھ نکلا اور 5 نومبر کو انگلستان کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ ذی اثر امراء میں سے گریفٹن (Grafton) اور چرچل (جو آگے چل کر ڈیوک آف مارلبرو بنا) نے ولیم کا ساتھ دیا۔ جگہ جگہ ہنگامے بپا ہوئے جیمز نے ولیم سے معاملہ طے کر لینا چاہا۔ ملکہ کو بیٹے کے ساتھ فرانس بھیج دیا۔ آخر کار خود بھی شاہی مہر دریائے ٹیمز میں پھینک کر انگلستان سے بھاگ گیا (11 ستمبر 1688ء)۔ امراء نے لندن میں عارضی حکومت قائم کر دی، یہاں تک کہ ولیم 19 دسمبر کو لندن پہنچ گیا۔

دستور ساز پارلیمنٹ:

22 جنوری 1689ء کو امراء کے مشورے سے دستور ساز پارلیمنٹ بلائی گئی۔ 28 جنوری کو دارالعوام نے اعلان کر دیا کہ جیمز دوم نے وہ ابتدائی معاہدہ توڑ دیا جو بادشاہ اور عوام کے درمیان تھا اور اس طرح دستور کی خلاف ورزی کی۔ یہ سب کچھ کیتھولکوں اور دوسرے شریر آدمیوں کے مشورے کے مطابق کیا۔ اس نے بنیادی قوانین کی بے حرمتی کی۔ چونکہ وہ سلطنت سے نکل گیا ہے اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ حکومت سے دست بردار ہو گیا ہے اور اب تخت خالی ہے۔ تجربے سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اس پرا ٹسٹنٹ سلطنت کی بہبود اور حفاظت کو ایک کیتھولک بادشاہ کے حوالے کر دینا ہرگز مناسب نہیں۔

اس کے ساتھ تاج و تخت میری کے حوالے کیا گیا اور ولیم کو اس کا نائب مانا گیا۔ ولیم اور میری نے یہ پیش کش قبول نہ کی تو فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں مشترکہ طور پر بادشاہ اور ملکہ ہوں گے۔

بنیادی حقوق کا اعلان:

13 فروری کو عوام کے حقیقی، قدیم اور غیر مشتبہ حقوق کا اعلان ہوا، جن کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

(1) پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر قانون بنانا یا معطل کرنا ناجائز ہے۔

(2) جس اختیار کے بغیر کام چل سکتا ہو اس کا استعمال ناجائز ہے۔

(3) کلیسیائی کمیشن کی عدالت اور ایسی تمام دوسری عدالتیں ناجائز ہیں۔

(4) پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر کوئی ٹیکس لگانا ناجائز ہے۔

(5) جو شخص چاہے وہ بادشاہ کے پاس درخواست دے سکتا ہے۔

(6) پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر مستقل فوج رکھنا ناجائز ہے۔

(7) ہر شخص ہتھیار رکھ سکتا ہے اور انھیں ناجائز نہ سمجھنا چاہیے۔

(8) پارلیمنٹ کے ممبروں کا انتخاب بالکل آزادانہ ہونا چاہیے۔

(9) پارلیمنٹ میں بحث کی آزادی ہونی چاہیے۔

(10) ضمانت کی ایسی رقم تجویز نہ کی جائے جو ضمانت دینے والے کی حیثیت سے بہت زیادہ ہو۔

(11) مقدموں کے لیے جو جو لوگ جیوریوں میں شامل کیے جاتے ہیں، ان کے نام تجویز کردیئے جائیں۔ ہر مقدمے کے لیے ان میں سے جن جن کو جج چاہیے مقرر کرے۔

(12) کوئی شخص جب تک ملزم ہو اور اس کے خلاف ازروے عدالت جرم ثابت نہ ہو جائے، اس کی جائیداد کی ضبطی ناجائز ہوگی۔

(13) پارلیمنٹ کے اجلاس عموماً ہوتے رہیں گے۔

یہ بھی اعلان کردیا گیا کہ ولیم اور میری کے بعد تاج و تخت کی مالک ان کی اولاد ہوگی۔ اگر ان کے کوئی بچہ نہ ہو تو میری کی چھوٹی بہن شہزادی این، نیز اس کی اولاد وارث سمجھی جائے گی۔ این کی شادی ڈنمارک کے شہزادے سے ہوئی تھی۔ اگر این کے بھی کوئی بچہ نہ ہوا تو پھر تاج و تخت ولیم کے اس بچے کو ملے گا جو کسی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہو۔ ساتھ ہی ولیم اور میری کو برطانیہ کلاں، آئرلینڈ اور فرانس کے بادشاہ اور ملکہ قرار دے دیا گیا۔

یہاں اتنا اور بتا دینا چاہیے کہ جیمز نے ایک مرتبہ تاج و تخت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، چنانچہ وہ آئرلینڈ میں داخل ہوگیا اور مشہور پراٹسٹنٹ لنڈنڈری کا محاصرہ بھی کرلیا، لیکن ولیم نے اسے باء (Boyne) کی جنگ میں شکست دی اور وہ فرانس بھاگ گیا۔

متفرق واقعات:

ولیم اور میری کے عہد میں جو واقعات پیش آئے ان کی اجمالی کیفیت یہ ہے:

(1) فرانس کے خلاف جنگ چھڑ گئی جس کی تفصیلات فرانس کے حالات میں بیان ہوگی۔ 20 ستمبر 1697ء کو رزوک (Riswick) کے معاہدے پر جنگ ختم ہوئی۔

(3) 13 فروری 1692ء کو گلینکو (Glencoe) کے مقام پر ایک دردناک واقعہ پیش آیا۔ سکاٹ لینڈ کے جو لوگ سابقہ جنگ میں شریک ہوئے تھے، انھیں اجازت دے دی گئی تھی کہ 31 ستمبر 1691ء تک

ولیم کی اطاعت کا حلف اٹھالیں۔ دو قبیلوں کے سوا سب نے حلف اٹھالیا۔ یہ دو قبیلے مقررہ وقت کے بعد 6 جنوری 1692ء کو حلف اٹھا چکے، لیکن ان دشمنوں نے یہ بات ولیم سے مخفی رکھی اور ایک فوج بھیج کر یکا یک ان غریبوں پر حملہ کر دیا جس میں وہ بہت بے دردی سے مارے گئے۔

(4) مارلبرو کے متعلق معلوم ہو گیا کہ اس نے خفیہ خفیہ جیمز سے خط و کتابت شروع کر رکھی ہے، لہٰذا اس کا اعزاز چھ گیا۔

(5) ولیم ہی کے زمانے سے قومی قرضے کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس نے دس لاکھ پاؤنڈ کی رقم جنوری 1693ء میں دس فی صد سود پر لی۔

(6) انگلستان کے بینک کو چارٹر ملا۔ ابتداء میں یہ تاجروں کی ایک کمپنی تھی جس نے بعض حقوق کے عوض میں حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ قرض دیا تھا۔

(7) 28 دسمبر 1694ء کو ملکہ میری نے وفات پائی۔

(8) 1695ء میں نئے سکے ڈھالنے کا قانون منظور ہوا اور آئزک نیوٹن Isaac Newton کو ٹکسال کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔

(9) غداری کا قانون منظور ہوا، جس کے مطابق غداری ثابت کرنے کے لیے دو شہادتیں ضروری تھیں۔

(10) ولیم کے خلاف قتل کی ایک سازش کا انکشاف ہوا اور سازشوں کو موت کی سزا دی گئی۔

(11) لندن میں پہلی مرتبہ مستقل سٹاک ایکسچینج (صرافہ) قائم ہوا (1698ء)

(12) 12 جون 1701ء کو پارلیمنٹ نے فیصلہ کر دیا کہ ولیم اور این کے بعد تاج و تخت کی وارث سوفیا ہو گی جو ھینوور کی شہزادی اور جیمز اول شاہ انگلستان کی بڑی نواسی تھی۔ یہ بھی قرار پایا کہ برطانیہ کا بادشاہ ہمیشہ پراٹسٹنٹ ہو گا اور پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر وہ ملک سے باہر نہ جا سکے گا۔ بادشاہ بیرونی مقبوضات کی خاطر ملک کو جنگ میں الجھایا نہ جائے گا۔ کسی غیر ملکی کو وظیفہ لینے یا فوج اور دیوانی میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ وزیر بادشاہوں کے حکم پر جو کچھ کریں اس کے ذمہ دار سمجھے جائیں گے۔

16 ستمبر 1701ء کو جیمز دوم فوت ہوا اور اس کے بیٹے کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ 8 مارچ

1702ء کو ولیم نے وفات پائی۔

ملکہ این: (1702ء-1714ء)

ولیم کے بعد جیمز دوم کی دوسری بیٹی این تخت نشین ہوئی، جو ڈنمارک کے شہزادے جارج کی بیوی تھی۔ اس کے سترہ بچے پیدا ہوئے لیکن کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ ملکہ بننے کے بعد پہلے دور میں یہ اپنی سہیلی سارہ ڈچز آف مارلبرو کے زیر اثر رہی۔

اس کے عہد کا ایک عظیم الشان واقعہ وہ جنگ ہے جو ہسپانوی تخت کے لیے فرانس، انگلستان اور بعض دوسرے ملکوں کے درمیان شروع ہو گئی تھی۔ اس کے حالات فرانس کے ذکر میں پیش کیے جائیں گے۔ باقی واقعات اختصاراً ذیل میں درج ہیں:

(1) یکم مئی 1707ء کو انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے اتحاد کا اعلان ہوا اور متحدہ ملک کا نام برطانیہ کلاں قرار پایا۔ دونوں ملکوں کے لیے یونین جیک جھنڈا تجویز ہوا جس میں سینٹ جارج اور سینٹ اینڈریو کی صلیبیں شامل کی گئیں۔

(2) جیمز دوم کا بیٹا سکاٹ لینڈ میں لنگر انداز ہوا اور تخت کا دعوے دار بن گیا، لیکن شکست کھا کر واپس چلا گیا۔

(3) 27 مئی 1714ء کو شہزادی سوفیا کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا جارج ملکہ این کے بعد تخت برطانیہ کا وارث قرار پایا۔ ٹوریوں کو یقین تھا کہ جارج کی تخت نشینی پر وہگ پارٹی برسر اقتدار آ جائے گی، لہٰذا انھوں نے جیمز کے بیٹے کے ساتھ گفت وشنید کی۔ ابھی وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچے تھے کہ یکم اگست کو ملکہ این فوت ہو گئی۔

جارج اول: (1714ء-1727ء)

فیصلے کے مطابق شہزادی سوفیا کا بیٹا جارج اول برطانیہ کا بادشاہ بن گیا۔ یہ خاندان عام طور پر خاندان ہینوور[1] یا خاندان برنزوک[2] کہلاتا ہے۔ 1917ء میں اس کی جرمن اصلیت کو بدلنے کے لیے اس کا نام خاندان ونڈسر رکھا گیا۔ 18 ستمبر 1714ء کو جارج برطانیہ پہنچا۔ ملک میں دو پارٹیاں بن چکی تھیں: ایک وہگ اور دوسرے ٹوری۔ جارج وہگ پارٹی کا حامی تھا اور اسی پارٹی نے وزارت بنائی۔

1715ء میں سکاٹ لینڈ کے اندر شاہ جیمز کی اولاد کے حامیوں نے بغاوت کی اور اس کا بیٹا خود

سکاٹ لینڈ پہنچ گیا، لیکن دو لڑائیوں میں شکست کھائی اور بغاوت فرو ہوگئی۔اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر پارلیمنٹ نے خود ایک قرار داد منظور کر کے اپنی میعاد سات سال کر لی اور یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ آئندہ ہر پارلیمنٹ کی پوری میعاد سات سال ہی ہوگی۔

چونکہ مدعیان تخت کی سازشیں بار بار تشویش پیدا کرتی تھی، اس لیے 4 جنوری 1717ء کو انگلستان، فرانس اور ہالینڈ کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا، جسے معاہدۂ سہ گانہ [3] کہا جاتا ہے۔ بعد ازاں سلطنت آسٹریا بھی اس معاہدے میں شریک ہوگئی۔ 1719ء میں ہسپانیہ نے مدعی سلطنت کی امداد میں سکاٹ لینڈ کے خلاف ایک مہم بھیجی، جو بے نتیجہ رہی۔ 20 نومبر 1719ء کو سٹاک ہالم کا معاہدہ ہوا، جس کے مطابق سویڈن نے دو علاقے جارج (بحیثیت رئیس ہینوور) کو دس لاکھ رکس ڈالر کے معاوضے میں دے دیئے۔ 1721ء میں سر رابرٹ وال پول وزیر اعظم بنا۔ وہی اصل میں انگلستان کا پہلا صحیح وزیر اعظم تھا۔ اس کے ماتحت نظام کابینہ اور نظام جماعات نے وہ شکل اختیار کی جو 1832ء تک جاری رہی۔ وال پول اکیس سال وزیر اعظم رہا۔ اس زمانے میں نظام حکومت مستحکم رہا۔ عام طور سے عقل سلیم کی بنا پر کاروبار حکومت چلتا تھا۔ تجارت اور صنعت وحرفت نے بڑی ترقی کی۔ علم وفن کے اعتبار سے بھی یورپ کا یہ بڑا ہی شاندار دور ہے۔ 3 ستمبر 1725ء کو انگلستان، فرانس اور پروشیا کے درمیان معاہدہ ہوا جو معاہدہ ہینوور کہلاتا ہے۔

جارج دوم: (1727ء-1760)

جارج اول کی وفات پر اس کا بیٹا جارج دوم کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ خاصا کمزور آدمی تھا اور اپنی بیگم کے زیر اثر رہا۔ بیگم کو وال پول پر بڑا بھروسا تھا اس لیے اس کی وزارت میں کوئی خلل پیدا نہ ہوا۔

ہسپانیہ کے تاج وتخت کے لیے جنگ ملکہ این کے زمانے میں ہو چکی تھی، جس کے حالات فرانس کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔ آسٹریا کے تاج وتخت کے لیے جنگ جارج دوم کے زمانے میں ہوئی، جس میں انگلستان نے آسٹریا کا ساتھ دیا۔ اس کے حالات ہپس برگ خاندان کے سلسلے میں پیش کیے جائیں گے۔

1745ء میں جیمز دوم کا پوتا چارلس ایڈورڈ تخت کے دعوے دار کی حیثیت سے سکاٹ لینڈ جا پہنچا اور اس نے اپنے باپ کو سکاٹ لینڈ اور انگلستان کا بادشاہ قرار دیا۔ اس کے حامی ایڈنبرا میں جمع ہو گئے۔ پہلی لڑائی میں اس نے فتح پائی اور شہزادے نے انگلستان کا رخ کر لیا۔ دو اور لڑائیوں میں بھی اسے کامیابی حاصل ہوئی لیکن سکاٹ لینڈ سے باہر نکلتے ہی کیولاڈن (Culloden) کے مقام پر شکست فاش کھائی (16 اپریل 1746ء) چنانچہ چارلس ایڈورڈ میدان چھوڑ کر بھاگا اور فرانس پہنچ گیا۔ یہ سٹواوارٹ

خاندان کی آخری کوشش تھی۔

1753ء میں برطانیہ کے مشہور کتب خانے برٹش میوزیم کی بنیاد پڑی۔ اس کے لیے کتابوں کا ابتدائی ذخیرہ وہ خریدا گیا جو سر ہینس سلون (Hans Slone) نے جمع کیا تھا۔

ہفت سالہ جنگ:

1755ء میں انگلستان اور فرانس کے درمیان بری اور بحری جنگ شروع ہوگئی، جو 1763ء تک جاری رہی۔ اس کا آغاز شمالی امریکہ میں سرحدی جھگڑوں سے ہوا تھا۔ یہ امریکہ میں بھی جاری رہی اور ہندوستان میں بھی۔ 13 ستمبر 1756ء کو کوبیک کی لڑائی ہوئی جس میں انگریزوں نے فتح پائی، البتہ ان کا جرنیل مارا گیا۔ اسی سال 20 نومبر کو فرانسیسیوں نے ایک بحری شکست کھائی۔ ہسپانیہ بھی فرانس کا حامی بن گیا تھا، اس وجہ سے 1762ء میں اس کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا گیا۔ آخر 10 فروری 1763ء کو معاہدہ پیرس کے مطابق لڑائی ختم ہوگئی۔ اس معاہدہ کے مطابق فرانس نے شمالی امریکہ میں کینیڈا اور بعض دوسرے علاقے اور جزیرے برطانیہ کے حوالے کر دیئے۔ افریقہ میں سینی گال انگریزوں کو دے دیا گیا اور اس کے معاوضے میں افریقہ کا ایک اور علاقہ فرانس نے لے لیا۔ ہندوستان میں پانڈی چری اور چندر نگر فرانس کو ملے گئے۔ ہسپانیہ نے فلاریڈا برطانیہ کو دے دیا اور برطانیہ کیوبا میں اپنی تمام فتوحات سے دست بردار ہوگیا۔ اس طرح برطانیہ کی قوت اور پھیلاؤ بہت اونچے درجہ پر پہنچ گئے۔ شمالی امریکہ میں جو نوآبادیاں قائم ہوئی تھیں انھوں نے آہستہ آہستہ خود مختار علاقوں کی حیثیت اختیار کر لی۔

جارج سوم: (1760ء-1820)

جارج دوم 1760ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا فریڈرک لوئیس نو سال پہلے مر چکا تھا، لہٰذا اس کا پوتا جارج سوم کے لقب سے بادشاہ بنا۔

سر رابرٹ وال پول کے بعد مختلف لوگ وزیر اعظم بنے۔ بعض .... اوقات مختلف پارٹیاں مل کر وزارت بناتی رہیں۔ اس زمانے میں .... انگریز مدبر نے شہرت عام حاصل کی وہ ولیم پٹ کلاں [1] تھا، جسے ارل آف چیتھم [2] کا خطاب ملا۔ پھر جارج سوم ہی کے عہد میں چیتھم کے بیٹے ولیم پٹ، ایڈمنڈ برک [3]، جیمز فاکس [4] اور رچرڈ شیریڈن [5] نے اپنے تدبر، خطبوں اور پرجوش تقریروں کے ذریعے سے بڑی شہرت حاصل کی۔

مختلف لڑائیاں:

جارج سوم کے عہد میں انگلستان کو بڑی زبردست لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ان کی سرسری کیفیت یہ ہے:

(1) ریاست ہائے امریکہ کی جنگ آزادی (1775ء-1783ء) اس جنگ کی تفصیلات امریکہ کے حالات میں بیان ہوں گی۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ انگلستان نے امریکی ریاستوں کی آزادی تسلیم کرلی۔ یہاں سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بنیاد پڑی جو آج دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔

(2) فرانس کے ساتھ لڑائیاں: انقلاب کے بعد فرانس میں جو جمہوری حکومت بن گئی تھی اس نے یکم فروری 1793ء کو برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس وقت سے 1801ء تک رزم و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ دو سال صلح رہی، پھر لڑائیاں شروع ہوگئیں جو مستقل طور پر واٹرلو کی لڑائی (1815ء) تک ختم نہ ہوئیں۔ تفصیلات فرانس کے سلسلے میں بیان ہوں گی۔

(3) آئرلینڈ میں ایک تحریک 1791ء میں جاری ہوئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ آئرلینڈ کو انگلستان سے قطعی طور پر الگ کرلیا جائے۔ 1798ء میں آئرلینڈ کے اندر بغاوت پھوٹی۔ فرانسیسیوں نے بھی باغیوں کو مدد دی، جس طرح کہ وہ پہلے کئی مرتبہ مدد دے چکے تھے، لیکن 21 جون 1798ء کو باغی شکست کھا گئے اور بغاوت فرو ہوگئی۔ یکم جنوری 1801ء کو آئرلینڈ اور برطانیہ کے اتحاد کا اعلان ہوا۔ آئرلینڈ اور برطانیہ کے اتحاد کا اعلان ہوا۔ آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ اور انگلستان کے نام سلطنت متحدہ (United Kingdom) قرار پایا۔ یہ فیصلہ ہوگیا کہ تینوں ملکوں کی ایک پارلیمنٹ ہوگی جس میں آئرلینڈ کے نمائندے بھی شریک ہوا کریں گے۔ ان میں سے اٹھائیس دارالامراء کے ممبر ہوں گے اور ایک سو دارالعوام کے۔ دونوں ملکوں کے کلیساؤں کو بھی متحد کر دیا گیا۔ ولیم پٹ کی رائے تھی کہ کیتھولکوں کو کچھ رعائتیں دے دی جائیں۔ یہ اس لیے ممکن نہ ہوئیں کہ بادشاہ نے تاج پوشی کے وقت جو حلف اٹھای تھا، اس میں ایسی رعایتوں کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔

ولیم پٹ:

1807ء میں غلامی تمام برطانوی علاقوں میں ختم کر دی گئی۔ چیتھم کا بیٹا ولیم پٹ پہلی مرتبہ 1783ء

میں وزیر اعظم بنا تھا۔ حکومت ہند کی اصلاح کے لیے اس نے ایک قانون 12 اگست 1784ء کو منظور کرایا، جو پٹ کے انڈیا بل کے نام سے مشہور ہے۔ آئر لینڈ کے کھیتولکوں کو رعاتیں دلانے کے مسئلے پر پٹ نے استعفیٰ دے دیا۔ 1804ء میں وہ پھر وزیر اعظم بنا، لیکن آوسٹرلٹز (Austerlitz) کی جنگ میں نپولین کی شاندار فتح کی خبر سن کر اسے ایسا صدمہ ہوا کہ سخت بیمار ہو گیا اور 23 جنوری 1806ء کو وفات پائی۔

فرانس

لوئی چہاردہم: (1643ء-1715ء)

یہ فرانس کا نہایت مشہور بادشاہ ہے۔تخت نشینی کے وقت صرف پانچ سال کی عمر تھی۔اس کی ماں نائب السلطنت بنی رہی اور حکومت کا کاروبار کارڈینل میزے رن (Cardinal Mazarin) چلاتا رہا جو کارڈینل رشی لیو(Richelieu) کے بعد فرانس کا مشہور مدبر تھا۔

سی سالہ جنگ کے سلسلے میں ہسپانیہ سے فرانس کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔اس وجہ سے انگلستان نے فرانس سے معاہدہ کر لیا تھا اور کرامویل نے فرانس کی امداد کے لیے آٹھ ہزار فوج بھی بھیج دی تھی۔ 1659ء میں پرینیز کا معاہدہ ہوا،جس کے مطابق فرانس کو کچھ علاقے اور قصبے مل گئے۔لوئی چہاردہم کی شادی ہسپانیہ کے بادشاہ فلپ چہارم کی بڑی بیٹی میریا تھیریسا(Maria Theresa) سے ہوئی۔ میریا نے شادی کے وقت اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے ہسپانیہ کے تاج وتخت پر تمام حقوق چھوڑ دیئے اور ان حقوق کے عوض میں پانچ لاکھ کراؤن کا جہیز لے لیا۔

لوئی کی پہلی جنگ:

1661ء میں میزے رن کا انتقال ہوا۔اس وقت سے لوئی چہاردہم،خود مختارانہ حیثیت اختیار کی، لیکن عملی اعتبار سے اس کے اختیارات محدود تھے،اس لیے کہ فرانس میں جو دفتری نظام جاری تھا،اس نے خاص حیثیت اختیار کر لی تھی اور لوگ اکثر ایک خاص ٹیکس دے کر عہدے لیتے تھے۔بادشاہی پر تین قانونی پابندیاں عائد تھیں:اول یہ کہ بادشاہ کیتھولک ہو۔دوم یہ کہ کوئی عورت تخت پر نہ بیٹھ سکے [1]۔سوم یہ کہ بادشاہ اپنی جاگیرات میں سے کوئی حصہ چھوٹے بیٹوں یا کسی امیر کو مستقل طور پر نہ دے سکتا تھا۔کولبرٹ (Colbert) کو مالیات کا ناظم بنا دیا گیا اور وہ 1662ء سے 1683ء تک اس عہدے پر مامور رہا۔اس سے کچھ مالی اصلاحات بھی کیں،ایک جنگی بیڑا بھی بنایا گیا۔

لوئی نے سب سے پہلے 1667ء میں ہسپانوی نیدرلینڈ کے خلاف جنگ کی۔اس کا سبب یہ تھا کہ جب اس کے خسر فلپ چہارم کا انتقال ہوا،تو اس نے (لوئی نے) دعویٰ کر دیا کہ متوفی کی جائیداد کے مالک متوفی کی پہلی شادی کے بچے ہیں،یعنی اس سلسلے میں پہلی شادی کی اولاد کا حق دوسری شادی کی اولاد پر فائق ہے۔پہلی شادی کی بیٹی خود لوئی کی بیوی تھی،جس کے متعلق تاج وتخت کے دعوے سے دست بردار ہو گئی تھی۔

لوئی کہتا تھا دست برداری اس وجہ سے کالعدم ہوگئی کہ پانچ لاکھ کراؤن کا جہیز کبھی دیا ہی نہیں گیا۔

بہر حال فرانس کے جرنیل نے کچھ علاقے فتح کر لیے۔ اس اثناء میں انگلستان، ہالینڈ اور سویڈن نے فرانس کے خلاف اتحاد کر لیا۔ 2 مئی 1668ء کو معاہدہ صلح ہو گیا، جس کے مطابق لوئی نے ایک مشہور قلعہ ہسپانیہ کے حوالے کر دیا اور اس کے بدلے میں بارہ مستحکم قصبے ہسپانوی نیدر لینڈز میں لے لیے۔ باقی رہا وارثت کا مسئلہ تو اس کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، بلکہ اسے ملتوی کر دیا گیا۔

دوسری جنگ: (1672ء-1678ء)

لوئی کو ہالینڈ کے خلاف عام غصہ تو تھا ہی، اس میں اس وجہ سے اضافہ ہو گیا کہ فرانس کے جو سیاسی مصنف اور محرر اپنے ملک میں رہ کر آزادانہ تحریریں نہ چھاپ سکتے تھے، وہ ہالینڈ چلے جاتے اور وہاں کی حکومت کی پناہ میں بیٹھ کر جو چاہتے لکھتے۔ کوئی چاہتا تھا کہ کسی طرح ہالینڈ کو یا تو ختم کر دے یا ایسی سزا دے کہ پھر اس قسم کی حرکت اس سے سرزد نہ ہو۔ چنانچہ اس نے چارلس دوم شاہ انگلستان سے خفیہ معاہدہ کر کے (معاہدہ ڈوور)، سویڈن، ہالینڈ اور انگلستان کے معاہدے میں رخنہ ڈال دیا تھا۔ 1672ء میں سویڈن سے بھی الگ معاہدہ کر لیا اور جرمنوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ بیس ہزار جرمن اس کے ہمراہ ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ 1672ء میں لوئی نے جنوبی ہالینڈ کو بہ آسانی فتح کر لیا۔ ہالینڈ کی جمہوری پارٹی کے لیڈر مارے گئے اور ولیم اورنج کو سلطنت کا رئیس قرار دیا گیا۔ نہروں کا پانی کھول کر ہالینڈ کو بچایا گیا، نیز ولیم اورنج نے برینڈن برگ کے رئیس فریڈرک ولیم سے معاہدہ کر لیا۔ ہسپانیہ بھی بعد ازاں اس اتحاد میں شامل ہو گیا۔

غرض لڑائی نشیب و فراز کے ساتھ جاری رہی۔ کبھی کسی فریق کا پانسا اونچا ہو جاتا، کبھی کسی کا۔ فرانس نے بحیرہ روم میں ولندیزی بیڑے کو بھی شکست دی۔ آخر 1678ء میں صلح کے لیے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ یہ صلح چونکہ متعدد ملکوں کے درمیان ہوئی تھی اور معاہدے بھی متعدد تھے، اس لیے تاریخ میں انھیں "معاہدات نم ویجن" (Nim Wegen) کہتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے:

(1) فرانس اور ہالینڈ کے درمیان 10 اگست 1678ء کو معاہدہ ہوا۔

(2) ہسپانیہ اور فرانس کے درمیان 17 ستمبر 1678ء کو۔

(3) آسٹریا، فرانس اور سویڈن کے درمیان 6 فروری 1679ء کو۔

(4) ہالینڈ اور سویڈن کے درمیان 12 اکتوبر 1679ء کو۔

(5) فرانس اور ڈنمارک کے درمیان 2 ستمبر 1679ء کو یہ معاہدہ فون تین بلو (Fontainebleau) میں ہوا۔

(6) ڈنمارک اور سویڈن کے درمیان 26 ستمبر 1679ء کو یہ معاہدہ بہ مقام لنڈ (Lund) ہوا۔

ہالینڈ کو ان معاہدات کے مطابق وہ تمام علاقے واپس مل گئے جو اس سے چھنے تھے، لیکن یہ شرط قرار پائی کہ وہ کامل غیر جانبدار رہے۔ ہسپانیہ اور آسٹریا نے مختلف علاقے فرانس کے حوالے کیے۔ لوئی نے برینڈن برگ کے رئیس کو بھی مجبور کر کے وہ تمام علاقے واپس دلا دیئے جو سویڈن سے لیے گئے تھے۔ اس کے مقابلے میں مشرق فرائس لینڈ (Friesland) کا علاقہ دے دیا گیا۔ اس وقت لوئی کی عظمت نقطہ کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔

1673ء میں پھر ہسپانوی نیدر لینڈز پر حملہ ہوا۔ لکسم برگ، ٹرائز (Trier) اور لورین فرانس نے سنبھال لیے۔ اس زمانے میں سلطنت ہیپس برگ بہت کمزور تھی۔ ترکوں کے ساتھ لڑائیوں نے اس کی قوت سلب کر لی تھی۔ 1684ء میں بیس سال کے لیے متارکہ ہو گیا۔

فرمان نانٹز کی تنسیخ:

1598ء میں ہنری چہارم شاہ فرانس نے نانٹز سے ایک فرمان جاری کیا تھا، جس کے مطابق پراٹسٹنٹوں کو کیتھولکوں کے برابر حقوق دے دیئے تھے۔ لوئی چہاردہم نے 18 اکتوبر 1685ء کو یہ فرمان منسوخ کر دیا اور حکم دے دیا کہ فرانس میں کوئی شخص نئے مذہب پر عمل نہ کر سکے گا۔ تمام بچوں کو کیتھولک مذہب کے مطابق تعلیم دی جائے گی۔ کسی شخص کو جو نئے مذہب کا حامی ہو، ملک سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہو گی۔ اس فرمان کے باوجود کم وبیش پچاس ہزار خاندان فرانس چھوڑ کر بیرونی ملکوں میں جا بسے۔ ان میں بڑے بڑے فوجی لیڈر بھی تھے، اہل علم و فضل بھی اور مشہور صنعت کار بھی۔ ان کے چلے جانے سے ملک کو سخت نقصان پہنچا اور انقلابی تحریک کی رفتار تیز ہو گئی۔ جو لوگ باہر نکلے تھے، ہالینڈ، انگلستان، برینڈن برگ (پروشیا) شمالی امریکہ اور جنوبی افریقہ میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ الساس کے پراٹسٹنٹوں کو پہلے مذہبی آزادی حاصل تھی، انھوں نے اپنی مذہبی آزادی برقرار رکھی۔

تیسری جنگ:

1688ء میں لوئی نے تیسری جنگ شروع کی جو 1697ء تک قائم رہی۔ اسے آگس برگ کی جمعیت (The League of Augsburg) کی جنگ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ فرانس کے خلاف لڑنے والوں نے آگس برگ کے مقام پر آپس میں اتحاد کر لیا تھا اور اس میں شہنشاہ آسٹریا، شاہ سویڈن، شاہ ہسپانیہ نیز بویریا، سیکسنی، پلیٹی نیٹ کے رئیس اور ولیم اور ینج بھی شامل تھے۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ پلیٹی نیٹ کے رئیس کی نرینہ اولاد باقی نہ رہی تھی۔ چارلس اس خاندان کا آخری فرد تھا، جو 1685ء میں فوت ہوا۔ اس کی بہن کی شادی لوئی کے بھائی ڈیوک آف اورلیانز سے ہوئی تھی۔ لوئی نے اپنی بھاوجہ کی طرف سے پلیٹی نیٹ کی خاندانی جاگیرات کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے علاوہ کولون کو آرچ بشپ کے متعلق بھی تنازعہ موجود تھا۔

اس وقت تک فرمان نانٹز کی تنسیخ سے پراٹسٹنٹ یورپ مشتعل ہو چکا تھا، اس لیے ان سب نے مل کر لوئی کے خلاف ایک جتھا بنالیا۔ ولیم اورنج اس وقت تک انگلستان کا بادشاہ بن چکا تھا۔ اس کی مدد سے جتھے کی قوت بہت بڑھ گئی۔ جنگ چھڑی تو زیادہ تر لڑائیاں نیدرلینڈ میں ہوئیں۔

فرانس نے آئرلینڈ کو بھی انگلستان کے خلاف اٹھانے کی کوشش کی۔ مئی 1692ء میں فرانسیسی بیڑے نے شکست کھائی اور بحری قوت میں فرانس کے بجائے برطانیہ نے برتری حاصل کر لی۔ لڑائیوں میں فتح وشکست کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی فرانس کامیاب ہوتا، کبھی اتحادیوں کو فتح حاصل ہوتی۔ آخر 30 دسمبر 1698ء کو فرانس، انگلستان، ہسپانیہ اور ہالینڈ کے درمیان معاہدہ ہو گیا جو معاہدہ روزک (Ryswick) کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق فرانس، انگلستان اور ہالینڈ فتوحات سے دست بردار ہو گئے۔ ولیم ثالث کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور شہزادی این اس کی جانشین قرار پائی۔ لوئی نے وعدہ کر لیا کہ وہ ولیم کے دشمنوں کو کوئی امداد نہ دے گا۔ یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ ہسپانوی نیدرلینڈز کے تمام بڑے بڑے قلعوں میں ولندیزی فوجیں رہیں گی۔ فرانس نے ہسپانیہ کے بھی وہ تمام مقامات چھوڑ دیئے جو معاہدہ نم ویجن کے وقت سے سنبھال رکھے تھے۔ صرف بیاسی مقامات اس سے مستثنیٰ رہے۔ ہالینڈ نے ہندوستان میں پانڈی چری کو فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا اور اس کے بدلے میں تجارتی حقوق لے لیے۔

30 اکتوبر کو شہنشاہ آسٹریا و جرمنی سے بھی صلح ہو گئی۔ فرانس نے الساس کے سوا تمام علاقے واپس کر دیئے۔ سٹراس برگ اسے مل گیا۔ زوے بروکن (Duchy of Zweibrucken) کی ریاست شاہ سویڈن کو دے دی گئی۔ لورین شہنشاہ لیوپولڈ کے حوالے کر دیا گیا۔ دریائے رہائن میں تجارتی جہاز رانی کی عام اجازت دے دی گئی۔

ہسپانیہ کے تاج وتخت کی جنگ: (1701ء-1714)

چارلس دوم شاہ ہسپانیہ فلپ چہارم کا بیٹا تھا۔ اس کے نرینہ اولاد کوئی نہ تھی، لہٰذا یہ سوال پیدا ہو گیا کہ تاج وتخت ہسپانیہ کا وارث کون ہے۔ وراثت کے دو پہلو تھے، ایک قانونی، دوسرا سیاسی۔ قانونی لحاظ سے وراثت کے حق دار یہ تھے: اول لوئی چہاردہم شاہ فرانس جو فلپ چہارم کی بڑی بہن کا بیٹا تھا اور اس کی شادی

فلپ چہارم کی بڑی بیٹی یعنی چارلس دوم کی بڑی بہن سے ہوئی تھی۔ دوسرا دعوے دار لیوپولڈ اول تھا، جو ہپس برگ خاندان کا شہنشاہ تھا۔ وہ فلپ چہارم کی چھوٹی بہن کا بیٹا تھا اور اس کی شادی فلپ کی چھوٹی بیٹی سے ہوئی تھی۔ تیسرا دعوے دار وراثت لیوپولڈ کا نواسا جوزف فرڈیننڈ تھا، جسے بویریا کی ریاست حاصل تھی۔ وہ چوتھی پشت میں فلپ چہارم کا نواسا تھا۔ لوئی چہاردہم کی بیگم کے متعلق یہ لکھا جا چکا ہے کہ اس نے شادی کے وقت پانچ لاکھ کراؤن کے جہیز کے بدلے تخت کے دعوے سے دست برداری اختیار کر لی تھی، لیکن لوئی نے کہہ دیا تھا کہ جہیز وصول ہی نہیں ہوا، لہٰذا دست برداری بھی کالعدم ہو گئی، نیز پیرس کی پارلیمنٹ نے اس دست برداری کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ باقی رہا لیوپولڈ تو اس ماں یا اس کی بیوی نے دست برداری کا اقرار ہی نہ کیا تھا، بلکہ اپنا حق دعویٰ بحال رکھا تھا۔

اس معاملے کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ یورپ میں قوتوں کا توازن بحال رہنا چاہیے اور کسی ایک ملک کو اتنی طاقت حاصل نہ ہونی چاہیے جو باقی ملکوں کے لیے مصیبت کا باعث بن جائے۔ اس مصلحت کے پیش نظر انگلستان، ہالینڈ یا اس قسم کے دوسرے ملک نہ اس امر پر راضی ہو سکتے تھے کہ ہسپانیہ کا تخت فرانس کو مل جائے، نہ اس پر راضی ہو سکتے تھے کہ یہ تخت آسٹروی شہنشاہوں کے حوالے کر دیا جائے۔ لوئی چہاردہم اور شہنشاہ لیوپولڈ بھی معاملے کے اس پہلو سے ناواقف نہ تھے، لہٰذا لیوپولڈ نے اپنے لیے ہسپانیہ کے تخت کا مطالبہ نہ کیا، بلکہ اپنے چھوٹے بیٹے چارلس کے لیے کیا، جو ہسپانوی شہزادی کے بطن سے نہیں، بلکہ ایک اور بیوی کے بطن سے تھا۔ اسی طرح لوئی نے بھی اپنے لیے یا اپنے ولی عہد کے لیے نہیں، بلکہ چھوٹے پوتے فلپ کے لیے کیا۔

ہسپانوی تخت کے دعوے دار

فلپ دوم (شاہ ہسپانیہ)

میریا اینا — فلپ چہارم — اینا

زوجہ شہنشاہ فرڈیننڈ سوم — جس کی شادی لوئی سیزدھم شاہ فرانس سے ہوئی

دوسری بیوی شہنشاہ — مارگریٹ تھیرسا — چارلس سوم — میریا تھریسا — لوئی چہارم

الی نورائیو برگ — لیوپولڈ اوّل — لوئی ولی عہد

میریا انتائے نت

زوجہ عمانوئیل — فلپ شہزادہ آنجو

رئیس بوریا — بعد ازاں فلپ پنجم شاہ ہسپانیہ

جوزف فرڈیننڈ

رئیس بوریا

وفات 1699ء

شہنشاہ چارلس ششم — شہنشاہ جوزف اوّل

1711ء-1740ء — 1708ء-1711ء

باہم سمجھوتے:

11 اکتوبر 1698ء کو دعوے داروں کے درمیان ایک سمجھوتا ہو گیا، جس کے مطابق قرار پایا کہ چارلس دوم شاہ ہسپانیہ کی وفات پر ہسپانیہ، انڈیز اور نیدر لینڈز شہزادہ بوریا کو ملیں۔ نیپلز، سسلی، ٹسکنی کی بندرگاہیں اور ایک اور صوبہ ولی عہد فرانس کے حوالے کیے جائیں۔ میلان کی ریاست شہنشاہ لیوپولڈ کے بیٹے چارلس کو دے دی جائے۔ اس سمجھوتے کے متعلق خود شاہ ہسپانیہ کو کوئی خبر نہ تھی۔ اسے علم ہوا تو ظاہر ہے کہ غصہ آنا لازم تھا، زیادہ تر اس لیے کہ سلطنت کا پارہ پارہ ہونا اسے ہرگز منظور نہ تھا۔ لہٰذا اس نے شہزادہ بوریا کو اپنی پوری سلطنت کا تنہا وارث بنا دیا، جس کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ یہ فیصلہ چونکہ قوتوں کے توازن کے خلاف نہ تھا اس لیے انگلستان وغیرہ نے بھی اسے منظور کر لیا۔

مگر سوء اتفاق سے پانچ مہینے بعد شہزادہ بوریا فوت ہو گیا۔ اس پر پھر ساز باز اور جوڑ توڑ جاری ہو گئے۔ 13 مارچ 1700ء کو پھر ایک معاہدہ ہوا۔ اس کے مطابق ہسپانیہ اور انڈیز چارلس ہپس برگ کے حوالے کر دیئے گئے۔ نیپلز اور سسلی کے علاوہ لورین کا علاقہ ولی عہد فرانس کو دے دیا گیا۔ لورین کے رئیس کو ریاست میلان کا ڈیوک بنا دیا گیا۔

شاہ ہسپانیہ کا رجحان ابتداء میں آسٹریا کی طرف تھا۔ یکا یک اس نے ایک وصیت مرتب کی اور اس کے مطابق لوئی چہاردہم شاہ فرانس کے پوتے فلپ کو پوری سلطنت کا وارث بنا دیا۔ کچھ دیر بعد شاہ ہسپانیہ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر لوئی چہاردہم نے اپنے معاہدے کا کوئی خیال نہ رکھا، جس پر سارے ملکوں کو راضی کیا گیا

تھا۔ متوفی بادشاہ کی وصیت کے مطابق اپنے پوتے کی وراثت کا اعلان کر دیا گیا اور اسے فلپ پنجم کا لقب دے کر ہسپانیہ روانہ کر دیا۔

فرانس کے خلاف اتحاد:

اس پر تمام ملکوں میں ایک سراسیمگی سی پھیل گئی۔ انگلستان اور ہالینڈ نے شہنشاہ لیوپولڈ کا ساتھ دیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ نیدر لینڈز اور اٹلی میں ہسپانیہ کے جو مقبوضات ہیں، وہ جلد سے جلد آسٹروی شہنشاہ کے قبضے میں جو مقبوضات فرانس نے سیوائے اور مانچو آ کے رئیسوں، نیز بویریا اور کولون بھی آسٹریا کا ساتھ دیا۔ پرتگال بھی اسی جتھے میں شامل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد سیوائے بھی فرانس کا ساتھ چھوڑ کر مخالف جتھے کا رکن بن گیا۔ لڑائیاں شروع ہوئیں تو دو شخصوں نے بڑی نمایاں حیثیت حاصل کی: ایک یوجین شہزادہ سیوائے، دوسرا جان چرچل جسے ڈیوک آف مارلبرو کا خطاب ملا۔ اگرچہ یہ جنگ ہسپانیہ کے تاج و تخت کے لیے تھی، لیکن میدان جنگ کی حیثیت میں ہسپانیہ قطعاً قابل توجہ نہیں۔ زیادہ تر لڑائیاں اٹلی، نیدر لینڈ اور جرمنی میں ہوئیں۔

لڑائیاں:

لڑائیوں کی مختصر سی کیفیت یہ ہے:

(1) 1701ء میں شہزادہ سیوائے نے اٹلی پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔

(2) 1702ء میں ایک لڑائی ہوئی جو فیصلہ کن نہ تھی۔ اس کے بعد فرانس کو چند سال تک اٹلی میں فوقیت حاصل رہی۔

(3) بویریا کی فوج نے ٹائرول پر حملہ کیا، مگر شکست کھائی۔

(4) مارلبرو نے ہسپانوی نیدر لینڈز پر حملہ کیا۔

(5) ہیپس برگ شہزادہ چارلس ہسپانیہ پہنچ گیا۔ وہاں اس نے چارلس سوم کے لقب سے قدم جما لیے۔

(6) 1704ء میں انگریزوں نے جبل طارق پر قبضہ کر لیا۔

(7) 13 اگست 1704ء کو یوجین او مارلبرو نے بلینہائم (Blenheim) میں فرانسیسیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

(8) 1706ء میں چارلس نے میڈرڈ لے لیا، لیکن تھوڑی دیر بعد اسے چھوڑنا پڑا۔

(9) مارلبرو نے ریمی لیز (Ramillies) میں فتح حاصل کی (23 مئی 1706ء) اور یوجین نے تورین (Turin) میں فرانسیسیوں کو شکست دی (7 ستمبر 1706ء)

(10) 11 جولائی 1708ء کو مارلبرو اور یوجین نے اودی نارد (Oudenarde) میں کامیابی حاصل کی۔

صلح کے لیے گفت وشنید:

اتحادیوں کا مطالبہ یہ تھا کہ ہسپانوی سلطنت ہپس برگ شہزادے کو دے دی جائے۔ نیدر لینڈز کی سرحد پر جو قلعے ہیں وہ ہالینڈ کے حوالے کر دیئے جائیں۔ انگلستان کی ملکہ این کو جائز وارث مان لیا جائے، نیز تسلیم کر لیا جائے کہ انگلستان کا بادشاہ ہمیشہ پراٹسٹنٹ ہوگا۔ خاندان سٹوارٹ کا جو دعوی دار فرانس میں بیٹھا ہے، اسے نکال دیا جائے۔ لوئی چہاردہم یہ شرطیں ماننے کے لیے تیار تھا، لیکن جب اسے سے مطالبہ کیا گیا کہ فرانسیسی فوج بھیج کر اپنے پوتے کو ہسپانیہ سے نکالے تو اس نے انکار کر دیا اور گفت وشنید ختم ہوگئی۔ اس پر لڑائی از سر نو چھڑ گئی۔ مارلبرو اور یوجین نے 11 ستمبر 1709ء کو مال پلاکوے (Malplaquet) کے مقام پر فرانسیسیوں کو شکست دی، لیکن ان کی قوت پر کوئی کاری ضرب نہ لگی۔ میدان جنگ میں بیس ہزار اتحادی مارے گئے اس پر انگلستان کے عوام وھگ پارٹی کے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ اگست 1710ء میں وہگ پارٹی کی وزارت ختم ہوگئی۔ ادھر پھر صلح کے لیے بات چھڑ گئی۔ لوئی تیار تھا کہ جو فوج اس کے پوتے کے خلاف بھیجی جائے اس کا خرچ خود ادا کر دے گا، لیکن اتحادی کہتے تھے کہ وہ اپنی فوج بھیج کر پوتے کو ہسپانیہ سے باہر نکالے۔ اس اثناء میں چند واقعات ایسے پیش آئے جس سے صورت حال بالکل بدل گئی۔ اول 1711ء میں ہپس برگ شہنشاہ جوزف فوت ہوگیا اور چارلس اس کی جگہ شہنشاہ بن گیا۔ اب کوئی بھی اسے ہسپانیہ کی سلطنت دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ دوسرے مالبرو کو کمان سے ہٹا دیا گیا اور فرانسیسیوں نے انگریزوں پر فتوحات حاصل کیں۔

معاہدہ یوٹریکٹ:

چنانچہ ان حالات میں جو صلح ہوئی وہ فرانس کے لیے خاصی سازگار تھی۔ یہ یوٹریکٹ (Utrecht) کے مقام پر 11 اپریل 1713ء کو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

(1) لوئی چہاردہم کے پوتے فلپ کو ہسپانیہ اور اس کی نوآبادیوں کا بادشاہ مان لیا گیا، مگر یہ تسلیم کرایا گیا کہ

فرانس اور ہسپانیہ کے علاقے کبھی یکجانہ ہوں گے۔

(2) فرانس نے نیوفاؤنڈ لینڈ اور نواسکوشیا کے علاوہ ہڈسن بے (Hudson Bay) کا علاقہ انگلستان کے حوالے کر دیا۔ ہسپانیہ نے جبل طارق اور جزیرۂ منورقہ انگلستان کو دے دیے، نیز اسے ٹھیکہ دے دیا کہ افریقہ سے غلاموں کے گروہ ہسپانوی نو آبادیوں میں پہنچاتا رہے۔ فرانس نے انگلستان میں پراٹسٹنٹ بادشاہوں کی جانشینی بھی منظور کر لی۔

(2) ہسپانوی نیدرلینڈ کا علاقہ ہالینڈ کے حوالے کر دیا گیا، لیکن ساتھ ہی فیصلہ کر دیا کہ سرحد کے متعلق تصفیے کے بعد اسے آسٹریا کو دے دیا جائے۔ سرحدی قلعوں میں ولندیزی فوج رکھنے کا فیصلہ ہو گیا۔ لل (Lille) فرانس کو دے دیا گیا۔ ڈنکرک کی قلعہ بندیاں ڈھادی گئیں۔

(4) ڈیوک آف سیوائے کو سسلی کی بادشاہی دے دی گئی، لیکن ہسپانیہ سے اسے دست بردار ہونا پڑا۔

(5) پروشیا کے شہزادے کے لیے شاہی خطاب کی تصدیق ہو گئی، نیز اسے نیوشاتل (Neuchatel) اور کچھ علاقے اور دے دیئے گئے۔

(6) جنوبی امریکہ میں پرتگالی مقبوضات کی حدوں کے متعلق جو جھگڑا تھا اس کا تصفیہ ہو گیا۔

لوئی پانزدہم: (1715ء-1774)

لوئی چہاردہم 1715ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا جو سلطنت کا ولی عہد تھا، 1711ء میں مر چکا تھا اور جس پوتے کو بڑے بیٹے کی وفات پر ولی عہدی کا منصب ملا تھا، وہ بھی 1712ء میں چل بسا، لہٰذا اس پوتے کا بیٹا لوئی پانزدہم کے لقب سے بادشاہ بنا جو کم سن تھا۔ لوئی کے بھتیجے ڈیوک آف اورلیانز کو نائب سلطنت بنایا گیا۔ اس زمانے میں انتظام کارڈینل دوبوئے (Dubois) کے حوالے تھا۔ اس نے لوئی چہاردہم کی خارجہ پالیسی کے برعکس انگلستان اور ہالینڈ سے معاہدے کر لیے اور ہسپانیہ سے دو سال جنگ جاری رکھی۔ 1720ء میں ہیگ کے مقام پر معاہدہ ہوا، اس کے مطابق سسلی کو ہپس برگ شہنشاہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بدلے میں سارڈینا ڈیوک سیوائے کو دے دیا گیا۔ پراٹسٹنٹوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ شروع ہوا۔

بادشاہ کی شادی اور نظم و نسق:

لوئی پانزدہم کی منگنی ہسپانیہ کی شہزادی سے ہوئی تھی اور شہزادی کو فرانس پہنچا دیا گیا تھا، لیکن لوئی نے

1725ء میں منگنی توڑ دی، شہزادی کو واپس بھیج دیا اور پولینڈ کے معزول شہنشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس پر ہسپانیہ کے بادشاہ کو سخت غصہ آیا، لیکن اس زمانے میں لوئی اپنے اطالیق کارڈینل فلیوری (Fleury) کے زیر اثر تھا جو چاہتا تھا کہ بوربون خاندان کے تمام عناصر کو دربار سے نکال دے۔

ڈیوک آف اورلیانز کے بعد کچھ مدت تک ڈیوک آف بوربون نے انتظام سنبھالے رکھا۔ پھر 1726ء سے 1743ء تک فلیوری ہی نظم ونسق کا مختار رہا۔ اس کے عہد میں عموماً امن قائم رہا اور ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی۔

1733ء سے 1738ء تک پولینڈ کے تخت کے لیے جنگ جاری رہی۔ فرانس، ہسپانیہ اور سارڈینا نے اس جنگ میں حصہ لیا اور فرانس نے علاقہ لوربن پر قبضہ کر لیا۔

1740ء سے 1748ء تک آسٹروی تاج وتخت کے لیے جنگ جاری رہی۔ فرانس نے شہزادہ بربریا کے دعوے کی حمایت کی اور میریا تھریسا کے خلاف فریڈرک اعظم کا ساتھ دیا۔ اس وجہ سے انگلستان کے ساتھ بھی لڑائی چھڑ گئی، جس کے شاخسانے امریکہ اور ہندوستان میں بھی پھوٹے۔

1656ء میں ہفت سالہ جنگ چھڑی، جو 1763ء تک کاری رہی۔ اس مرتبہ فرانس نے پروشیا کے خلاف آسٹریا کا ساتھ دیا۔ اس جنگ میں فرانس کی بہت سی نوآبادیاں چھن گئیں۔

حالات کی خرابی:

فلیوری کی وفات کے بعد لوئی پانزدہم کے دربار میں ان عورتوں کو خاص اقتدار حاصل ہوگیا، جن سے بادشاہ نے تعلقات پیدا کر رکھے تھے۔ ان میں سب سے بڑھ کر شہرت مدام پمپادور کو حاصل ہوئی، جو 1745ء سے 1764ء تک برسر اقتدار رہی۔ پھر مدام دوبیری (Du Barry) مختار کل بن گئی، جو لوئی کے آخری سانس تک سیاہ فام کی مالک رہی۔

لوئی کے عہد حکومت میں پارلیمنٹوں کے ساتھ جھگڑے جاری رہے۔ خصوصاً پیرس کی پارلیمنٹ یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ کی طرف سے جو فرمان جاری ہوتے ہیں، ان کا جائزہ قانونی حیثیت سے لینا چاہیے۔ 1771ء میں پارلیمنٹیں توڑ دی گئیں۔ غلے کی تجارت کے سلسلے میں اجارہ داری کا طریقہ اختیار کیا گیا، جس سے غلہ ملنے میں دقت پیش آنے لگی۔ اس کاروبار میں خود بادشاہ بھی شریک تھا، اس وجہ سے بادشاہی کے خلاف ناراضی کی لہریں تیز تر ہوتی رہیں اور پورے دور میں حکومت کے خلاف حملوں کا سلسلہ روز افزوں ہوتا گیا۔ 1874ء میں لوئی پانزدہم نے وفات پائی۔

لوئی شانزدہم: (1774ء-1792ء)

متوفی بادشاہ کا ولی عہد 1765ء میں فوت ہو چکا تھا، لہٰذا اس کا بڑا پوتا لوئی شانزدہم کے لقب سے بادشاہ بنا۔ اس کی شادی آسٹریا کی شہزادی ماری انتائے لٹ سے ہوئی تھی۔ یہ ملکہ پہلے ہی ہردل عزیز نہ تھی، پھر اس کے متعلق بعض داستانیں عوام میں پھیل گئیں۔ ان کی وجہ سے ان کی مخالفت بڑھ گئی۔ پہلے ترگو (Turgot) وزیر مالیات رہا اور اس نے اقتصادی اصلاح کی۔ دو سال بعد وہ برطرف ہوا تو سوئٹزرلینڈ کا ایک ماہر مالیات نیکر (Necker) وزیر مالیات بن گیا۔ اس نے بھی ایک حد تک اصلاحات کیں۔ وزیر جنگ نے فوج کی حالت سدھاری۔ خصوصاً توپ خانے پر خاص توجہ کی۔ 1778ء میں فرانس ریاست ہائے امریکہ کی جنگ آزادی میں شریک ہوا۔ اس جنگ میں جو مصارف اسے برداشت کرنے پڑے ان کی وجہ سے مالی حالت بہت خراب ہوگئی۔ چنانچہ 1781ء میں نیکر کو الگ کیا گیا۔ اس کے بعد سات سال تک برابر یہ کوششیں جاری رہیں کہ مالی مسئلے کا کوئی ایسا حل نکل آئے، جو ملی مالیات کو اطمینان بخش شکل دے دے، لیکن کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اصل علاج یہ تھا کہ ان گروہوں پر بھاری ٹیکس لگائے جاتے، جنھیں خاص حقوق حاصل تھے، مثلاً امراء، سرکاری افسر، پادری یا عوام کے اونچے طبقے۔ یہ لوگ ہر ایسے اقدام کی مخالفت کرتے تھے اور عوام کے لیے بوجھ ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ معاملے کے اس پہلو پر کسی نے توجہ نہ کی اور اصلاح نہ ہو سکی۔

ممتاز اصحاب کی مجلس:

22 فروری 1787ء کو ممتاز اصحاب (Assembly of Notagles) کی مجلس ورسائی میں بلائی گئی۔ یہ محض مشورتی مجلس تھی اور اس کے لیے کوئی خاص دستوری نمونہ موجود نہ تھا۔ 25 مئی کو اسے توڑ دیا گیا۔ اس اثناء میں یہ کوئی اصلاحی کام انجام نہ دے سکی۔ حکوم کی روش یہ تھی کہ اپنا اقتدار بحال رکھے اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے کرے۔ عوام حکومت کے خلاف تھے اور رائے عامہ کی مخالفت لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی، یہاں تک کہ جو شخص حکومت کے خلاف کھڑا ہو جاتا تھا، اسے عوام ہیرو بنا لیتے تھے۔ جھگڑے بڑھتے گئے۔ کاروبار میں قدم قدم پر تعطل پیدا ہوتا گیا۔ برین (Brienne) کو وزیر مال بنایا گیا تو اس نے نئے قرضے تجویز کیے۔ آخر بادشاہ اور اس کے مشیروں نے فیصلہ کیا کہ قرون وسطیٰ کی اس مجلس کو طلب کیا جائے، جسے مجلس عمومی کبیر[1] کہا جاتا تھا۔ 1614ء کے بعد اس کا کوئی اجلاس نہ ہوا تھا۔ اگست 1788ء میں برین نے استعفیٰ دے دیا اور نیکر کو وزیر مال بنایا گیا تا کہ وہ مجلس عمومی کبیر کے انعقاد کا انتظام کرے۔

ہسپانیہ و پرتگال

ہسپانیہ:

1659ء میں پیرنیز کا معاہدہ ہوا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس وقت سے یورپ میں ہسپانیہ کی ممتاز حیثیت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ فرانس کو اقتدار کی پوزیشن مل گئی۔

سترہویں صدی میں دو بڑی لڑائیاں پیش آئیں۔ ان دونوں کے حالات فرانس کے سلسلے میں تفصیلاً پیش کیے جاچکے ہیں اور انھیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

1713ء میں یہ قانون جاری کر دیا گیا کہ ہسپانیہ کا تخت کسی عورت کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

1714ء میں رسٹاف (Rastatt) کا معاہدہ ہوا، جس کے مطابق آسٹریا سے جنگ ختم ہوئی۔ ہسپانیہ نے نیدرلینڈ، لکسم برگ اور اٹلی میں اپنے مقبوضات چھوڑ دیئے۔

بوربون بادشاہ:

معاہدۂ یوٹریکٹ کے بعد لوئی چہاردہم شاہ فرانس کا پوتا فلپ ہسپانیہ کا مستقل بادشاہ بن گیا تھا اور وہاں اسے بوربون خاندان کی بنیاد رکھ دی تھی۔ 1714ء میں فلپ کی پہلی بیوی کی وفات پر دوسری شادی ایلزبتھ سے کی۔ یہ بڑی سرگرم اور حریص عورت تھی۔ اس نے بادشاہ کو اپنے زیر اثر کیا اور اٹلی میں آسٹریا کی قوت کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ اپنے بچوں کے لیے اٹلی میں تاج و تخت کا انتظام کرے۔ اس کے برعکس فلپ کو امید تھی کہ کسی وقت اسے فرانس کا تخت مل جائے گا۔ چنانچہ وہ فرانس کے نائب السلطنت ڈیوک آف اورلیانز کے خلاف سرگرم کار تھا۔ اس طرح ہسپانیہ نے اپنی سرگرمیوں سے فرانس اور آسٹریا دونوں کو دشمن بنالیا۔ 1718ء میں انگلستان، فرانس، ہالینڈ اور آسٹریا نے باہم جمعیت کا بندوبست کرلیا، تاکہ فلپ کو طے شدہ امور میں ردوبدل سے روکیں۔ برطانوی بیڑے نے آسٹریا کی فوج سسلی میں اتاردی اور فرانس نے ہسپانیہ پر حملہ کر دیا۔ آخر ہیگ کے معاہدے کے مطابق جنگ ختم ہوئی۔ فلپ اٹلی پر تمام دعوؤں سے دست بردار ہوگیا۔ آسٹریا نے وعدہ کرلیا کہ وہ ایلزبتھ کے بیٹے چارلس کو پارما، پیاسنزا (Piacenza) اور ٹسکی کے علاقے دلانے کی کوشش کرے گا۔

1724ء میں فلپ نے تخت چھوڑ دیا اور اس کا بیٹا بادشاہ بنا۔ وہ ایک ہی سال میں مرگیا، لہٰذا پھر فلپ نے تمام انتظامات سنبھال لیے۔

انگلستان اور فرانس سے جنگ:(1727ء-1729)

معاہدہ اشبیلیہ کے مطابق فیصلہ ہوا اور شاہ فلپ کا بیٹا چارلس اطالوی ریاستوں کا مالک بنا۔(1731ء)

پولینڈ کے تاج وتخت کے لیے جنگ:(1733ء-1737)

ہسپانیہ نے آسٹریا کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا اور ایک فوج بھیج کر نیپلز اور سسلی پر قبضہ کر لیا۔ معاہدہ ویانا کی رو سے اس جنگ کا فیصلہ ہوا۔

فلپ کے جانشین:

فلپ کے بعد پہلے اس کا بیٹا فرڈیننڈ ششم، پھر چارلس سوم جانشین ہوئے۔ چارلس سوم کے بعد اس کا بیٹا چارلس چہارم تخت پر بیٹھا۔ اسی کے زمانے میں جھگڑے شروع ہو گئے اور نپولین نے چارلس اور اس کے بیٹے سے دست برداری لے کر 6 جون 1807ء کو اپنے بھائی جوزف کے لیے ہسپانیہ کی بادشاہی خالی کرا لی۔

1762ء میں ہسپانیہ نے انگلستان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے کیوبا اور فلپینز پر قبضہ کر لیا۔ معاہدہ پیرس (فروری 1763ء) کے مطابق تمام علاقے ہسپانیہ کو واپس مل گئے لیکن فلوریڈا اور منورقہ چھن گئے۔

یکم مارچ 1767ء کو یسوعی فرقے کے تمام آدمی ہسپانیہ سے خارج کر دیئے گئے۔ ان میں سے دس ہزار کو پاپائی جاگیروں میں پہنچا دیا گیا۔

جون 1779ء میں ہسپانیہ نے امریکہ کی جنگ آزادی میں انگلستان کے خلاف قبضہ لیا۔ 1783ء میں یہ جنگ ختم ہوئی تو انگلستان نے منورقہ اور فلاریڈا چھوڑ دیئے، البتہ جبل طارق پر قبضہ باقی رکھا۔

چارلس چہارم نے ہسپانیہ کو انقلاب فرانس سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور لوئی شانزدہم کو بچانے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن نتیجہ کچھ نہ کلا۔ 1792ء میں فرانس نے ہسپانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

1805ء میں ہسپانیہ فرانس کے خلاف شریک جنگ ہوا۔ انگریزی بیڑے نے ٹریفالگر[1] میں متحدہ فرانسیسی اور ہسپانوی بیڑے کو شکست دی۔

پرتگال:

پرتگال کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں۔ 1755ء میں ایک خوفناک زلزلہ آیا، جس میں دارالحکومت لزبن (Lisbon) بری طرح تباہ ہوا۔ زلزلے کے بعد شہر میں آگ لگ گئی۔ پھر دریائے تاجو (Tagus) میں طغیانی آ گئی۔ 1758ء میں بادشاہ، خصوصاً وزراء کے خلاف ایک سازش ہوئی، لیکن سازش کے بانی پکڑے گئے اور انھیں موت کی سزا ملی۔ 1759ء میں یسوعی فرقے کے تمام لوگوں کو نکال کر پاپائی جاگیروں میں پہنچا دیا گیا۔

1774ء میں پرتگال کا بادشاہ جوزف اول پاگل ہو گیا۔ تین سال اس کی بیوی حکومت کا کاروبار چلاتی رہی، پھر اس کی بیٹی میریا ملکہ بنی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی پاگل ہو گئی اور اس کا بیٹا جان کاروبارِ حکومت کا مختار رہا۔ اس نے پادریوں کی مدد سے انقلابی خیالات کو بڑی شدت کے ساتھ دبایا۔

1807ء میں فرانس اور ہسپانیہ نے پرتگال کو تقسیم کر لینے کا فیصلہ کیا۔ 30 نومبر کو فرانس کے جرنیل مارشل جونو (Junot) نے لزبن پر قبضہ کر لیا اور پرتگال کا شاہی خاندان برازیل بھاگ گیا۔

اٹلی

پاپائیت:

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں جو لوگ پاپائی کی مسند پر پہنچے، وہ ہر لحاظ سے قابل اور اہل تھے، لیکن زمانے کے حالات بدل چکے تھے اور یورپ میں فکر و نظر کی جو لہریں دوڑ گئی تھیں ان میں پاپائیت کے احترام کے لیے بہت کم گنجائش تھی۔ پھر بڑے بڑے شاعر خاندانوں میں پے در پے جھگڑے پیدا ہو رہے تھے اور پاپاؤں کے لیے مناسب یہی تھا کہ ان جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام شاہی خاندانوں کی امداد سے محروم ہو گئے۔ ایک مذہبی جھگڑا جینسن ازم [1] اور یسوعیت میں شروع ہو چکا تھا۔ پاپاؤں کو اس جھگڑے میں بھی ایک رائے دینی پڑی۔ اس سے بھی ان کے اقتدار پر سخت ضرب لگی۔ غرض انقلاب فرانس کے وقت تک پاپائیت کا ادارہ بالکل بے اثر اور مہمل بن چکا تھا اور عام خیال یہ ہو گیا تھا کہ اب اس کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی۔

قابل ذکر پاپا:

اس دور کے پاپاؤں میں سے صرف چند قابل ذکر ہیں، مثلاً:

انوسٹ یازدہم (1676ء-1689ء) اس نے پاپائی نظام کے مالی حالات درست کیے۔ خویش پروری کو روکا۔ پادریوں کی اخلاقی حالات کی اصلاح پر خاص زور دیا۔ آسٹریا نے ترکوں کے خلاف جنگ شروع کی تو اسے مالی امداد بھی دی، البتہ لوئی چہاردہم شاہ فرانس سے اس کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ لوئی نے فرانسیسی کلیساؤں کی ایک مجلس میں یہ فیصلہ کرالیا تھا کہ پاپاؤں کو دنیوی معاملات کے سلسلے میں بادشاہوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ مجلس عمومی جو فیصلہ کرے اس پوپ کے فیصلے پر ترجیح ہو گی اور پوپ کو بہر حال مجلس کے کیے ہوئے فیصلوں کی پابندی کرنی چاہیے، نیز وہ فرانسیسی کلیساؤں کے قواعد کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتا اور اس کے فیصلے آخری و قطعی نہیں۔

پوپ نے فرانس کے اسقفوں کی نامزدگی سے انکار کر دیا اور کم و بیش پینتیس اسقفی مسندیں خالی رہیں۔ فرانسیسی پراٹسٹنٹوں پر جو سختیاں ہو رہی تھیں، پوپ نے ان کی بھی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ شاہ فرانس کی مخالفت میں اس نے انگلستان کے بادشاہ ولیم سوم کی حمایت کی۔

دوسرا قابل ذکر پوپ انوسٹ دوازدہم (1691ء-1700ء) ہے۔ مذہبی عہدے عام طور پر پیسے

لے کر دیئے جاتے تھے۔ اس پوپ نے یہ عمل بالکل روک دیا۔ شاہ فرانس نے 1682ء میں کلیسائی مجلس کا جو فیصلہ لازم قرار دیا تھا، اسے منسوخ کر دیا تاکہ ہسپانوی تاج و تخت کی جنگ میں پوپ سے امداد حاصل ہو۔ چنانچہ پوپ نے بھی شاہ فرانس سے صلح کر لی۔

تیسرا قابل ذکر پوپ بنی ڈکٹ چہاردہم (1740ء17580ء) ہے۔ یہ بڑا عالم اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ والٹیر[1] اور مانٹسک[2] جیسے اہل علم سے بھی اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس نے زراعت و تجارت کو فروغ دینے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ مطلق العنان حکمرانوں سے تعلقات خوش گوار بنائے، اس لیے کہ انھوں نے اپنے اپنے دائروں میں قومی کلیسا قائم کر کے پاپائیت کی بنیاد کمزور کر دی تھی۔

آخری قابل ذکر پوپ پائیس ششم (1775ء-1799ء) ہے۔ اس نے شہنشاہ جوزف کو پادریوں کے خلاف پالیسی اختیار کرنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی، لیکن بہت جلد انقلاب فرانس سے سابقہ پڑا جس میں مذہب ہی کے لیے بہت کم گنجائش رہ گئی تھی۔ اسی کے زمانے میں نپولین نے اٹلی پر حملہ کیا اور 1798ء میں جمہوریت قائم کر دی۔ پوپ کو فرانس لے گئے۔ وہیں اس نے وفات پائی۔

مختلف ریاستیں:

پہلے کی طرح اس زمانے میں بھی اٹلی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں سے بعض کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج ہے:

(1) ریاست سیوائے:

اس کا ذکر مختلف یورپی جنگوں کے سلسلے میں پہلے آچکا ہے۔ بعد ازاں سیوائے کے رئیس کو سارڈینیا کی بادشاہی مل گئی تھی۔ فرانس میں انقلاب بپا ہوا تو اس بادشاہی پر بھی زد پڑی۔ شاہ سارڈینیا نے فرانس کے خلاف آسٹریا کا ساتھ دیا۔ 1796ء میں اس کی سلطنت فرانسیسی فوجوں نے پامال کر ڈالی۔ آخر بادشاہ کو آسٹریا کا ساتھ چھوڑ کر فرانس کا ساتھ دینا پڑا۔

(2) نیپلز:

اس کے متعلق آسٹریا اور ہسپانیہ کے درمیان بڑی دیر تک کشمکش جاری رہی۔ 1735ء میں چارلس چہارم (ابن فلپ پنجم شاہ ہسپانیہ) کو نیپلز اور سسلی کا بادشاہ بنایا گیا۔ پھر اس کا تیسرا بیٹا فرڈی ننڈ اول

کے لقب سے 1759ء میں بادشاہ بنا۔اس کے زمانے میں میریا تھیریسا ملکہ آسٹریا کی بیٹی میریا کرولینا نے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور ہسپانیہ کا اثر توڑ کر اس مملکت کو آسٹریا کا حامی بنادیا۔

(3)وینس:

وینس پر تنزل کا جو دور آچکا تھا وہ جاری رہا، البتہ کبھی کبھی ترکوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ پرانے زمانے سے امراء کا جو طبقہ وینس میں برسر اقتدار آگیا تھا، اس کا انداز حکومت یورپ کے نئے سیاسی حالات کے مطابق نہ تھا۔اس وجہ سے وینس کا زوال نہ رک سکا۔

(4)میلان:

یہ پہلے ہسپانیہ کے ماتحت رہا۔1713ء میں معاہدہ یوٹریکٹ کے مطابق آسٹریا کے حوالے ہوگیا۔ مانچوآ بھی اسی ریاست میں شامل تھا، لیکن 1701ء میں اسے شاہ فرانس کے ہاتھ فروخت کردیا گیا تھا۔

(5)جنوآ:

جنوآ کی جمہوریت قائم رہی، لیکن اس پر فرانس، آسٹریا اور سیوائے کی یورشیں جاری رہیں۔

(6) کارسیکا:

کارسیکا نے جنوآ کے خلاف 1730ء میں بغاوت کی۔پھر ایک طالع آزما جرمن وہاں پہنچ کر بادشاہ بن گیا۔آخر فرانس سے مدد طلب کی گئی۔اس وقت پاؤلی 1 اہل کارسیکا کا لیڈر تھا۔1768ء میں فرانس نے اس جزیرے کو فتح کیا۔(یہ واقعہ اس وجہ سے بطور خاص قابل ذکر ہے کہ ایک سال بعد یہاں نپولین پیدا ہوا اور اسے پیدائش کے ساتھ ہی فرانسیسی قومیت مل گئی)

جرمنی

لیوپولڈ اول: (1658ء-1705)

لیوپولڈ اول شہنشاہ فرڈی ننڈ سوم کا بیٹا تھا۔ اس نے ایک مستقل پارلیمنٹ قائم کر دی، جس میں آٹھ الیکٹرا 1 انہتر رؤساء اور شہزادے نیز بڑے بڑے شہروں کے افراد بہ طور نمائندہ شریک ہوتے تھے۔

فرانس یا دوسرے ملکوں سے جو لڑائیاں ہوئیں، ان کی کیفیت پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

ترکوں سے برابر لڑائیاں جاری رہیں، یہاں تک کہ 1699ء میں ہنگری کو ترکوں سے آزاد کرا لیا گیا۔ صرف تھوڑا سا علاقہ باقی رہ گیا، لیکن طویل رزم و پیکار میں ہنگری بڑی حد تک برباد ہو چکا تھا اور اس کی آبادی بہت گھٹ گئی تھی۔ آہستہ آہستہ جرمن اور صرف اس میں آباد ہونے لگے۔ بڑے بڑے علاقے جرمن جرنیلوں اور سپاہیوں میں بانٹ دیئے گئے۔ مرکز حکومت ویانا تھا اور ہنگری کا پرانا دستور بالکل انداز کر دیا گیا۔

1701ء میں برینڈن برگ کے الیکٹر فریڈرک سوم کو پروشیا کا بادشاہ بننے کی اجازت دے دی گئی۔ تاریخ میں اسے پروشیا کا فریڈرک اول کہتے ہیں۔ کانبز برگ میں اس کی تاج پوشی ہوئی۔

1703ء میں اہل ہنگری نے رکوزکی کی سالاری میں آسٹریا کے خلاف بغاوت کر دی۔ بغاوت نے اتنا زور پکڑا کہ خود ویانا خطرے میں پڑ گیا۔ اس اثناء میں شہنشاہ لیوپولڈ کا انتقال ہو گیا۔ 1711ء میں صلح ہو گئی۔ ویانا نے مان لیا کہ ہنگری کے دستور کا احترام کیا جائے گا اور شکایات دور کر دی جائیں گی۔ رکوزکی نے ترکی میں جا کر پناہ لی اور وہاں 1735ء میں وفات پائی۔

چارلس ششم: (1711ء-1740ء)

لیوپولڈ کے بعد پہلے اس کا بڑا بیٹا جوزف اول، پھر چارلس ششم تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں فریڈرک اول شاہ پروشیا کے بیٹے فریڈرک ولیم اول نے جزرسی اور دانش مندی سے کام لے کر اعلیٰ درجے کی فوج تیار کر لی، جو پروشیا کی آئندہ عظمت کا ذریعہ بن گئی۔ اگرچہ اس کی مملکت کی آبادی کل پچیس لاکھ تھی، لیکن تراسی ہزار باقاعدہ فوج اس کے پاس موجود تھی۔

تاج وتخت کا فیصلہ:

چارلس ششم کے بھی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔صرف ایک بیٹی تھی،لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جو علاقے سلطنت میں شامل ہو چکے ہیں،ان کے الگ اور بٹ جانے کی نوبت نہ آئے۔چنانچہ ایک فرمان خاص کے ذریعے طے کر دیا کہ:

(1) جو علاقے سلطنت آسٹریا سے متعلق ہیں،وہ ہمیشہ کے لیے غیر منقسم رہیں گے۔

(2) اگر نرینہ اولاد نہ ہو تو پوری سلطنت میری میریا تھریسیا اور اس کے وارثوں کو ملے۔

(3) اگر اس کی نسل بھی ختم ہو جائے تو پھر میرے بھائی جوزف کی بیٹیاں اور ان کی اولاد پوری سلطنت کی وارث ہوں۔

یہ فرمان خاص 1713ء میں شائع ہوا تھا۔پھر اسے مختلف پوری حکومتوں سے منظور کرانے کے لیے سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔1723ء میں ہنگری کی پارلیمنٹ نے اسے منظور کر لیا۔بعد ازاں اکثر دوسری حکومتیں بھی اسے مان گئیں۔1725ء میں ہسپانیہ نے اس کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ساتھ ہی انگلستان فرانس اور یروشیا نے اس کے خلاف ایک جتھا بنا لیا۔اگرچہ کچھ دیر بعد یروشیا اس جتھے سے الگ ہو گیا اور اس نے آسٹریا سے معاہدہ کر لیا۔ہسپانیہ بھی آسٹریا کے ساتھ نہ رہا۔

تخت پولینڈ کے لیے جنگ:

پولینڈ کے بادشاہ آگسٹس دوم نے 1733ء میں وفات پائی تو اس تخت کا سوال سامنے آ گیا۔پولینڈ کی امراء کی اکثریت سٹانسلاس کے حق میں تھی،جس کی بیٹی لوئی پانزدہم شاہ فرانس سے بیاہی ہوئی تھی۔سٹانسلاس پہلے بھی ایک مرتبہ بادشاہ رہ چکا تھا،فرانس کے زیر اثر پھر اسی کا انتخاب عمل میں آیا۔روس اور آسٹریا نے یہ کوشش شروع کر دی کہ آگسٹس دوم کے بیٹے کو بادشاہ بنایا جائے۔فرانس،ہسپانیہ اور سارڈینیا نے سٹانسلاس کی حمایت میں فوجی قوت سے کام لیا۔ابتداء میں اٹلی میدان جنگ بنا۔اس جنگ میں لورین کے ڈیوک فرانسس سٹیفن نے بڑی سرگرمی سے آسٹریا کا ساتھ دیا۔1735ء میں صلح کی ابتدائی گفتگو شروع ہو گئی۔18 نومبر 1738ء کو معاہدہ صلح ہو گیا،جس کی شرطیں یہ تھیں:

(1) سٹارنسلاس نے تخت کا دعویٰ چھوڑ دیا اور اسے لورین کی ریاست دے دی گئی جو اس کی وفات پر فرانس کے حوالے ہوئی۔وہ 1766ء میں فوت ہوا۔

(2) لورین کے ڈیوک کو ٹسکنی کی ریاست دے دی گئی۔

(3) آسٹریا نے نیپلز، سسلی اور جزیرہ ایلبا، نیز بعض دوسرے علاقے ہسپانیہ کے بادشاہ چارلس چہارم کے چھوٹے بیٹے ڈان کارلس کے حوالے کر دیئے۔

(4) فرانس نے شہنشاہ کا فیصلہ وارثت قبول کر لیا۔

آسٹروی تاج و تخت کی جنگ:

1740ء میں پروشیا کا بادشاہ فریڈرک ولیم فوت ہوا تو اس کی جگہ فریڈرک دوم نے لی، جو فریڈرک اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ اسی سال شہنشاہ چارلس ششم نے وفات پائی اور اس کی بیٹی میریا تھیریسا نے فرانس سٹیفن سے شادی کی، جو ٹسکنی کا گرانڈ ڈیوک تھا۔ اس نے فرانس اول کا لقب اختیار کیا۔ ساتھ ہی آسٹروی تاج و تخت کے لیے جنگ شروع ہو گئی۔ میریا تھیریسا کے علاوہ تخت کے دعوے دار تین تھے:

(1) چارلس البرٹ، جو بوریا کا الیکٹر تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں شہنشاہ فرڈیننڈ اول کی بڑی بیٹی اینا کی اولاد میں ہوں۔

(2) فلپ پنجم شاہ ہسپانیہ۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ چارلس پنجم اور اس کے بھائی فرڈی ننڈ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں سلطنت کے جرمن علاقوں کا حق بازگشت محفوظ رکھا گیا تھا۔

(3) آگسٹس سوم والئی سیکسنی، جو چارلس کے بڑے بھائی جوزف اول کی بڑی بیٹی کا شوہر تھا۔

اس کے علاوہ فریڈرک دوم کا یہ دعویٰ تھا کہ سلیشیا کا بالائی علاقہ اسے مل جانا چاہیے اور جنگ میں وہ آسٹریا کا ساتھ دے گا۔

چنانچہ فریڈرک نے سلیشیا پر قبضہ کر لیا۔ ایک لڑائی میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ مئی 1741ء میں فرانس، بوریا اور ہسپانیہ نے آسٹریا کے خلاف خفیہ معاہدہ کر لیا۔ سیکسنی اور پروشیا بھی بعد ازاں اس میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ بوریا اور فرانس کی متحدہ فوجیں آسٹریا اور بوہیمیا پر حملہ آور ہوئیں اور چارلس ایلبرٹ نے فرینک فرٹ پہنچ کر اپنی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔

میریا تھیریسا نے ہنگری کے امراء سے اپنی فرماں روائی کی تصدیق کرائی۔ اہل ہنگری کے لیے ٹیکسوں سے معافی کا اعلان کر دیا۔ پھر اس نے دو بڑی فوجیں تیار کیں اور انگلستان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ایک آسٹروی فوج نے بوریا کو فتح کر لیا، دوسری نے پراگ پہنچ کر فرانسیسی فوج کے نرغے میں لے لیا۔

پروشیا سے فیصلہ:

میریا تھیریسا چاہتی تھی کہ فریڈرک سے فراغت پا کر باقی قوموں سے پنجہ آزمائی کرے۔ چنانچہ اس نے فریڈرک کے ساتھ معاہدہ کر لیا جس کے مطابق اس نے جتھے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ سلیشیا کے علاوہ کچھ اور علاقہ بھی اسے دے دیا گیا اور پروشیا نے سترہ لاکھ رکس ڈالر کا قرضہ اپنے ذمہ لے لیا۔

اس کے بعد بوہیمیا اور بوریا میں بڑی لڑائیاں ہوئیں، جن میں آسٹروی فوجوں نے کامیابی حاصل کی۔ یہ حالت دیکھ کر فریڈرک کو سراسیمگی پیدا ہوئی کہ کہیں سلیشیا دوبارہ اس سے چھین نہ لیا جائے۔ چنانچہ اس نے فرانس سے ازسر نو معاہدہ کر کے 1744ء میں دوبارہ جنگ شروع کر دی۔ وہ اسی ہزار فوج کے ساتھ بوہیمیا پہنچ گیا اور پراگ پر قابض ہو گیا، لیکن فرانسیسیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو اس بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس اثناء میں مشرقی فریس لینڈ کا علاقہ پروشیا کو مل گیا۔ اب آسٹریا، سیکسنی، انگلستان اور ہالینڈ نے پروشیا کے خلاف جتھا قائم کر لیا۔ عین اس موقع پر چارلس ایلبرٹ فوت ہو گیا اور اس کے بیٹے میکس ملین جوزف نے آسٹریا کے ساتھ الگ صلح کر لی، جس کے مطابق بوریا کا مفتوحہ علاقہ چھوڑ دیا گیا۔ شہزادے نے آسٹریا کے تخت کا دعویٰ ترک کر دیا اور وعدہ کیا کہ جب شہنشاہ کا انتخاب ہو گا وہ میریا تھیریسا کے شوہر کی حمایت کرے گا۔

آخری فیصلہ:

لڑائیاں جاری رہیں۔ کبھی ایک فریق کامیاب ہوتا کبھی دوسرا۔ 1745ء میں میریا تھیریسا کا شوہر شہنشاہ منتخب ہوا۔ اسی سال پروشیا کے ساتھ آسٹریا کا معاہدہ ہو گیا جس کے مطابق سلیشیا کے متعلق ابتدائی معاہدے کی تصدیق کر دی گئی۔ فریڈرک نے فرانس اول کو شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ سیکسنی نے دس لاکھ رکس ڈالر پروشیا کو ادا کیے۔

باقی محارب لڑائیوں میں لگے رہے۔ پھر روس کی ملکہ ایلزبتھ نے بھی میریا تھیریسا کی حمایت میں فوج بھیج دی۔ اکتوبر 1748ء میں ایکس لاشپیل کے مقام پر آخری صلح ہوئی، جس کے مطابق تمام فریق فتوحات سے دست بردار ہو گئے۔ پارما اور پیاسنزا کے علاقے ہسپانوی شہزادے کو دے دیئے گئے۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ سلیشیا پروشیا کے پاس رہے گا۔ آسٹریا کے تاج و تخت کے لیے جو فرمان میریا تھیریسا کے باپ نے جاری کیا تھا، اس کا احترام کیا جائے گا۔ خاندان ہینووا کو جرمنی کے علاقے بھی حاصل رہے اور برطانیہ کلاں کی بادشاہی بھی۔

ہفت سالہ جنگ: (1756ء-1763ء)

اس کا سبب یہ ہوا کہ ایکس لاشپیل کے معاہدے سے پیشتر ملکہ میریا تھیریسا نے مئی 1746ء میں روس کی ملکہ ایلزبتھ سے معاہدہ کر لیا تھا، جو فریڈرک اعظم کی سخت دشمن تھی۔ اس معاہدے میں بعض خفیہ دفعات بھی تھیں، مثلاً یہ کہ سلیشیا کے علاقے کو خاص حالات کے ماتحت دوبارہ آسٹریا سے ملا دیا جائے گا۔ ستمبر 1750ء میں انگلستان کے بادشاہ جارج دوم کو ہینوور میں اپنی جاگیرات کے متعلق تشویش پیدا ہوئی اور وہ بھی اس معاہدے میں شامل ہو گیا، لیکن خفیہ دفعات اس کے سامنے نہ آئیں۔ سیکسنی نے بھی اس پر دستخط کر دیئے۔ پھر سلطنت آسٹریا کے چانسلر نے لوئی پانزدہم کی محبوبہ مدام پمپادور کے ذریعے سے فرانس اور آسٹریا میں صلح کرا دی اور فرانس کو آسٹریا کی حمایت پر آمادہ کر لیا۔ اس طرح فرانس کے دربار میں ایک جماعت فریڈرک کے مخالفوں کی بن گئی۔

1755ء میں میریا تھیریسا نے انگلستان کو روس کے ساتھ نئے معاہدے پر آمادہ کر لیا، لیکن اسی سال فرانس اور انگلستان کے درمیان شمالی امریکہ کے متعلق جنگ چھڑ گئی۔ اس پر جارج دوم کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں فرانس ہینوور پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے جنوری 1756ء میں فریڈرک سے غیر جانبداری کا معاہدہ کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر فرانس حملہ کرے تو فریڈرک کی طرف سے ہینوور کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ اس معاہدے نے انگلستان اور روس کے درمیان پھوٹ ڈال دی۔ کیسٹریا نے فریڈرک اور جارج کے معاہدے سے فائدہ اٹھا کر فرانس کے ساتھ دفاعی عہد نامہ کر لیا۔ جون 1756ء میں انگلستان و فرانس کے درمیان یورپ کے اندر بھی جنگ شروع ہو گئی۔ فریڈرک کو مختلف طاقتوں کے جوڑ توڑ کا پورا علم تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ روس اور فرانس چاہیں بھی تو فوراً اس کے خلاف اقدام نہ کر سکیں گے، لہٰذا اس نے اچانک کاربرآری کا فیصلہ کر لیا۔ سڑسٹھ ہزار فوج کے ساتھ سیوائے پر حملہ آور ہوا اور ڈریسڈن لے لیا۔ کچھ دیر بعد آسٹریا کو شکست دی۔ چند ہی روز میں سیکسنی کی اٹھارہ ہزار فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس پر آسٹریا کی طرف سے فریڈرک کے خلاف اعلان جنگ ہو گیا۔ ہینوور، ہیس، برنزوک اور گوتھا، پروشیا کے ساتھ رہے، روس و آسٹریا نے پروشیا کو باہم بانٹ لینے کا معاہدہ کر لیا۔ آسٹریا اور فرانس کے درمیان جارحانہ اقدام کا سمجھوتا ہو گیا۔

مختلف لڑائیاں:

یہ جنگ سات سال جاری رہی۔ اس میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں، جن کی مختصر کیفیت یہ ہے:

(1) فریڈرک نے بوہیمیا پر حملہ کیا، آسٹریا پر فتح حاصل کی، پراگ کا محاصرہ کر لیا، لیکن کولن (Kolin) کی

جنگ میں شکست کھائی اور بوہیمیا خالی کر دیا۔

(2) فرانسیسیوں نے انگریزوں پر فتح حاصل کی اور ہینوور پر قبضہ کر لیا۔

(3) 30 ستمبر 1757ء کو روسیوں نے مشرقی پروشیا پر حملہ کیا اور فریڈرک کی فوج کو شکست دی، تاہم انھوں نے اس کامیابی سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور پیچھے ہٹ گئے۔ البتہ اہل سویڈن نے پومیرینیا پر قبضہ کر لیا اور جنگ میں روسیوں کی اعانت کا وعدہ کیا۔

(4) 5 نومبر 1757ء کو فریڈرک نے راس باخ (Rossbach) کی جنگ میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

(5) اس کے بعد لیوتن (Leuthen) اور کریفلڈ (Crefeld) میں فریڈرک نے کامیابیاں حاصل کیں، لیکن ہاچ کرچ (Hochkirch) میں شکست کھائی (14 اکتوبر 1758ء)

(6) روسی پھر ایک مرتبہ جرمنی میں بڑھے اور فریڈرک کو منڈن (Minden) میں شکست دی۔ روسیوں اور آسٹریوں نے مل کر کنرس ڈارف (Kunersdorf) کی جنگ میں ایک اور فتح پائی، جس میں تیرہ ہزار اہل پروشیا گرفتار ہوئے۔

(7) غرض اسی طرح فریقین کے درمیان نشیب و فراز کا سلسلہ جاری رہا۔ 1761ء میں فریڈرک نے آسٹریا اور روس کی متحدہ فوج کے خلاف دفاعی جنگ کا طریقہ اختیار کر لیا۔ روسیوں اور آسٹریوں کی کامیابی جاری رہیں۔ جارج دوم شاہ انگلستان کی وفات پر فریڈرک انگریزی امداد سے بھی محروم ہو گیا اور اس کی حالت خاصی نازک ہو گئی۔

(8) عین اس حالت میں روس کی ملکہ الزبتھ فوت ہوئی اور اس کے جانشین پیٹر نے فریڈرک کے ساتھ صلح کر لی، جس میں تمام فتوحات چھوڑ دیں۔ ساتھ ہی سیوڈن اور پروشیا میں بھی صلح ہو گئی۔

(9) آخر آسٹریا، پروشیا اور سیکسنی میدان میں رہ گئے، اس لیے کہ فرانسیسی بھی اپنی فوجیں جرمنی سے واپس لے گئے تھے۔ 15 فروری 1763ء کو ہیوبرٹس برگ میں معاہدہ صلح ہوا۔ سلیشیا پروشیا کو مل گیا۔ پروشیا نے وعدہ کیا کہ شاہ روم کے انتخاب کے وقت وہ اپنا ووٹ آرچ ڈیوک جوزف کو دے گا۔ سیکسنی کا علاقہ بحال ہو گیا۔

فریڈرک کی تعمیری کوششیں:

ہفت سالہ جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پروشیا بھی یورپ کی ایک بہت بڑی طاقت بن گیا، لیکن لڑائیوں میں نقصان بہت ہو چکا تھا۔ فریڈرک نے نقصان کی تلافی کے لیے سرگرمی سے کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے مختلف علاقوں کے ٹیکس معاف کر دیئے۔ جگہ جگہ اضلاعی بنک بنا دیئے۔ برلن میں بحری تجارت کے لیے ایک کمپنی بنائی۔ تمباکو اور قہوے کی تجارت حکومت کے قبضے میں لے لی گئی۔ دریاؤں کے ساتھ ساتھ جو دلدلی زمینیں تھیں انھیں خشک کر کے کھیتی باڑی کے قابل بنایا گیا۔ نہروں کا انتظام ہوا۔ ملکی قانون ایک مجموعے کی شکل میں مرتب کر دیا گیا۔

بویریا کے متعلق جھگڑا:

1777ء میں بویریا کے الیکٹر میکس ملین جوزف کی وفات پر اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے مستقبل کے بارے میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ قانونی لحاظ سے وراثت کا حق دار چارلس تھیوڈور تھا۔ آسٹریا نے اسے راضی کر کے زیرین بویریا کے متعلق کچھ حقوق منوا لیے، لیکن خود چارلس تھیوڈور کے بھی کوئی اولاد نہ تھی اور اس کی وراثت چارلس آگسٹس کرسچین کو پہنچتی تھی۔ فریڈرک نے خفیہ اسے شہ دے کر آمادہ کر لیا کہ آسٹریا کے خلاف اپنا دعویٰ صاف صاف پیش کر دے۔ اس جھگڑے میں دونوں ملکوں کے تعلقات بہت خراب ہو گئے۔ آسٹریا اور پروشیا کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں پرے جما کر بیٹھ گئیں، لیکن میریا تھیریسا نے فریڈرک سے گفت و شنید شروع کر دی۔ روس اور فرانس کی امداد سے 1779ء میں صلح ہو گئی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بویریا کا کچھ علاقہ آسٹریا کو مل گیا، کچھ پروشیا کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ سیکسنی کے مطالبے بھی پورے کر دیئے گئے اور اسے نوے لاکھ ڈالر ملے۔

جوزف دوم شہنشاہ آسٹریا:

جوزف دوم، میریا تھیریسا اور فرانسس اول کا بڑا بیٹا تھا، فرانسس 1765ء میں فوت ہوا تو جوزف اپنی ماں کے ساتھ کاروبار سلطنت میں شریک ہو گیا تھا۔ 1780ء میں میریا تھیریسا بھی فوت ہوئی تو جوزف 1780ء سے 1790ء تک تنہا بادشاہ رہا۔ اسے اصلاحات کا بڑا شوق تھا۔ اٹھارہویں صدی کے بہترین بادشاہوں میں سے وہ بھی ایک تھا۔ اس نے خاص حقوق والے طبقوں کی قوت توڑ دی۔ صوبوں میں خود مختاری کا جو جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اسے ختم کیا اور پوری سلطنت میں نظم و نسق کو یکساں شکل دے دی۔

1781ء میں اس نے رواداری کا فرمان جاری کیا۔ سلطنت میں بے شمار خانقاہیں تھیں، جن میں

سے سات سو بند کر دی گئیں۔ ان میں کوئی چھتیس ہزار راہب رہتے تھے۔ ایک ہزار تین سو چوبیس خانقاہیں باقی رہ گئیں۔ ان کے راہبوں اور راہباؤں کی تعداد ستائیس ہزار سے کم نہ تھی۔ شہنشاہ نے ان کے لیے ایک نیا نظام بنایا۔ گرجاؤں کی جائیدادوں سے جگہ جگہ سکول قائم کیے۔ پوپ خود ویانا پہنچا، تاکہ شہنشاہ کو اصلاحات سے روکے، لیکن بادشاہ نے اپنا کاروبار جاری رکھا۔ جاگیردار نوابوں نے کسانوں پر جو مالی بوجھ ڈال رکھے تھے، ان میں بھی کمی کی، نیز کسانوں کی شخصی غلامی کو بھی ختم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

جوزف چاہتا تھا کہ آسٹریا کی کچھ زمینیں دے کر ان کے بدلے میں دوسری زمینیں لے لے، لیکن جرمنی کے شہزادوں نے شہنشاہ کی اس سکیم کے خلاف 1785ء میں جتھا بنالیا۔

لیوپولڈ ثانی:

1790ء میں جوزف فوت ہوا تو اس کا بھائی لیوپولڈ دوم شہنشاہ بنا۔ بلجیم میں بغاوت ہوئی، جسے دبا دیا گیا۔ پرانا دستور اور پرانے حقوق بحال کر دیئے گئے۔ پروشیا کے ساتھ لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لیے کہ شاہ پروشیا نے سلطنت ترکی سے معاہدہ کرلیا تھا، جس کا مدعا یہ تھا کہ ترکوں کے لیے آسٹریا اور روس سے بہتر شرائط منظور کرائی جائیں۔ اس خطرے کی روک تھام کے لیے کانفرنس ہوئی جس میں حالات درست کر دیے گئے۔

رُوس

پیٹر کے پیشرو:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ رومانوف خاندان میں سے مائیکل روس کا تاج دار بن گیا تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا الیکس بادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں بدامنی جاری رہی۔ ماسکو میں خوفناک بغاوت ہوئی۔ 1649ء میں قومی اسمبلی بلائی گئی، جس نے نیا قانون منظور کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نظم ونسق کو بہتر بنایا جائے اور مختلف خرابیاں حذف ہو جائیں۔ 1654ء میں پولینڈ سے جنگ ہوئی جو 1667ء تک جاری رہی۔ یہ جنگ یوکرین کے لیے شروع ہوئی تھی۔ آخر صلح ہو گئی۔ روس نے سمولنسک کا علاقہ نیز مشرقی یوکرین کے لیے، جن میں شہر کیف بھی شامل تھا۔

1670ء میں جنوبی و مشرقی روس کے دہقانوں نے بغاوت کی۔ کاسک سردار سٹیفن رزین (Stephen Razin) اس بغاوت کا سالار تھا، لیکن اسے دبا دیا گیا۔ بعد ازاں زار نے قومی اسمبلی سے مشورہ لینا چھوڑ دیا۔ اس اثناء میں مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات بڑی تیزی سے روس پہنچنے لگے۔

1676ء میں الیکس کی وفات پر اس کا بیٹا تھیوڈور سوم تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں ترکوں سے پہلی مرتبہ لڑائی شروع ہوئی۔ 1682ء میں آئی ون پنجم کو زار بنایا گیا۔ یہ الیکس کی پہلی بیوی کا لڑکا تھا، لیکن الیکس کی دوسری بیوی کے لڑکے پیٹر اول کو بھی حکومت کے کاروبار میں شریک کر دیا گیا۔

پیٹر اعظم: (1689ء-1725ء)

پیٹر نے بہت جلد پورا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ مختار کل بن گیا، اگرچہ آئی ون اس مختاری کے بعد بھی سات سال زندہ رہا۔ پیٹر کا عہد روس کی تاریخ میں بے حد اہم ہے۔ اس نے سب سے پہلے چین کے ساتھ معاہدہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ روسی دریائے امور[1] کے علاقے میں گھس گئے تھے، جو سلطنت چین کا حصہ تھا۔ معاہدے کے بعد وہ اس علاقے سے نکل گئے۔ 1696ء میں پیٹر نے اس قلعے کے لیے جنگ کی جو بحیرہ کریمیا کے تعلق میں خاص اہمیت کا مالک تھا۔

1697ء میں پیٹر نے بھیس بدل کر فرانس، انگلستان وغیرہ کا سفر کیا۔ اس کی ایک غرض یہ تھی کہ یورپی طاقتوں کو متحد کر کے ترکوں کے خلاف مذہبی جنگ کا بندوبست کرے، لیکن ساتھ ساتھ وہ دیکھتا رہا کہ مغرب کی کون کون سی چیزیں جلد سے جلد روس میں جاری کی جا سکتی ہیں۔ 1698ء میں ماسکو کی فوج سے بغاوت

کردی تھی۔ اسے دبانے کے لیے پیٹر لوٹا۔ پھر اس نے ایک طرف اصلاحات جاری کردیں۔ دوسری طرف سویڈن کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہونے لگا، اس لیے کہ بحیرہ بالٹک کے ساحل کے متعلق سویڈن سے کشمکش چلی آتی تھی۔ یورپی طاقتیں ترکوں کے خلاف لڑائی کے لیے تیار نہ ہوئیں اور پیٹر نے 1700ء میں ترکوں سے صلح کرلی۔

سویڈن سے جنگ ہوئی، جس کے حالات سویڈن کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔

1710ء میں ترکی سے جنگ ہوئی، لیکن 1711ء میں صلح ہوگئی اور پیٹر نے کریمیا کا علاقہ ترکوں کو دے دیا۔

1721ء میں روس اور سویڈن کے درمیان معاہدہ ہوا، جس کے مطابق روس کو لوونیا (Livonia) آسٹونیا (Estonia) انگرمین لینڈ (Ingermanland) کریلیا (Carelia) کا ایک حصہ اور بحیرہ بالٹک کے بہت سے جزیرے مل گئے۔ اس طرح پیٹر کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی، یعنی کہ بحیرہ بالٹک کے ذریعے سے وہ مغرب سے گہرے تعلقات پیدا کرسکے اور یورپ کی بڑی طاقتوں میں شامل ہوجائے۔

داخلی اصلاحات:

پیٹر نے نظامِ حکومت کو مرکزی حیثیت دے دی۔ پورے اختیارات اپنے قبضے میں لے لیے۔ پرانی نمائندہ کونسل ختم کردی گئی اور اس کی جگہ 1711ء میں ایک سینٹ بنادیا، جس کے نو ممبر ہوتے تھے۔ سینٹ کے ممبروں کو زار خود نامزد کرتا تھا۔ 1718ء میں حکومت کے نئے محکمے قائم ہوئے۔ امراء پہلے اپنے آپ کو حکومت کے حصہ دار سمجھتے تھے، پیٹر نے انھیں سلطنت کے خدمت گاروں کی حیثیت میں کاروبار پر لگایا۔ تجارت کی حوصلہ افزائی کی۔ صنعت وحرفت اور تعلیم پر خاص زور دیا۔

پیٹر اعظم کے بعد دو سال اس کی بیوی حکمران رہی (کیتھرائن اول 1725ء-1727ء) پیٹر دوم کے بعد آئی ون پنجم کی بیٹی ملکہ بنی، پھر پیٹر کی لڑائی ایلزبتھ نے (1741ء-1762ء) حکومت کی۔ اس نے اپنی بہن (پیٹر کی دوسری بیٹی) کے بیٹے کو ولی عہد بنایا۔ وہ پیٹر سوم کے لقب سے بادشاہ بنا، لیکن اس کی بیوی کیتھرائن نے اسے نظر بند کردیا اور خود کیتھرائن دوم کے لقب سے حکمران رہی (1762ء-1792ء) پیٹر کے بعد وہ روس کی دوسری عظیم الشان حکمران تھی۔

اس وقت تک کلیسا بطریق اعظم [1] کے ماتحت تھا۔ پیٹر نے بطریق اعظم کا عہدہ اڑادیا اور اس کی جگہ ایک مجلس مقرر جس میں اسقف شریک ہوتے تھے لیکن اس کی صدارت غیر مذہبی آدمی کرتا تھا۔ اس طرح کلیسا

حکومت کے زیر اثر آ گیا۔ 1725ء میں پیٹر فوت ہوا۔ اگر چہ اس کی اصلاحات بعض صورتوں میں نامکمل رہیں تاہم ان سے روس میں قومی زندگی کا عام جذبہ پیدا ہو گیا۔

پیٹر کے جانشین:

پیٹر کا بیٹا اس کی پالیسی کا سخت مخالف تھا، اس لیے اسے قید کر دیا گیا۔ وہ 1718ء میں بحالت قید ہی مر گیا، چونکہ اور کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے پیٹر نے فیصلہ کر دیا کہ ہر تاجدار جسے چاہے اپنا جانشین بنا سکتا ہے۔ وہ ابھی کسی کو نامزد نہ کر سکا تھا کہ وفات پا گیا اور شاہی محل کے افسروں نے اس کی دوسری بیوی کیتھرائن کو ملکہ بنا دیا۔ کیتھرائن نے پیٹر کے پوتے یعنی الیکسس کے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا جو ملکہ کی وفات کے وقت صرف بارہ سال کا تھا۔ وہ بھی بہت جلد فوت ہو گیا۔ 1730ء میں آئی ون پنجم کی بیٹی این ملکہ بنی۔ اس کے عہد میں ترکوں سے جنگ ہوئی جو تین سال جاری رہی۔ فرانس کی مداخلت سے صلح ہوئی اور روس ایزوو کے سوا تمام فتوحات سے دست بردار ہو گیا۔

این کے بھی کوئی اولاد نہ تھی، لہٰذا اس نے اپنی بہن کیتھرائن کے نواسے کو آئی ون ششم کے لقب سے بادشاہ بنا دیا۔ وہ ایک سال میں فوت ہو گیا تو پیٹر کی لڑکی ایلزبتھ ملکہ بن گئی۔ اس نے کوئی بارہ سال حکومت کی۔ سویڈن سے جنگ ہوئی اور فن لینڈ میں روس نے کچھ اور علاقہ لے لیا۔ ہفت سالہ جنگ کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

کیتھرائن دوم:

ایلزبتھ نے اپنی بہن کے بیٹے کو جانشین نامزد کیا تھا اور اس کی شادی جرمنی کی شہزادی سوفیا سے ہوئی تھی، جس کو شادی کے بعد کیتھرائن کا نام دیا گیا تھا۔ 1762ء میں ایلزبتھ فوت ہوئی تو اس کا بھانجا پیٹر سوم کے لقب سے زار بنا، لیکن چھ مہینے میں ایک فوجی بغاوت ہوئی۔ پیٹر معزول ہو گیا اور اس کی بیوی کیتھرائن ملکہ بنی۔ جسے عظمیٰ کا لقب حاصل ہے۔ پیٹر اعظم کے بعد روس کی یہ دوسری بڑی فرمان روا تھی، جس نے ملک کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور پیٹر کا شروع کیا ہوا کام تکمیل پر پہنچا دیا۔ اس کے عہد میں ترکوں سے بار بار لڑائیاں ہوئیں۔ کریمیا کو 1783ء میں سلطنت روس کے اندر شامل کر لیا گیا۔ 1785ء میں ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق امراء کے تمام حقوق تسلیم کر لیے گئے، لیکن کسانوں کے لیے کچھ نہ کیا۔ کیتھرائن ہی کے عہد میں پولینڈ تقسیم ہوا، جس کا بڑا حصہ روس کو مل گیا۔ تفصیل پولینڈ کے حالات میں بیان کی جائے گی۔ کیتھرائن ہی کے عہد میں روس کے اندر سب سے پہلی انقلابی کتاب شائع ہوئی جس کا مصنف الیگزانڈر

راڈس چیف (Alexander Radishchev) تھا۔ کتاب کا نام تھا ''پیٹر برگ سے ماسکو تک سفر'' لیکن اس میں نظام حکومت کی تمام نمایاں خرابیاں کھول کر بیان کر دی گئی تھیں، چنانچہ غریب مصنف کو 1790ء میں گرفتار کر کے سائبیریا جلاوطن کر دیا گیا۔

پال اول: (1796ء-1801ء)

1796ء میں کیتھرائن کی وفات پر اس کا بیٹا پال مسند نشین ہوا۔ یہ بڑا ظالم شخص تھا اور اس کا دماغ بھی غیر متوازن تھا۔ اس نے ایک بڑا اچھا کام کیا، یعنی کسانوں کی غلامی کی مصیبتیں کم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ایک فرمان جاری کیا جس کے رو سے ہدایت جاری کر دی کہ امیر اپنے کسانوں سے ہفتے میں تین دن کام لے سکتا ہے۔ اس نے پیٹر اعظم کا قانون جانشینی بھی توڑ دیا اور حکم دے دیا کہ کسی بادشاہ کو سلسلہ نسب کے خلاف اپنی مرضی سے جانشین نامزد کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ 1799ء میں روس نے فرانس کے خلاف یورپی طاقتوں کے اتحاد کا ساتھ دیا۔ 1801ء میں محل کے اندر انقلاب ہوا جس میں پال مارا گیا اور اس کا بیٹا ایلگزانڈر بنا۔

ہالینڈ

تجارت کا عہد زریں:

سترہویں صدی کے نصف اول میں ہالینڈ ہسپانیہ کے قبضے سے آزادی حاصل کرنے میں لگا رہا۔ یہی زمانہ ہے جسے اس کی تجارت اور علوم وفنون کا سنہری زمانہ سمجھنا چاہیے۔ ہسپانیہ نے پرتگال پر قبضہ جمالیا تو لزبن سے تجارت کا دروازہ بند ہو گیا۔ ولندیزوں نے 1602ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی اور مشرق کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات پیدا کر لیے۔ 1619ء میں انھوں نے جاوا میں بٹاویا کے اندر اپنا مرکز بنایا، جسے آج کل جکارتا کہتے ہیں۔ 1638ء سے 1658ء تک پرتگیز سیلون سے نکالے گئے۔ 1641ء میں ولندیزوں نے ملکاان سے لے لیا اسی طرح ولندیز راس امید اور سماٹرا پر قابض ہو گئے۔

1621ء میں ویسٹ انڈیا کمپنی بنی اور اسے بھی امریکہ اور افریقہ میں وسیع تجارتی تعلقات پیدا کرنے کا موقع مل گیا۔ اگرچہ خاندان اورنج کو رسمی حیثیت میں عام فرماں روائی کا منصب حاصل تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ولندیز ہر اقتدار کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے تھے اور مختلف علاقوں کی خودمختاری بحال تھی۔

خاندان اورنج:

1647ء میں خاندان اورنج کا ولیم ثانی فرمانروا بنا۔ وہ چاہتا تھا کہ تمام اختیارات اپنے قبضے میں لے لے اور مجلس شوریٰ سے اس کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس نے بعض لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ ایمسٹرڈم پر حملہ کر دیا اور اپنے حقوق منوا لیے، لیکن وہ جلد وفات پا گیا۔ اس کا بیٹا اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ کوئی اس کی جگہ لینے والا نہ تھا اور حالات پہلے کی طرح رہے۔

اسی اثناء میں انگریزوں اور ولندیزوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ پھر پرتگال سے کشمکش شروع ہو گئی۔ فرانس و انگلستان کے درمیان بھی کشمکش ہوتی رہی۔ 1672ء میں ولیم دوم کے بیٹے ولیم سوم نے شہنشاہ آسٹریا کی مدد سے فرانسیسیوں کے خلاف استقلال سے لڑائی جاری رکھی۔ ولیم خود چارلس اول شاہ انگلستان کی بیٹی کے بطن سے تھا اور اس نے جیمز دوم شاہ انگلستان کی بیٹی میری سے شادی کر لی تھی۔ اس طرح 1688ء میں اسے انگلستان کا تخت مل گیا۔ 1702ء میں وہ فوت ہوا تو اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور نسا (Nassau) کا خاندان، خاندان اورنج کے حقوق کے وارث بنا رہا۔ چنانچہ اس خاندان میں سے ولیم چہارم اور ولیم پنجم یکے بعد دیگرے فرماں روا بنے۔

1793ء میں فرانس نے جمہوریہ ہالینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور فرانسیسی فوجیں سارے ملک میں پھر نکلیں۔ ولیم پنجم انگلستان بھاگ گیا۔ جاوا میں فرانس کے نمونے کی ایک جمہوریت قائم ہوگئی۔ 1802ء میں نپولین نے اپنے بھائی لوئی کو ہالینڈ کا بادشاہ بنا دیا۔ لوئی کو نپولین کی پالیسی سے اختلاف تھا، اس لیے اس نے بادشاہی چھوڑ دی اور 1810ء میں ہالینڈ سلطنت فرانس کا جزو بن گیا۔

سکنڈے نیویا

سویڈن:

سویڈن کا بادشاہ گستاوس ایڈالفس بڑا جوان مرد تھا۔ اس نے سی سالہ جنگ سے فائدہ اٹھا کر سویڈن کو اول درجے کی قوت بنا دیا، اور بحیرہ بالٹک کے پورے حلقے کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ اس عہد میں سویڈن کے بادشاہوں کی کوشش یہ رہی کہ پولینڈ پر اپنا قتدار قائم کرلیں۔ اس کے بعد چارلس دہم اور چارلس یازدہم یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ پولینڈ اور ڈنمارک سے ان کی لڑائیاں جاری رہیں۔

چارلس دوازدہم:

1697ء میں چارلس دوازدہم تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے زمانے کا بہت مشہور جرنیل تھا۔ اگرچہ تخت نشینی کے وقت صرف پندرہ سال کی عمر تھی، لیکن اس نے اپنی قابلیت سے بڑی ناموری حاصل کی۔ 1700ء میں روس کے خلاف لڑائی شروع کردی۔ ڈنمارک کو بھی ہراساں کر کے کچھ علاقے لے لیے اور رومیوں کو ناروا کے مقام پر شکست فاش دی۔ پھر وہ ریگا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آئندہ چھ سال اس نے پولینڈ کو شکست دینے میں صرف کر دیئے۔ اسی سلسلے میں سیکسنی پر بھی حملہ کیا۔

1709ء میں پول ٹاوا (Poltave) کے مقام پر روس کے ساتھ ایک اور لڑائی ہوئی، جس میں چارلس نے شکست کھائی اور اس کی فوج کا بڑا حصہ یا تو مارا گیا یا اسیر ہو گیا۔ چارلس نے ترکی میں پناہ لی اور ترکوں کو روس کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا۔ 1711ء میں ترکی اور روس کے درمیان صلح ہو گئی، جس میں ایزووکا علاقہ ترکوں کو واپس مل گیا اور چارلس کو سویڈن واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ چارلس نہ یہ صلح منظور نہ کی اور مزید تین سال ترکی ہی میں بیٹھا رہا۔ اس اثناء میں پیٹر بحیرہ بالٹک کے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ آخر 1714ء میں چارلس ہنگری اور جرمنی کے راستے سویڈن پہنچا۔ لڑائی جاری رہی۔ 1718ء میں ناروے کے خلاف چارلس نے ایک مہم بھیجی، اسی میں وہ مارا گیا اور اس کی بہن مسند نشین ہوئی۔ 1721ء میں جنگ ختم ہوگئی۔ سویڈن، سیکسنی اور پولینڈ کی پہلی حدیں بحال کر دی گئیں۔ ہینوور کو وردن کا علاقہ دے دیا گیا۔ پروشیا کو سٹیٹن اور مغربی پومیرینیا نیز بعض جزیرے دیئے گئے اور اس نے سویڈن کو بیس لاکھ تھیلر دینے سے اقرار کیا۔ ڈنمارک کے تمام علاقے اسے مل گئے۔

اس کے بعد سویڈن پھر معمولی حیثیت اختیار کر گیا۔ 1792ء میں اس کا بادشاہ گستاوس سوم اپنے ہاں کے ایک امیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ڈنمارک اور ناروے کے حالات میں کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں۔

پولینڈ

تقسیم در تقسیم:

پولینڈ کو مسلسل آس پاس کی حکومتوں سے لڑائیاں پیش آتی رہیں، جن کا ذکر آسٹریا، جرمنی، روس اور سویڈن کے سلسلے میں آچکا ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا باقی ہے کہ روس، پروشیا اور آسٹریا نے 1772ء سے 1795ء تک اس ملک پر تین مرتبہ تقسیم کا عمل جاری کیا۔ یہاں تک کہ اس کا وجود ختم ہو گیا۔ تقسیم کی سرسری کیفیت یہ ہے:

پہلی تقسیم:

5 اگست 1772ء کو ہوئی۔ اس میں روس کو جو علاقہ ملا، وہ اٹھارہ لاکھ باشندوں پر مشتمل تھا۔ آسٹریا کو ستائیس لاکھ اور پروشیا کو چار لاکھ سولہ ہزار۔ بہ حیثیت مجموعی پولینڈ کا ایک تہائی علاقہ اور تقریباً نصف باشندے الگ ہو گئے۔

دوسری تقسیم:

23 جنوری 1793ء کو ہوئی جس میں روس نے لتھوانیا اور بہت سا مغربی یوکرین لے لیا۔ ان علاقوں کے باشندوں کی تعداد تیس لاکھ تھی۔ پروشیا نے ڈانزگ، تھاران اور پولینڈ کے مزید حصے لے لیے۔ ان علاقوں کے باشندوں کی تعداد گیارہ لاکھ تھی۔ روس نے یہ بھی منوالیا کہ جب وہ چاہے گا اپنی فوجیں پولینڈ میں بھیج دے گا اور دوسری طاقتوں کے ساتھ پولینڈ کے تعلقات اسی کے زیرِ ہدایت قائم ہوں گے۔

تیسری اور آخری تقسیم:

تیسری اور آخری تقسیم 24 اکتوبر 1795ء کو عمل میں آئی۔ روس نے لتھوانیا اور یوکرین کے بقیہ علاقے لے لیے۔ ان کے باشندوں کی تعداد بارہ لاکھ تھی۔ پروشیا نے میزوویا (Mazovia) اور وارسا لے لیے۔ ان علاقوں کے باشندے دس لاکھ تھے۔ آسٹریا کو باقی پولینڈ مل گیا، جسے عام طور پر کراکو کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ اس کے باشندے بھی دس لاکھ تھے۔

اس طرح پولینڈ کا وجود ختم ہو گیا۔ پہلی جنگ یورپ کے بعد اسے پھر زندہ کیا گیا مگر دوسری جنگ یورپ میں اس پر نہایت خوفناک آفتیں آئیں، جن کی تفصیل موقعے پر پیش ہو گی۔

جنوبی امریکہ

تسخیر اور آباد کاری کی کیفیت:

امریکہ کے جس حصے کو بعد میں لاطینی [1] یا ہسپانوی و پرتگیزی امریکہ کہنے لگے، اس کی تسخیر اور آباد کاری کا سلسلہ ابتداء سے سولھویں صدی تک بڑی ترتیب کے ساتھ جاری رہا اور اس میں وہ تمام علاقے شامل تھے جو شمال میں نیو میکسیکو [2] اور فلاریڈا [3] سے شروع ہو کر جنوب میں چلی [4] اور یوروگوے [5] تک آتے ہیں۔ یہ تمام علاقے حکومت ہسپانیہ کے ماتحت تھے۔ برازیل کو اس لیے الگ رکھا گیا کہ اس پر پرتگیز قابض ہو گئے تھے۔ تمام فاتحین کی طرح ہسپانیہ کی غرض بھی یہ تھی کہ سلطنت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جائے، آمدنی بہت بڑھ جائے اور مسیحیت کی اشاعت کی جائے۔ جن لوگوں نے موقعے پر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو زیادہ دولت اور عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ایسے من چلے بھی تھے۔ جو بڑے کارناموں کے شوق میں ہر قسم کے خطرے مول لینے کے لیے تیار تھے اور ایسے بھی تھے جو چاہتے تھے کہ مسیحیت کی اشاعت سے ہسپانیہ کے تاج کو عزت کے چاند لگائیں۔ ان انفرادی فتوحات کے سلسلے میں حکومت کو زیادہ رقمیں نہ خرچ کرنی پڑیں، اس لیے کہ مختلف من چلے لوگ خود ہی مہموں کا انتظام کر کے نئے علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے۔ اس طرح انھیں دولت بھی مل جاتی تھی اور یہ امید بھی ہوتی تھی کہ جو علاقے وہ فتح کریں گے، حکومت کی طرف سے ان میں حکمرانی کا پروانہ مل جائے گا۔

جیسے جیسے علاقے فتح ہوتے گئے حکومت ان کا کنٹرول اپنے قبضے میں لیتی رہی۔ مذہبی پیشواؤں نے وہاں پہنچ کر حکومت کی سرپرستی میں اپنا مستقل نظام قائم کر لیا۔

اس میں بھی شبہ نہیں کہ فتوحات کے سلسلے میں ہسپانویوں نے بڑی بے دردی اور سنگدلی سے کام لیا۔ مرکزی حکومت کی روش مقامی آبادیوں کے متعلق اچھی تھی یا بری، لیکن جو آدمی موقع پر موجود تھے ان کی غرض بہر حال یہی تھی کہ خود بھی دولت سمیٹیں اور حکومت کو بھی زیادہ سے زیادہ مال غنیمت دیں۔ سونا اور چاندی سرکاری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔ کھیتی باڑی اور مویشی کی پرورش کے لیے بھی خاص انتظامات ہوئے۔ تجارت نے بھی بڑی ترقی کی اور ایک حد تک مقامی صنعتیں بھی فروغ پا گئیں۔ بعض نو آبادیاں صرف کھیتی باڑی اور مویشی کی پرورش کے لیے موزوں تھیں، مثلاً چلی، یوروگوے اور یوکاٹان (Yucatan) آبادی کے بعض گروہ پہلے ہی تہذیب و تمدن میں خاصا اونچا درجہ حاصل کر چکے تھے، ان پر مسیحیت کا اثر پڑا،

نیز یورپی ثقافت وہاں پہنچی تو آبادی میں نہایت اہم مجلسی اور ثقافتی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔

آبادکاری کا آغاز:

آبادکاری کا آغاز ان جزائر سے ہوا، جنہیں ویسٹ انڈیز کہتے ہیں۔ سب سے پہلے اس جزیرے میں آبادی شروع ہوئی جس کا نام ہسپانیولا (Hispaniola) رکھا گیا۔ اور سانٹو ڈومنگو (Santo Domingo) وہاں کی حکومت کا مرکز تھا۔ 1501ء سے حبشی غلام وہاں پہنچنے لگے۔ وہاں کی مقامی آبادی جنگ وجدال، غلامی اور بیماریوں کے باعث جلد سے جلد ناپید ہوگئی۔ 1508ء سے 1515ء تک آس پاس کے جزیرے مسخر کر لیے گئے۔ آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھتا چلا، یہاں تک کہ آبادکار وسطی امریکہ میں پہنچ گئے۔ پاناما (Panama) کی بنیاد رکھ دی گئی اور اس خاکنائے کے دونوں طرف بحری راستے قائم کر لیے گئے۔ درجہ بہ درجہ پورا وسطی امریکہ 1531ء تک ہسپانیہ کے قبضے میں آ گیا۔

جنوبی امریکہ کی تسخیر:

جنوبی امریکہ کی آبادکاری کا سلسلہ اس کے شمالی ساحل سے شروع ہوا اور سب سے پہلے وینزولا (Venezuela) میں قدم جمائے گئے پھر مغربی ساحل پر پیرو (Peru) کی طرف توجہ ہوئی۔ اس لیے کہ معلوم ہو چکا تھا وہاں انکاؤں نے ایک سلطنت قائم کر رکھی ہے، جس میں دولت کی ریل پیل ہے۔ آہستہ آہستہ پیرو بھی مسخر ہوگیا۔ فرانسسکو ایلواریز (Francisco Alvarez) نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس ملک کا نظم ونسق درست کیا، قانون بنائے، کان کنی کو ترقی دی۔ اسی کی حکومت کے زمانے میں انگلستان کے امیر البحر فرانسس ڈریک نے پیرو کے ساحل پر چھاپا مارا تھا۔

اب کیفیت یہ تھی کہ بعض لوگ سرکاری حیثیت میں مختلف علاقوں پر حملے کرتے تھے اور بعض کو مختلف تاجر تجارتی مقاصد کے لیے نئے نئے مقامات پر آبادیاں قائم کرنے کے لیے بھیج دیتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح ایک منچلے آدمی نے ارجنٹینا کے دارالحکومت بیونس آئرس (Buenos Aires) کی بنیاد ڈالی۔ ان لوگوں کی غرض یہ تھی کہ وہاں سے خشکی کے راستے پیرو پہنچیں۔

میکسیکو کی تسخیر:

میکسیکو کی تسخیر کے لیے ابتدائی کوشش 1518ء میں ہوئی۔ کارٹیز (Cortes) پہلی مہم کا سالار مقرر ہوا، اس کے ساتھ چھ سو فوجی، سترہ گھوڑے اور دس توپیں تھیں۔ وہ کیوبا سے روانہ ہوا اور یوکاٹان کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے اس نے پہلے ٹیکسو[1] کو مسخر کیا، پھر وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس نے ویرا

کروز (Vera Cruz) کی بنیاد رکھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے آپ کو براہ راست تاج کا نمائندہ قرار دیا۔ سپاہیوں نے اسی کو حاکم اعلیٰ چن لیا اور وہاں سے نمائندے، ہسپانیہ بھیج دیئے، تا کہ بادشاہ سے نمائندگی کا پروانہ لے آئیں۔

اس مقام پر ازتکوں کی سلطنت تھی، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ کارٹیز نے ازتکوں کے حاکم مانٹ زوما (Montezuma) سے گفت وشنید شروع کردی۔ اس اثناء میں اس نے ٹوٹونیک (Totonac) قبیلے کو اپنے ساتھ ملالیا، جسے ازتکوں نے اپنا باج گزار بنا رکھا تھا اور ازتکوں کے مرکز کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ مرکز میں پہنچا تو بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ کارٹیز نے دیسی حاکم کو قید کرلیا اور تمام بڑے بڑے سرداروں سے تاج ہسپانیہ کی اطاعت کا حلف اٹھوالیا۔ اس کے بعد بھی لڑائیاں ہوئیں، لیکن انجام کار ہسپانوی کامیاب ہوئے۔ انھوں نے ازتکوں کا دارالحکومت برباد کردیا اور اس کی جگہ میکسیکو کی بنیاد رکھی۔ اس علاقے کا نام نیا ہسپانیہ رکھا گیا اور میکسیکو اس کا دارالحکومت قرار پایا۔ شاہ ہسپانیہ نے کارٹیز ہی کو اس کا گورنر اور سالار اعظم بنادیا۔

جنوبی اور شمالی سمتوں میں توسیع:

اس کے بعد وسطی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے باقی حصوں کی تسخیر اور آبادی کاری شروع ہوگئی۔ 1546ء میں مایاؤں نے شدید بغاوت کی، جو بڑی سختی سے دبادی گئی۔ غرض سولھویں صدی کے آخر تک ہسپانویوں کی سلطنت پورے وسطی اور جنوبی امریکہ میں پھیل گئی۔ باقی حصے پرتگیزوں نے سنبھال لیے۔

ہسپانیہ کا استعماری نظام:

امریکی مقبوضات میں آبادکاری کی نگرانی بڑی سختی سے کی گئی۔ یہودیوں مسلمانوں اور لا مذہبوں یا ان کے اخلاف کو کہیں بسنے کی اجازت نہ تھی۔ سولھویں صدی کے آغاز میں حکومت نے آبادکاری کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے سرگرم کوششیں شروع کیں۔ حبشی غلاموں کی آبادی زیادہ تر جزائر غرب الہند اور جنوبی امریکہ کے شمالی حصوں تک محدود تھی۔ ہسپانیوں نے امریکہ پہنچ کر مقامی عورتوں سے بھی شادیاں کرلی تھیں۔ اس طرح ایک نئی مخلوط نسل وجود میں آگئی۔ 1574ء میں تمام نوآبادیوں کے ہسپانوی باشندے ایک لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھے، لیکن سولھویں صدی کے اختتام پر آبادی کی یہ کیفیت تھی۔

سفید فام	بتیس لاکھ چھہتر ہزار
مخلوط نسل	ترپن لاکھ اٹھائیس ہزار
مقامی باشندے	پچھتر لاکھ تیس ہزار

حبشی غلام	سات لاکھ چھہتر ہزار

آبادی کے مختلف گروہ تھے، جن میں امتیاز قائم تھا، یعنی:

(1) ہسپانوی افسر۔

(2) وہ ہسپانوی شرفاء، جو امریکہ میں پیدا ہوئے، نیز اونچے درجے کے ہسپانوی آبادکار۔

(3) چھوٹے درجے کی مخلوط نسل، عام ہسپانوی آبادکاری اور مقامی رئیس۔

(4) مخلوط نسل کے لوگ جو سفید فام باشندوں کی اولاد نہ تھے یا حبشیوں اور مقامی باشندوں کی مخلوط نسل۔

(5) عام مقامی باشندے۔

(6) حبشی غلام۔

دولت اور اختیار صرف ابتدائی طبقوں کے ہاتھ میں تھا۔[1]

نظم ونسق:

حکومت کا انتظام براہ راست مرکز کے ہاتھ میں تھا۔ ہسپانوی بادشاہ مطلق العنان تھے اور جن لوگوں نے مختلف علاقے فتح کیے وہ براہ راست ہر جگہ شاہی حکومت قائم کر دیتے تھے۔ بادشاہ ہی جج اور گورنر مقرر کرتے تھے۔ گورنر ہی کو سپہ سالار اعظم کا عہدہ حاصل ہوتا تھا۔ ابتداء میں اس کے سوا چارہ نہ تھا، اس لیے کہ نئے علاقے قبضے میں لانے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ چونکہ اس طرح خطرہ تھا کہ شاہی اقتدار کو گزند نہ پہنچے، لہٰذا جب کوئی علاقہ مسخر ہو جاتا تھا تو مسخر کرنے والے کو ابتداء میں جو اختیارات دیئے جاتے تھے، وہ تکمیل تسخیر پر واپس لے لیے جاتے تھے۔

بڑے بڑے علاقوں کے لیے حکومت کی طرف سے نائب السلطنت مقرر کیے جاتے تھے، مثلاً پیرو کا نائب السلطنت، نئے ہسپانیہ کا نائب السلطنت، جس کے ماتحت پاناما تک کا علاقہ تھا۔ اسی طرح مختلف علاقوں کی الگ الگ حکومتیں بنتی گئیں۔

حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ یہ تھا کہ زمین کے اندر سے نکلنے والی قیمتی جنسوں مثلاً سونا، چاندی، جواہرات وغیرہ کا پانچواں حصہ لے لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چنگی اور بکری کے ٹیکس تھے۔ اگرچہ آمدنی بہت تھی، لیکن بحیثیت مجموعی یہ ہسپانیہ کی پوری آمدنی کے ایک چوتھائی حصے سے کبھی نہ بڑھی۔

کلیسائی نظام:

پادریوں نے وہاں پہنچتے ہی ایک مستقل کلیسائی نظام قائم کر لیا تھا۔کلیسا کی اپنی عدالتیں تھیں جن میں پادریوں کے مقامات پیش ہوتے تھے۔1569ء میں ہسپانیہ کے مذہبی تعزیرات والے محکمے کی شاخیں بھی میکسیکو اور پیرو میں قائم کر دی گئی تھیں۔ مسیحیت میں بہت سے مذہبی نظام پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے نمائندے بھی ان نو آبادیوں میں پہنچ گئے تھے۔ پادری مذہبی تبلیغ کے لیے نکلتے تو سپاہیوں کو ساتھ لے لیتے۔ جگہ جگہ مشن قائم کرتے جاتے۔ان کے ذریعے سے کھیتی باڑی اور عام صنعت وحرفت کو بھی خاصا فائدہ پہنچا۔

اقتصادی کیفیت:

حکومت کے زیر سرپرستی سونے اور چاندی کی کانوں میں بڑی سرگرمی سے کام شروع ہو گیا۔ وسطی میکسیکو اور شمالی پیرو میں چاندی کے بڑے ذخیرے ملے۔ سونا قریباً ہر حصے میں موجود تھا۔ سولھویں صدی کے ربع ثالث میں پیرو سے جو چاندی آتی تھی وہ قیمتی دھاتوں کے پورے مجموعے کا دو تہائی ہوتی تھی۔ زراعت نے خوب ترقی کی۔ ہسپانیہ سے ہر قسم کے پودے، درخت اور جانور امریکہ پہنچا دیئے گئے۔ مقامی جنسوں سے مکئی، آلو، کپاس، تمباکو وغیرہ کی کاشت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ امریکی علاقوں میں پہلے سے کپڑے کے علاوہ لوہے کی چیزیں بنتی تھیں۔ مٹی کے برتن بڑے اعلیٰ درجے کے بنائے جاتے تھے۔ جہاز سازی اور شکر سازی کے مشغلے بھی جاری تھے۔ ہسپانیوں کے ماتحت یہ صنعتیں بہت ترقی کر گئیں۔

باہر سے صرف مصنوعات امریکہ جاتی تھیں اور امریکہ سے قیمتی دھاتوں یا اجناس کی برآمد ہوتی تھی۔

علم وفن:

ہسپانوی امریکہ میں تعلیم بڑی حد تک اعلیٰ طبقوں کے لیے مخصوص تھی، البتہ پادری مقامی باشندوں کو معمولی حرف شناس بنا دیتے تھے۔ 1551ء میں میکسیکو اور پیرو میں یونیورسٹیاں بنیں، پھر ان کا سلسلہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔

خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ امریکہ کی سابقہ تاریخ کے لیے جو مسالہ موجود تھا، اس سے کام لینے کے لیے لوگوں نے مختلف زبانیں سیکھیں اور سارا مسالہ مرتب کر دیا۔ ڈرامے اور شعر کے سلسلے میں بھی خاصا کام ہوا۔ پہلا چھاپہ خانہ 1535ء میں میکسیکو کے اندر قائم ہوا تھا۔ فن تعمیر میں ہسپانیہ کے نمونے پیش نظر رکھے گئے۔

پرتگیزی امریکہ:

پرتگیزوں کی توجہ مشرقی مقبوضات کی طرف بہت زیادہ تھی، اس لیے جنوبی امریکہ میں جو علاقے انھیں ملے تھے، ان کی آبادکاری کے لیے فوری طور پر کوئی سرگرمی اختیار نہ کی گئی۔ جب فرانسیسیوں کی وجہ سے پرتگیزی مقبوضات کے لیے خطرہ پیدا ہوا تو 1521ء کے قریب تیزی سے ان مقبوضات کو آباد کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ افانسوی ڈی سوزا (Affonso de Souza) کو ایک آبادکار جماعت کا لیڈر بنا کر بھیج دیا گیا اور اس نے یورپ سے گائیں، بیل، مختلف زراعتی جنسیں اور پھلوں کے درخت امریکہ پہنچائے۔ ساتھ ہی شکر سازی کی بنیاد رکھ دی۔ 1545ء میں ٹومے ڈی سوزا (Thome de Souza) کو سالواڈو (Salvador) کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے بھی آبادکاری کو بہت ترقی دی۔ برازیل پرتگال ہی کا مقبوضہ سمجھا جاتا تھا، لیکن فرانس، ہالینڈ اور انگلستان مقابلے میں آ چکے تھے اور پرتگیزوں کو کشمکش کے بغیر سب کچھ سنبھال لینے کا موقع نہ مل سکا۔

جب یورپ میں لڑائیاں چھڑ جاتی تھیں تو ان کا اثر محارب فریقوں کے امریکی مقبوضات پر بھی پڑتا تھا، مثلاً ہسپانوی تاج و تخت کے لیے جنگ چھڑی تو پرتگال، انگلستان کا رفیق تھا، اس لیے فرانسیسیوں نے برازیل کی مختلف بندرگاہوں پر چھاپے مارے اور ریو ڈی جنیرو کو بڑی بری طرح لوٹا۔

پرتگیزوں کا استعماری نظام:

پرتگیزی نوآبادیوں میں بھی نسلیں ایک دوسرے سے مل گئیں، مثلاً پرتگیزوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کر لیں یا حبشیوں اور مقامی باشندوں کے درمیان شادیاں ہو گئیں۔ 1583ء میں آبادی کا سرسری اندازہ یہ تھا:

سفید فام باشندے	پچیس ہزار
تہذیب یافتہ مقامی باشندے	اٹھارہ ہزار
حبشی غلام	چودہ ہزار

اٹھارہویں صدی کے اختتام پر آبادی تیس لاکھ ہو گئی تھی۔ 1818ء میں مردم شماری کی گئی تو مندرجہ ذیل اعداد فراہم ہوئے:

سفید فام	آٹھ لاکھ پنتالیس ہزار
حبشی	اٹھارہ لاکھ ساڑھے ستاسی ہزار

مخلوط	چھ لاکھ اٹھائیس ہزار
تہذیب یافتہ مقامی	دو لاکھ انسٹھ ہزار چار سو

نظم ونسق اور اقتصادیات:

پرتگیزوں کا نظم ونسق ہسپانیہ سے چنداں مختلف نہ تھا بلکہ ہسپانیہ اور پرتگال اور تاج کے ماتحت آ گئے تو ہسپانوی انتظامات ہی عام طور پر جاری ہو گئے۔

پرتگیزوں کی اقتصادی پالیسی تجارتی نظریے پر مبنی تھی اور تجارت 1808ء تک کاملاً پرتگیزوں کے قبضے میں تھی۔ 1649ء میں ایک کمپنی بنائی گئی تھی، جس کا نام برازیلی کمپنی تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تجارت کو فروغ دے، لیکن پرتگیزوں کا اجارہ قائم رہے۔ اس کے بعد اور کمپنیاں بھی بنیں۔

صنعت وحرفت اور زراعت پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں، تا کہ پرتگال کا مقابلہ نہ ہو سکے۔ برازیل کی لکڑی، جواہرات کی کانوں وغیرہ سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا، وہ تاج پرتگال کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ ہسپانیہ کی طرح تمام کانوں کی پیداوار میں سے پانچواں حصہ حکومت لیتی تھی۔

حریف یورپی طاقتیں:

بے شک ہسپانیہ اور پرتگال سب سے پہلے امریکہ کے بڑے حصوں پر قابض ہو گئے تھے، لیکن بہت جلد انھیں حریف یورپی طاقتوں کے من چلے آدمیوں سے سابقہ پڑا، جنھوں نے ہسپانوی نوآبادیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مثلاً فرانس ڈریک نے بحر الکاہل کے ساحل پر چھاپے مارے۔ بحری قزاقوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا، جو کسی حکومت کے ماتحت نہ تھے اور جہاں موقع پاتے تھے ہسپانوی اور پرتگیزی جہازوں کو لوٹ لیتے تھے۔ انگریز بحری قزاقوں میں سے ہنری مارگن خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس نے بہت سے شہروں او رقصبوں کو لوٹا۔

پھر یورپ کی جنگوں میں بھی ہسپانوی اور پرتگیزی جہازوں پر چھاپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کشمکش میں ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کے جہاز رانوں نے بڑا حصہ لیا۔

شمالی امریکہ

فرانس:

شمالی امریکہ کے بعض حصوں میں ہسپانوی اور پرتگیز پہنچ چکے تھے، لیکن جن شمالی حصوں کو آج کل کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کہا جاتا ہے، ان کے مشرقی حصوں میں آبادکاری کا آغاز فرانسیسیوں سے ہوا۔ سمجھا جاتا ہے کہ نارمنڈی اور برٹنی (شمالی ومغربی فرانس کے دو صوبے) کے ماہی گیر 1500ء کے آس پاس نیو فاؤنڈ لینڈ پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اس خلیج کے چکر بھی لگائے جو بعد میں سینٹ لارنس کے نام سے مشہور ہوئی اور ایک جزیرے میں آباد ہونے کی بھی ناکام کوشش کی۔ 1524ء میں شاہ فرانس نے ایک شخص کو بھیجا، جس نے راس فیر[1] سے نیو فاؤنڈ لینڈ تک پورے ساحلی علاقے کی چھان بین کی۔ پھر شمالی امریکہ تک بحری سفروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 1526ء میں دریائے سینٹ لارنس کے اندر سفر کیا گیا، جس میں کیوبک (Quebec) اور مانٹ ریل (Montreal) تک کا علاقہ دیکھ لیا گیا۔ 1541ء میں ایک امیر کو کینیڈا، نیو فاؤنڈ لینڈ اور لیبراڈور کا نائب السلطنت بنا دیا گیا۔ اور بعض مقامات پر نوآبادیاں قائم ہوئیں۔

ان حالات میں یہ امر تعجب کا باعث نہ ہونا چاہیے کہ ہسپانیہ سے کشمکش کے اسباب پیدا ہو گئے۔ ساتھ ساتھ کینیڈا کے وسطی اور مغربی حصوں میں بھی آمد و رفت کے سلسلے جاری رہے۔ غرب الہند میں سب سے پہلی فرانسیسی آبادی 1625ء میں سان کرسٹوفر (St. Christopher) کے نام سے قائم ہوئی۔ 1626ء میں ایک کمپنی بن گئی تاکہ آبادی کی وسعت دی جائے۔ 1635ء میں اس کمپنی کو توڑ کر جزائر امریکہ کی کمپنی کے نام سے ایک نئی جمعیت قائم ہوگئی۔ اس نے بعض مقامات اپنے قبضے میں لے لیے اور جگہ جگہ نئی آبادیاں قائم کیں۔

اس نئی سرزمین کا نام نیا فرانس رکھا گیا اور ایک نئی کمپنی وجود میں آگئی جسے کاڈ اور وہیل مچھلی کے سوا ہر قسم کی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ پادری وہاں پہنچے تو انھوں نے بھی نئی زمینوں کے اکتشاف میں قابل قدر کام انجام کیا۔ 1684ء میں چار سو آدمیوں کی ایک مہم اس غرض سے بھیج گئی کہ دریائے مسس پی[1] کے دہانے پر ایک فرانسیسی نوآبادی قائم کردی جائے جو اول تجارتی حفاظت کا مرکز بن سکے، دوم وہاں سے ہسپانوی مقبوضات پر حملہ ہو سکے۔ اس مہم نے شمالی و مشرقی سمت میں چار چکر لگائے۔ 1687ء میں اس مہم کا سردار

اپنے ہمراہیوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور جو نو آبادی قائم کی تھی، اسے 1689ء میں مقامی باشندوں نے تباہ کر ڈالا۔

اب ایک طرف سے ہسپانوی پیش قدمی کر رہے تھے، دوسری طرف سے انگریز مقابلے کے لیے میدان میں آگئے تھے، لہٰذا فرانسیسیوں نے 1699ء میں لوئیسیانا (Louisiana) کے نام سے ایک نو آبادی قائم کی۔ بعد ازاں چند اور نو آبادیاں قائم ہو گئیں۔

انگلستان:

انگریزوں نے سولہویں صدی کے نصف آخر تک امریکہ سے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہ کی۔ 1562ء میں ہاکنز افریقہ سے حبشی غلاموں کا ایک جہاز بھر کر امریکہ لایا اور ہسپانویوں میں انھیں فروخت کر دیا۔ ہسپانویوں نے اب یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی دوسرے ملک کے جہاز غلام نہ لا سکیں اور یہ کام خود ہسپانوی جہاز انجام دیں۔ 1568ء میں ایک طوفان نے ہاکنز کے جہاز ویرا کروز کی بندرگاہ پر پہنچا دیے، جہاں اس کے بہت سے جہاز تباہ کر دیئے گئے۔ فرانس ڈریک ہاکنز کا عزیز تھا۔ اس نے ہسپانیہ کی تجارتی جہازوں کے خلاف جوابی کاروائیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ وہ 1577ء میں امریکہ کے انتہائی جنوبی انگلستان کی طرف سے قبضہ کر کے اس کا نام نیو ایلبین [2] رکھ دیا۔ پھر اس نے راس امید کا چکر لگایا اور بحر ہند کو عبور کرتا ہوا شرق الہند پہنچ گیا۔ وہاں سے انگلستان گیا۔ اس طرح وہ پہلا انگریز تھا، جس نے پوری دنیا کا چکر لگایا۔

1576ء میں ایک انگریز نے لیبراڈور کے ساحل کی دیکھ بھال کی۔ 1583ء میں ہمفرے گلبرٹ نے نیو فاؤنڈ لینڈ پر قبضہ جمایا۔ 1586ء میں ٹامس کیونڈش (Thomas Cavendish) نے ڈریک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہسپانیہ کے تجارتی جہازوں کو لوٹا اور دنیا کا چکر لگایا۔

1574ء میں ورجینیا کے اندر آبادکاری شروع ہوئی۔ 1607ء میں دریائے جیمز کے دہانے پر جیمز ٹاؤن کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سے پہلے ایک کمپنی بن چکی تھی، جس کے لیے 1609ء میں حکومت نے نیا منشور عطا کیا۔ اسی طرح مختلف حصوں میں آبادیاں شروع ہو گئیں: مثلاً مساچوسیٹس (Massachusetts)، کنیکٹی کٹ (Connecticut) جزیرہ روڈز (Rhode Island) میری لینڈ (Maryland)، ورجینیا (Virgginia) نیو یارک [1] نیو جرسی (New Jersey) پنسلوینیا (Pennsylvania) ڈیلاویئر (Delaware)، جارجیا (Georgia)، کیرولینا (Carolina) اس دوران میں ولندیزیوں نے بھی آبادیاں قائم کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یورپ میں جو لڑائیاں ہوئیں ان کی وجہ سے نئی دنیا کی نو آبادیوں کے حالات میں بھی

تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اکثر مشرقی حصے برطانیہ کے قبضے میں آ گئے اور فرانس کی حیثیت بہت معمولی رہ گئی۔ عام طریقہ یہ تھا کہ نئی زمینوں کے لیے نئی کمپنیاں بن جاتیں اور وہ مختلف لوگوں کو اپنے اپنے حلقوں میں آباد کرتی جاتیں۔ 1768ء میں حکومت نے فیصلہ کیا کہ آئندہ کے لیے آبادکاری اس کی سکیموں کے مطابق خاص نگرانی میں کی جائے۔ اس زمانے میں دوسرے ملکوں کے لوگ بھی آ کر آباد ہوتے رہے۔ آبادکاروں کو مقامی باشندوں کے ساتھ بار بار لڑائیاں پیش آئیں۔ بعض اوقات آبادکاروں کا سخت نقصان ہوا، لیکن ان کا قدم آگے بڑھتا گیا اور مقامی باشندے جنہیں ''ریڈ انڈین'' کہا جاتا تھا، آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے۔

امریکہ کی جنگ آزادی:

آبادکاری کو فروغ حاصل ہوا تو مختلف ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ ان لوگوں نے تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت میں خاصی ترقی کر لی۔ بڑے اطمینان سے کاروبار جاری تھا۔ یہاں تک کہ برطانیہ کو اپنے مصارف کے لیے مزید روپے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے قوانین تیار کیے گئے جن کی بنا پر ان ریاستوں سے نئے ٹیکس وصول کرنے کا انتظام ہوا۔ 1764ء میں چینی کا قانون بنا۔ 1765ء میں اسٹام کا قانون جاری کیا گیا، جس کے مطابق تجارتی اور قانونی دستاویزوں کے علاوہ پمفلٹوں، اخباروں، جنتریوں، تاش وغیرہ پر بھی اسٹام وصول کیا جانے لگا۔ پھر ایک قانون منظور ہوا کہ اگر برطانوی فوجیوں کے لیے بارکیں کافی نہ ہوں تو انھیں سراؤں میں رہنے کا حق حاصل ہوگا۔

ان قوانین کے خلاف بعض لوگوں نے عدالتوں کے ذریعے سے چارہ جوئی شروع کر دی۔ 7 اکتوبر 1765ء کو نیویارک میں مختلف ریاستوں کے نمائندے جمع ہوئے تاکہ اسٹام کے قانون کے خلاف بادشاہ اور پارلیمنٹ کے پاس عرضداشتیں بھیجیں۔ اس اجتماع میں نو ریاستوں کی طرف سے اٹھائیس نمائندے شریک تھے اور انھوں نے اپنے حقوق کے متعلق بھی ایک اعلان منظور کیا۔ مارچ 1666ء میں یہ قانون منسوخ ہو گیا، لیکن ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے مطابق نوآبادیوں کے تعلق میں ہر قسم کے قوانین بنانے کا مجاز ہے۔

کشمکش تیز ہو گئی:

مختلف ریاستوں کی اپنی اپنی اسمبلیاں تھیں نیویارک کی اسمبلی نے فوجیوں کے قیام کا قانون تسلیم نہ کیا، اس وجہ سے اس اسمبلی کو معطل کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیشے، سیسے، رنگ روغن چائے اور کاغذ پر محصول

عائد کر دیا گیا، یعنی یہ سامان باہر سے ریاستوں میں درآمد کیا جاتا تو محصول دیا جاتا، جس سے سرکاری افسروں کی تنخواہیں ادا کی جاتیں۔ بوسٹن میں تاجروں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ باہر سے ایسی کوئی چیز نہ منگائیں گے جس پر محصول دینا پڑیگا۔ پھر ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں بھیجی گئی اور وزارت کو خط لکھے گئے کہ یہ محصول ہٹا دیئے جائیں اور مختلف ریاستوں کے پاس اس بارے میں گشتی چٹھیاں بھی بھیج دی گئیں۔

اتفاق سے جون 1768ء میں ایک ہنگامہ ہو گیا جس کی وجہ سے بوسٹن میں انگریزی فوج پہنچ گئی۔ اہل شہر نے اس فوج کے قیام کے لیے جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ 1769ء میں پارلیمنٹ نے یہ طے کیا کہ ہنری ہشتم کا ایک پرانا قانون از سر نو جاری کر دیا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی شخص سلطنت سے باہر غداری کا مرتکب ہو تو مقدمہ چلانے کے لیے اسے انگلستان میں لایا جائے۔

لوگ ان واقعات کی وجہ سے بہت ناراض ہو گئے تھے اور انگریزی فوجوں کے خلاف ان میں نفرت پھیل گئی تھی۔ چنانچہ بوسٹن میں فوجیوں سے جا بجا جھگڑے ہو گئے، جن میں بہت سے شہری مقتول و مجروح ہوئے۔

حکومت نے کاغذ، شیشے اور رنگ روغن پر محصول منسوخ کر دیا، لیکن چائے پر یہ محصول بدستور باقی رہا۔ جون 1772ء میں جزیرہ روڈ کے اندر عوام نے ایک کشتی نذر آتش کر دی۔ اس طرح حالات بگڑتے گئے، یہاں تک کہ 16 دسمبر کو بوسٹن میں چائے کا ایک جہاز پہنچا تو مقامی باشندے "ریڈ انڈین" لوگوں کے بھیس میں جہاز پر چلے گئے اور چائے کا پورا ذخیرہ اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ حکومت نے اس پر تادیبی قانون منظور کیے۔ 5 ستمبر 1774 کو فلاڈلفیا میں تمام ریاستوں کے نمائندوں کی ایک کانگرس منعقد ہوئی جس میں جارجیا کے سوا ہر ریاست نے حصہ لیا۔ نمائندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ انتہا پسند چاہتے تھے کہ مخالفت جاری رکھیں۔ اعتدال پسند مصالحت کی تدبیروں پر آمادہ تھے۔ آخر انتہا پسندوں کی اکثریت کامیاب ہوئی۔ فیصلہ ہو گیا کہ سب مل کر تادیبی کاروائیوں کی مخالفت کریں۔ حقوق کا اعلان کر دیا گیا اور شکایتوں کی فہرست بھی مرتب کر لی گئی۔ ساتھ ہی اعلان ہو گیا کہ یکم دسمبر کے بعد انگلستان سے کوئی سامان نہ منگوایا جائے اور اگر 11 ستمبر 1775ء تک شکایات کی تلافی نہ ہو تو ریاستوں سے کوئی سامان انگلستان کے لیے برآمد بھی نہ کیا جائے۔

جنگ کا آغاز:

ارل چیتھم نے پارلیمنٹ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ سمجھوتے سے یہ جھگڑا ختم کر دیا جائے۔ یہ تجویز رد کر دی گئی۔ لارڈ نارتھ وزیر اعظم نے صلح کی جو کوشش کی وہ ناکام ہو گئی۔ 19 اپریل

1775ء کو ریاستوں اور برطانیہ کے درمیان جنگ کا آغاز ہو گیا۔

10 مئی 1775ء کو ریاستوں کی کانگرس کا دوسرا اجلاس فلاڈلفیا میں ہوا۔ 31 مئی کو یہ فیصلہ ہو گیا کہ بوسٹن میں جو قومی فوج موجود ہے اسی کو ریاستوں کی فوج قرار دے لیا جائے۔ جارج واشنگٹن کو ریاستی افواج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ (15 جون)

یہ جنگ 1775ء سے 1783ء تک جاری رہی اور اس میں بعض کامیابیوں کے باوجود نو آبادیوں کو مدت تک خاصی تشویش سے سابقہ پڑا رہا، اس لیے کہ ان کے پاس باقاعدہ منظم فوج نہ تھی۔ تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت پر مدار تھا۔ جنگ چھڑتے ہی مختلف افراد فوجی اور سیاسی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ تجارت بھی بڑی حد تک رک گئی۔ باہر کی کوئی حکومت فوری امداد کے لیے تیار نہ تھی، بلکہ ان نو آبادیوں کے استقلال کو بھی قبول کرنے میں سب کو تامل تھا۔ جارج واشنگٹن کے لیے اس مدت میں پریشانی کے کئی دور آئے، لیکن اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر پریشانی کا مقابلہ صبر و ہمت سے کیا اور نو آبادیوں کے لیے آزادی حاصل کیے بغیر جنگ ختم نہ کی۔ اس وجہ سے وہ دنیا کے عظیم الشان لیڈروں میں شمار ہوتا ہے۔

مختلف لڑائیاں:

مختلف لڑائیوں کی سرسری کیفیت یہ ہے:

(1) بوسٹن کے سامنے بنکر ھل (Bunker Hill) کی لڑائی: اس میں امریکیوں کو اپنے مورچے چھوڑنے پڑے، لیکن انگریزوں کو انھوں نے سخت نقصان پہنچایا (18 جون)

(2) انگریزی فوج نے جولائی 1775ء سے مارچ 1776ء تک بوسٹن کا محاصرہ جاری رکھا، پھر فوج پیچھے ہٹالی۔

(3) نو آبادیوں کی کانگرس نے کینیڈا کے آبادکاروں کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ انھوں نے انکار کیا تو نو آبادیوں نے دو فوجیں کینیڈا بھیج دیں، جن میں سے ایک کا سپہ سالار 21 دسمبر 1775ء کو لڑائی میں مارا گیا۔

دوسری فوج نے موسم سرما میں کوبیک کا محاصرہ جاری رکھا، اگرچہ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

(4) واشنگٹن نے ڈارچیسٹر (Dorchester) کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ (4 مارچ 1776ء)

(5) نو آبادیوں کی کانگرس نے اعلان کر دیا کہ برطانوی حکومت ختم ہو گئی اور تمام اختیارات نو آبادیوں کے

باشندوں نے اپنے قبضے میں لے لیے (15 مارچ 1776ء)

(6) ورجینیا میں ایک نمائندہ مجلس نئی حکومت قائم کرنے کے لیے منعقد ہوئی اور اس میں ورجینیا کے نمائندوں کو ہدایت کی گئی کہ کانگرس کے اجلاس میں آزادی کی قرار داد پیش کریں۔ (15 مئی 1776ء)

(7) 7 جون کو یہ قرارداد منظور ہوئی کہ تمام نوآبادیاں آزاد ہیں اور انھیں آزاد و خودمختار ریاستوں کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ ٹامس جیفرسن (Thomas Jefferson) کو اس سلسلے میں دستاویز تیار کرنے کے لیے کہا گیا۔

(8) 4 جولائی 1776ء کو ریاستوں کی کانگرس نے آزادی کے اعلان کی تصدیق کردی۔

جنگ کا دوسرا دور:

اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے کہ جنگ کے پہلے دور میں ریاستیں ایک طرف انگریزی فوجوں کا مقابلہ کر رہی تھیں اور دوسری طرف درجہ بہ درجہ اپنی آزادی کو مستحکم کرتی جا رہی تھیں۔ اعلان آزادی کے بعد جنگ میں دو مستقل فریق بن گئے ایک طرف انگریزی حکومت تھی اور دوسری طرف متحدہ ریاستوں کی آزاد حکومتیں۔ اس دور کی لڑائیوں کا سرسری خیال ذیل میں درج ہے:

(1) انگریزی فوجوں نے بوسٹن کا محاصرہ چھوڑ دیا تو واشنگٹن نے نیویارک کی طرف پیش قدمی کی۔ انگریزوں کی طرف سے ایک جرنیل اور ایک امیر البحر نے حملے کی تیاری کی، لیکن جرنیل نے حملے سے پہلے صلح کی شرطیں پیش کردیں، جنہیں ریاستوں کی حکومت نے ٹھکرا دیا۔

(2) لانگ آئی لینڈ (Long Island) میں جنگ ہوئی، جس میں امریکی فوجیں شکست کھا کر نیویارک کی طرف پسپا ہوئیں (27 اگست 1776ء)

(3) انگریزوں نے نیویارک پر قبضہ کرلیا اور واشنگٹن کو ہارلم (Harlam) کی طرف ہٹنا پڑا (5 ستمبر)

(4) واشنگٹن اور انگریزی جرنیل کے درمیان وہائٹ پلینز (White Plains) میں جھڑپیں ہوئیں اور واشنگٹن پیچھے ہٹ گیا (28 اکتوبر)

(5) فورٹ واشنگٹن اور فورٹ لی پر انگریز قابض ہو گئے اور واشنگٹن نیوجرسی سے ہوتا ہوا پنسلوینیا چلا

گیا (نومبر 1776ء)

(6) واشنگٹن نے رات کے وقت دریائے ڈیلاویئر کو عبور کر کے ٹریٹن (Trenton) میں جنگ شروع کی اور ایک ہزار انگریزی فوجی گرفتار کر لیے (26 دسمبر)

(7) برطانوی فوجوں کو پرنسٹن[1] کی جنگ میں شکست ہوئی (3 جنوری 1777ء)

(8) انگریزی فوجوں نے مختلف جرنیلوں کے ماتحت پیش قدمی کی۔ 16 اگست کو بینگٹن (Bennington) میں لڑائی ہوئی۔ 19 ستمبر کو انگریزی جرنیل برگائن (Burgoyne) نے سخت نقصان اٹھایا۔ 7 اکتوبر کو سیراٹوگا (Sennington) کی لڑائی میں برگائن نے شکست کھائی۔ امریکی فوجوں نے اسے نرغے میں لے لیا۔ 17 اکتوبر کو برگائن کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد بھی لڑائیاں جاری رہیں اور 1777ء-1778ء کے موسم سرما میں واشنگٹن کو بڑی تکلیف اٹھانا پڑیں۔ اس دور میں بعض لوگوں نے اسے سپہ سالاری سے ہٹانے کی بھی ناکام کوشش کیں۔ 15 نومبر 1777ء کو وفاق[1] کا قانون منظور ہوا اور اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ کے لیے ان ریاستوں کو امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ (The United States of America) کہا جائے گا۔

جنگ کا تیسرا دور:

انگریزی جرنیل برگائن کی حوالگی کے بعد فرانس میں امریکی ریاستوں کے لیے حمایت کا خاص جذبہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ فرانس کی طرف سے دو سال کے لیے ریاستوں کے روپے اور ساز و سامان کی امداد دے دی گئی۔ 6 فروری 1778ء کو ان ریاستوں کے ساتھ دوستی اور تجارت کے معاہدوں پر دستخط ہو گئے۔ مشہور فرانسیسی سالار لافایت (Lafayette) اور داکلب (Da Kalb) نے اپنی خدمات اس سے پیشتر ریاستوں کے حوالے کر دی تھیں اور فرانس کے ایک ڈراما نگار نے اپنے ذاتی مال سے امریکیوں کے لیے پیش بہار امداد کا بندوبست کر دیا تھا۔

برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ نارتھ نے 17 فروری 1778ء کو امریکی نوآبادیوں کے ساتھ صلح کی ایک سکیم پارلیمنٹ میں پیش کی، جس میں محصول عائد کرنے کا حق بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ چند نمائندے یہ شرطیں لے کر امریکہ پہنچے اور 17 جون کو کانگرس نے یہ شرطیں ٹھکرا دیں۔ فرانس پوری امداد کے لیے تیار ہو چکا تھا اور اب ریاستیں آزادی کامل سے کم کسی چیز پر راضی ہونے کے لیے تیار نہ تھیں۔

لڑائیوں کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

(1) انگریزی فوج نے فلاڈلفیا کو خالی کر دیا اور نیو جرسی میں سے پیش قدمی شروع کی۔ واشنگٹن نے 28 جون کو مان متھ (Monmouth) کی جنگ میں اسے شکست دی۔

(2) فرانسیسی بیڑا امریکہ پہنچ گیا (8 جولائی 1778ء)۔

(3) وادی شیری[1] میں قتل کے واقعات۔ دو انگریزوں نے آٹھ سو انڈینوں کے ساتھ وادی پر حملہ کیا تھا۔ پچاس آدمی مارے گئے، ستر قید ہوئے اور آبادی کو بری طرح لوٹا گیا۔ اس سے امریکیوں میں بے حد اشتعال پیدا ہوا۔

(4) فروری 1779ء میں راجرس کلارک (Rogers Clark) نے ورجینیا کی فوج کے ساتھ انگریزی سالار کو گرفتار کر لیا اور اولڈ نارتھ ویسٹ (Old Northwest) کی تسخیر مکمل ہو گئی۔

(5) جون میں ہسپانیہ بھی انگریزوں کے خلاف شریک جنگ ہو گیا۔ فرانس نے اس کے ساتھ وعدہ کر لیا تھا کہ جبل طارق اور فلاریڈا اسے واپس دلائے جائیں گے۔

(6) جولائی 1780ء میں چھ ہزار فرانسیسی فوج امریکہ پہنچ گئی۔ اگرچہ امریکی جرنیلوں نے بڑی مردانگی سے جنگ کی، لیکن انگریزی فوج نے جنوبی کیرولینا کو پامال کر ڈالا اور 16 اگست کو کیمڈن (Camden) میں انگریزی جرنیل کارنوالس نے فتح پائی۔ دو روز بعد امریکیوں کو ایک اور شکست ہوئی اور وہ شمالی کیرولینا کی طرف سے پیچھے ہٹ گئے۔

(7) 7 اکتوبر کو شمالی کیرولینا میں ایک لڑائی ہوئی، جس میں انگریزوں نے شکست کھائی۔

(8) 17 جنوری 1781ء کو کاؤپنز (Cowpens) کی جنگ میں انگریزی رسالے نے شکست کھائی۔

آخری لڑائی:

انگریزی جرنیل کارنوالس ورجینیا میں اپنی قوت جمع کر رہا تھا اور اس نے یارک ٹاؤن (Yorktown) کو اپنی مرکز بنا کر دفاعی استحکامات تیار کر لیے تھے۔ کارنوالس حفاظت کی طرف سے مطمئن ہو کر یارک ٹاؤن میں بیٹھا رہا۔ اس اثنا میں واشنگٹن اور اس کے فرانسیسی ساتھیوں نے اردگرد سے بچ نکلنے کے دروازے اس پر بند کر دیئے۔ فرانسیسی بیڑا بھی امداد کے لیے پہنچ گیا۔ 30 ستمبر سے 19 اکتوبر تک

یارک ٹاؤن کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار کارنوالس کو سات ہزار فوجیوں کے ساتھ ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس کے ساتھ ہی صلح کے لیے بات چیت شروع ہوگئی۔

صلح:

صلح کی گفتگو میں امریکہ کے نمائندے شریک تھے، لیکن فرانسیسی نمائندہ بھی اس میں سرگرم حصہ لے رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھا کہ ہسپانیہ اور ریاست ہائے متحدہ دونوں کو مطمئن اور خوش رکھے۔ اس لیے صلح کی آخری شرطیں طے ہونے میں بہت دیر لگ گئی۔ امریکی نمائندوں کے لیے یہ دیر نا قابل برداشت تھی۔ چنانچہ انھوں نے انگریزی سے بطور خود شرطوں کے لے بات چیت شروع کر دی۔ انگریزوں کی پوزیشن خاصی نازک تھی۔ اگر وہ دیر کرتے تو اندیشہ تھا کہ فرانس اور ہسپانیہ متحدہ ریاستوں کے ساتھ زیادہ تعلقات پیدا کر لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً امریکی ریاستوں کا یہ مطالبہ مان لیا کہ دریائے مس پی کو ریاستوں کی مغربی حد تسلیم کر لیا جائے اور کینیڈا کے ساحل پر ماہی گیری کے پورے حقوق انھیں دے دیئے جائیں۔

3 ستمبر 1783ء کو پیرس میں صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ اس میں ریاست ہائے متحدہ کی آزادی تسلیم کر لی گئی، نیز انھیں نیو فاؤنڈ لینڈ میں ماہی گیری کے حقوق دے دیئے گئے۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ دونوں ملکوں کے قرض خواہوں کو اپنی رقمیں وصول کرنے میں کوئی قانونی مشکل پیش نہ آئے گی۔ کانگرس نے ریاستوں کو تاکید کر دی کہ جن لوگوں کی جائدادیں تاج کے حامی ہونے کی وجہ سے ضبط کر لی گئیں تھیں وہ انھیں واپس کر دی جائیں۔ دریائے مس پی میں برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ کے لیے جہاز رانی کے حقوق تسلیم کر لیے گئے۔

اس سلسلے میں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اس معاہدے کے مطابق شمالی و مغربی اور شمالی و مشرقی سرحدوں کے سلسلے میں بعد ازاں مشکلات پیش آئیں اور جنوبی سرحد کے تعلق میں ہسپانیہ سے جھگڑا پیدا ہوا۔

ریاستوں کے لیے نازک دور:

وفاق کی دفعات 1781ء میں جاری ہوئی تھیں۔ 1783ء میں آزادی مسلم ہوگئی تو امریکیوں کو حد درجہ نازک اقتصادی صورت حال سے سابقہ پڑا۔ انگلستان اور تمام دوسرے یورپی ممالک ان لوگوں کو اجنبی سمجھتے تھے اور وہ اپنے جہاز ان علاقوں کی تجارت کے لیے استعمال کرنے پر راضی نہ تھے۔ آزادی سے پیشتر ابھی جہازوں کے ذریعے سے جو تجارت ہوتی تھی اس پر اہل امریکہ کی اقتصادیات کا ڈھانچہ خاصا بگڑ گیا۔

چنانچہ 1784ء اور 1785ء میں ملک کے اندر شدید کساد بازاری کا دور شروع ہوگیا۔ 1787ء کے آغاز میں حالت کسی قدر بہتر ہوئی۔ 1786ء میں مساچوسیٹس کے اندر بغاوت ہوئی، جس کا لیڈر ڈینئل شے[1] تھا۔ مرکزی حکومت کو سپرنگ فیلڈ کے اسلحہ خانے کی حفاظت کے لیے فوج استعمال کرنی پڑی۔

1787ء کے ضابطے:

اب ضروری یہ تھا کہ شمال مغرب میں جو زمینیں پڑی ہوئی تھیں ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ 1787ء میں طے ہوا کہ ان زمینوں کو کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ ضلعوں میں بانٹ دیا جائے اور یہ ضلعے آبادکاری کے درجے سے گزرتے ہوئے ریاست کے درجے پر پہنچ جائیں۔ یہی پالیسی انیسویں صدی میں امریکہ کے استعماری نظام کا ایک بنیادی عنصر بنی رہی۔ یہ بھی طے کر دیا گیا کہ ان علاقوں میں غلامی شروع ہوگی اور کسی سے جبری کام نہ لیا جائے گا۔ ایک اہم امر یہ تھا کہ یکساں تجارتی ضابطے بنائے جاتے۔ اس سلسلے میں نمائندوں کی ایک کانفرنس طلب کی گئی، جس نے فیصلہ کیا کہ مئی 1787ء میں بمقام فلاڈیلفیا تمام ریاستوں کے نمائندے جمع ہوں۔ جزیرہ اوڑ کے سوا سب ریاستوں کے نمائندے آئے اور چار مہینوں کی محنت کے بعد 17 ستمبر 1787ء کو اصل دستور پر سب کے دستخط ہو گئے۔

چین

منگ اور مانچو کی کشمکش:

یہ زمانہ ہے جس میں مانچو خاندان نے قدم جما لیے تھے اور منگ خاندان آہستہ آہستہ زوال پذیر ہو رہا تھا۔ 1644ء میں ایک قزاق پیکن پہنچ گیا تو منگ خاندان کے آخری شہنشاہ نے خودکشی کر لی۔ یوں اس خاندان کا خاتمہ ہوا۔

اس دوران کے متفرق واقعات یہ ہیں:

(1) پرتگیزوں نے 1511ء میں ملکا پر قبضہ کر لیا تھا اور اپنا ایک آدمی پیکن بھیج دیا تھا۔ اس اثناء میں ایک پرتگیز نے بحری قزاقی شروع کر دی۔ بعض اور لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پرتگیز 1522ء میں چین سے نکالے گئے۔

(2) 1577ء میں تبتی بدھ مت میں اصلاح کی تحریک جاری ہوئی۔

(3) 1592ء سے 1598ء تک جاپانیوں کے حملے کوریا پر ہوتے رہے اور انھیں ناکام بنایا گیا۔

منگ بادشاہوں کے عہد کا علم وفن:

اس عہد میں چوہی (Chu Hsi) اور اس کے ہم خیالوں کو ابتداء میں بڑا اقتدار حاصل رہا۔ ایک سو بیس علماء کی تصانیف سے اخلاقیات کا ایک خلاصہ تیار کیا گیا، جو بادشاہ کی ہدایت کے مطابق 1416ء میں چھاپا گیا۔ ونگ ینگ منگ [1] نے اس کی سخت مخالفت کی۔ وہ کہتا تھا کہ اخلاقی اعمال انسانوں کے اندر وجدانی ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بے شک داناؤں اور عام لوگوں میں حقیقت بینی کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن یہ اختلاف کیفیت نہیں، بلکہ صرف کمیت تک محدود ہوتا ہے، یعنی یہ نہیں کہ حقیقت کو دانا اور عوام یکساں طور پر حقیقت نہ سمجھیں، بلکہ داناؤں کو عوام کے مقابلے میں حقیقتوں کا زیادہ علم ہوتا ہے۔

اس خاندان کے ابتدائی عہد حکومت میں زبردستی قومی ردعمل ہو گیا تھا، جس میں ادبی اکیڈمی نے زبردست حصہ لیا اور تمام اجنبی چیزوں کی مخالفت شروع ہو گئی، لیکن اس وقت تک بدھ مت کو مستقل حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور اسلام شمال اور جنوب مغرب میں جڑ پکڑ چکا تھا اور اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا نہ جا سکتا تھا، البتہ نسطوری اور رومی مسیحیت کے خلاف سرگرم کوششیں شروع ہو گئیں اور انھیں دبا دیا گیا۔ سولھویں صدی

میں بعض مسیحی پادریوں کی کوشش سے مسیحیوں کے لیے رواداری کا برتاؤ شروع ہوا۔ یہ لوگ بادشاہ کے پاس اعلیٰ درجے کی گھڑیاں بطور تحفہ لاتے رہے اور انھوں نے دنیا کا ایک نقشہ بھی تیار کر کے پیش کر دیا۔

ادبی اکیڈمی نے بعض کتابیں سرکاری نگرانی میں مرتب کیں۔ ان میں ایک انسائیکلوپیڈیا بھی تھا، جس میں بہت سی تصانیف شامل کر لی گئیں۔ یہ دس ہزار جلدوں پر مشتمل تھا اور 1403ء سے 1409ء تک مکمل ہوا۔ تاریخ، قانون اور سلطنت کے مختلف حصوں کی پیمائش کے متعلق بھی کئی کتابیں مرتب ہوئیں۔ مختلف مصنفوں کی بہترین تصانیف کے ہم رنگ و اہم انداز مجموعے شائع کیے گئے۔ ماؤ چن نے اپنے ذاتی کتب خانے سے تیرہ کلاسیکی کتابوں پر تنقیدی شرحیں شائع کیں، نیز تاریخ کی سترہ کتابیں چھاپیں۔

اس عہد میں نقاشی، مصوری اور مٹی کے برتنوں پر گل کاری کے فن نے بھی کافی ترقی کی۔

کینگھی: (1662ء-1722)

مانچو خاندان کے بادشاہوں میں کینگھی (Kang Hsi) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں جو ثقافتی ترقیاں ہوئیں وہ تمام پہلے دوروں پر فوقیت لے گئیں۔ منگ خاندان کے عہد میں سلطنت کے پندرہ صوبے تھے۔ کینگھی نے اٹھارہ صوبے بنا دیئے۔ 1674ء میں تین صوبوں کے حاکموں نے بغاوت کی اور انھیں معزول کر دیا گیا۔

روسیوں نے دریائے آمور کے تمام حصوں کی چھان بین کی اور 1651ء میں وہاں ایک قلعہ تعمیر کر لیا تاکہ چینیوں پر دباؤ قائم رہے۔ پھر ایک سفارت بھیجی جو ناکام ثابت ہوئی۔ تاہم جس روسی ماہر جغرافیہ کو سائبیریا کا نقشہ تیار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس نے ایسا بندوبست کر لیا کہ وہ چینیوں کو عزت سے سلام کرے اور چینی اسے عزت سے جواب دیں۔ اس طرح نقشہ مکمل کر لیا۔ بعد ازاں ایک پادری نے روسیوں کو مشورہ دیا کہ قلعہ بنا کر فوجی دباؤ ڈالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، مناسب یہ ہے کہ قلعہ چھوڑ کر اور فوجی دباؤ سے دست بردار ہو کر تجارتی مداخلت کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ 1689ء میں چین کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا۔ اسمائیلو نام ایک روسی نے 1720ء میں پیکن کے اندر ایک تجارتی مرکز بھی بنا لیا اور آرتھوڈکس مسیحیت کی بھی بنیاد رکھ دی۔

بیرونی جنگوں میں بہت روپیہ خرچ ہو چکا تھا۔ 1681ء میں امن قائم ہو گیا تو بادشاہ نے نظم و نسق کے خرچ کی خوب دیکھ بھال شروع کر دی، نیز 1711ء کے محاصل کی بنا پر زمین کے لگان اور عام محصول کا مستقل فیصلہ کر دیا۔

اس بادشاہ کے زمانے میں مسیحیوں کے لیے خاصی رواداری کا بندوبست ہو گیا۔ ایک مسیحی کو 1669ء

میں جنتری کی ترتیب کا نگران بنا دیا گیا۔ 1674ء میں رصدگاہ کے اندر نئے آلات لگائے گئے۔ ایک مسیحی نے 1693ء میں کونین کے ذریعے سے بادشاہ کے بخار کا علاج کیا۔ چند مسیحیوں نے مل کر 1708ء سے 1718ء تک چین کا پہلا نقشہ بنایا۔ بعد ازاں خود مسیحیوں کے اندر جھگڑے پیدا ہو گئے اور اس رواداری کے تمام فوائد انھوں نے اپنے ہاتھوں برباد کر دیئے۔

چین لنگ: (1736ء-1795)

اس خاندان کا دوسرا بادشاہ چین لنگ (Chien Lung) ہے۔ اس کے عہد میں ملک کی آبادی اور دولت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اور چین نے پورے وسطی ایشیا کو اپنی نگرانی میں لے لیا ثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی بھی بدستور جاری رہی۔ اس بادشاہ کے آخری دور میں نظم ونسق کی خرابیوں نے جا بجا بغاوتیں پیدا کر دیں، جن کا سلسلہ خاندان کے خاتمے تک جاری رہا۔ باقی واقعات اختصاراً ذیل میں درج ہیں۔

(1) 1751ء میں تبت پر حملہ، جس میں دلائی لاما کی جانشینی اور تمام دنیوی اعمال کی نگرانی حکومت چین نے سنبھال لی۔

(2) 1757ء میں کنٹین کے ساتھ غیر ملکی بحری تجارت پر پابندی عقائد کر دی گئی جو 1842ء تک جاری رہی۔

(3) 1758ء میں کاشغر کو فتح کر لیا گیا۔

(4) 1765ء میں برما پر حملہ کیا گیا، جو چار سال جاری رہا۔ چینی فوجیں برما کے دارالحکومت تک نہ پہنچ سکیں، تاہم چین کی سیادت حکومت برما نے تسلیم کر لی۔

(5) 1774ء میں صوبہ شان تنگ (Shantung) میں ایک سو سال کے بعد پہلی بغاوت پھوٹی۔

(6) 1781ء اور 1784ء میں صوبہ کانسو کا مسلمانوں نے بغاوت کی۔

(7) 1784ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے کنٹین کے ساتھ بحری تجارت شروع کر دی۔

(8) 1786ء میں فاموسا کی بغاوت فرو کی گئی۔

(9) 1792ء میں نیپال پر حملہ ہوا۔

(10) 1795ء میں بادشاہ تاج وتخت سے دست بردار ہو گیا تاہم وہ امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہا، یہاں

تک کہ 1798ء میں وفات پائی۔

علم و ثقافت:

کینگھی کا اصل نام شنگ سو (Shang Tsu) تھا اور چین لنگ کا کاؤ سنگ (Kao Tsung)۔ ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں علم و ثقافت کو بڑا فروغ حاصل ہا۔ کینگھی شروع ہی سے علم و فضل کا مربی تھی۔ اس کے عہد میں انتظامی اور آئینی کتابوں کے علاوہ منگ خاندان کی ایک معیاری تاریخ مرتب ہوئی، جس کی ترتیب پر ترپن علماء مقرر کیے گئے تھے، نیز دوسری علمی و ادبی کتابیں شائع ہوئیں۔ ایک ڈکشنری ترتیب دی گئی۔ ایک انسائیکلو پیڈیا پانچ ہزار بیس جلدوں میں مرتب ہوا۔ یہ تو سرکاری کام تھا۔ متفرق علماء نے بھی فلسفے، جغرافیے، تاریخ وغیرہ پر کتابیں لکھیں۔ اسی طرح چین لنگ کے عہد میں بہت سی کتابیں مرتب ہوئیں۔ مثلاً تمام تصانیف سے منتخب حصے لے کر چھتیس ہزار تین سو جلدیں تیار کی گئیں۔ پھر ایک مفصل فہرست کتب بانوے جلدوں میں شائع ہوئی۔ چینی زبان کی جن کتابوں میں مانچو خاندان یا ان کے پیش روؤں کے متعلق ہتک آمیز الفاظ میں ذکر تھا، ان سب کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اس طرح کم و بیش دو ہزار کتابیں برباد ہو گئیں۔

جاپان

پرتگیز:

پرتگیز پہلے پہلے 1542ء یا 1543ء میں ایک چینی جہاز پر بیٹھ کر جاپان پہنچے تھے اور اس جزیرے میں اترے تھے جو کیوشو کے جنوبی ساحل کے پاس ہے۔ یہ پہلے یورپی تھے۔ انھوں نے پہلے پہل بندوق جاپان پہنچائی اور اس سے جاپان کا طریق جنگ بہت بدل گیا۔ پھر مزید پرتگیزی جہاز جاپان گئے اور انھوں نے مغربی جاپان کے حاکموں کیساتھ تجارتی تعلقات پیدا کر لیے۔

1549ء میں فرانسس زیویر (Francis Xavier) جاپان گیا اور دو سال وہاں رہا۔ یہ مشہور یسوعی مشنری تھا۔ اس نے مسیحیت کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا، اگرچہ اسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ مسیحی پادری چھوٹے چھوٹے اعتقادی معاملات میں بھی اختلاف کو گوارا نہ کرتے تھے۔ ان کے برعکس بدھ مت کے مذہبی پیشوا بڑی رواداری کا برتاؤ کرتے تھے۔ غرض مسیحیوں کی ناروا داری کے باعث ان کے خلاف دشمنی پیدا ہوگئی۔ مسیحیت کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی اور زیویر جاپان کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

قومی اتحاد کا دور: (1568ء-1600ء)

جاپان کا سیاسی انتشار اپنی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ تین بڑے لیڈروں نے تیس بتیس سال کی مدت میں پھر پوری قوم کو متحد کر دیا، لہٰذا اسے جاپانی تاریخ کا بڑا ہی قابل قدر دور سمجھا جاتا ہے۔

اس زمانے میں جاپان کے بحری قزاقوں کو، جو تجارت بھی کرتے تھے، بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ان کی سرگرمیاں سیام اور فلپینز کے سمندروں میں جاری تھیں۔ یہی زمانہ ہے جس میں جاپانی نے کوریا پر حملے کیے۔ براعظم ایشیا کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا ہوئے۔ اہل فرنگ کی آمد سے علم وفن میں نئی تحریکات شروع ہوئیں۔

1570ء میں ناگاساکی کی بندرگاہ غیر ملکی تجارت کے لیے کھول دی گئی۔ 1577ء سے 1572ء تک ہندی اوشی (Hideyoshi) نام جرنیل نے مغربی جاپان کا بڑا حصہ مسخر کر لیا۔

نوبوناگا: (1568ء-1572)

نوبوناگا (Nobunaga) نے سب سے پہلے اپنی مستقل ریاست قائم کی تھی اور اتحاد کے لیے اسی زمانے کوششیں شروع کی تھیں۔ ہدی اوشی اسی کا جرنیل تھا۔ 1582ء میں نوبوناگا کو ایک اور جرنیل نے قتل

کر دیا۔ ہدی اوشی اس وقت مغربی جاپان کی لڑائیوں میں لگا ہوا تھا، وہ واپس آیا اور قاتل جرنیل کو اس نے ختم کر دیا۔ پھر دوسرے جرنیلوں اور نوبوناگا کے خاندان والوں کے ساتھ کشمکش شروع ہو گئی۔ بہر حال 1584ء میں مرکزی جاپان نے ہدی اوشی کی فرمانروائی تسلیم کر لی۔ 1585ء میں اسے انتظامی معاملات کا مختار کل بنا دیا گیا۔ دو سال بعد وہ پورے جاپان کا وزیر اعظم بن گیا۔ کسانوں سے ہتھیار لے لیے گئے، نیز قانون کے ذریعے سے مختلف جماعتوں کی درجہ بندی کر دی گئی۔ ایک جماعت ان سپہ گروں کی تھی جن کا تعلق اونچے خاندانوں سے تھا، دوسری جماعت کسانوں کی، تیسری اہل حرفہ کی اور چوتھی تاجروں کی۔ 1584ء میں ہدی اوشی نے ایک فرماں کے ذریعے سے پرتگیزوں کو جاپان چھوڑ دینے کی ہدایت کر دی۔

کوریا پر حملہ غالباً اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ جاپان میں تجربے کار جنگی آدمیوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر انھیں باہر کسی کام پر نہ لگا دیا گیا تو ملک کے اندر فتنہ وفسادات پیدا کر دیں گے۔ پہلی فوج دو لاکھ افراد پر مشتمل تھی، اس نے پورے کوریا کو پامال کر ڈالا۔ جب چین نے مقابلے کے لیے زیادہ بڑی فوج بھیج دی تو جاپانی جنوبی ساحل کی طرف ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ 1597ء میں پھر حملہ کیا گیا، لیکن ہدی اوشی کی وفات کے باعث انھیں واپس آنا پڑا۔ ان کے ساتھ مٹی کے برتن بنانے کے ماہرین کی ایک تعداد بھی جاپان آ گئی۔

ٹوکوگاوا کا دور: (1600ء-1668)

1598ء میں ہدی اوشی کے مرتے ہی پھر ٹوکوگاوا آئی یاسو نے 1600ء میں اپنے تمام حریفوں کو شکست دے دی اور اختیارات کا مالک بن گیا۔ 1603ء میں اسے شوگن [1] کا عہدہ ملا۔ اس نے ایڈو کو اپنا فوجی مرکز بنایا۔ یہی مقام بعد ازاں ٹوکیو کے نام سے مشہور ہوا اور اسی کو قوم کے سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

آئی یاسو، نوبوناگا اور ہدی اوشی کے انجام سے آگاہ تھا، لہٰذا اس کی کوشش شروع ہی سے یہ رہی کہ اپنے خاندان کے لیے مستقل حکمرانی کا پختہ بندوبست کر دے۔ بڑے بڑے جاگیردار دو حصوں میں تقسیم تھے: ایک وہ جو پہلے سے آئی یاسو کے ساتھ تھے، انھیں مرکزی علاقوں میں بٹھا دیا گیا۔ جو لوگ آئی یاسو کے کامیاب ہونے کے بعد ساتھ ملے، انھیں دور افتادہ علاقوں میں بھیج دیا گیا، لیکن دونوں گروہوں کا فرض قرار دے دیا کہ اپنی طرف سے یرغمال مرکز میں چھوڑیں اور وقتاً فوقتاً خود بھی حکومتوں سے واپس آ کر مرکز میں رہیں۔

نظم ونسق کی سرسری کیفیت یہ تھی کہ سب سے اونچا درجہ شوگن کا تھا۔ کبھی کبھی کسی کو وزیر اعظم مقرر کر لیا جاتا اور چار پانچ دانش مندوں کی ایک مجلس بنا لی تھی، جسے مجلس سلطنت قرار دینا چاہیے۔ ان سے چھوٹے

درجے کے دانش مندوں کی مجلس عام انتظامات کی ذمہ داری تھی۔ سرکاری افسروں کی ایک جماعت کا کام یہ تھا کہ معاملات کی دیکھ بھال کرے اور خبریں بہم پہنچائے۔ باقی لوگ عام انتظامی کاروبار سنبھالے بیٹھے تھے۔ ٹوکوگاوا کے عہد اقتدار کے ابتدائی زمانے میں امن قائم رہا۔ اس سے درجہ معیشت کسی قدر بلند ہو گیا۔ آبادی بڑھ گئی۔ قومی دولت میں اضافہ ہوا۔ صنعت و حرفت اور تجارت نے ترقی کی۔ بڑے بڑے شہروں میں تاجروں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ شروع میں چاول اقتصادیات کی بنیاد تھے، اب روپیہ بنیاد بن گیا۔

بعد کے واقعات:

آئی یاسو کے بعد اس خاندان کے متعدد افراد اختیار و اقتدار کے مالک بنے رہے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ 1868ء میں ختم ہوا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک مندرجہ ذیل واقعات قابل ذکر ہیں:

(1) 1602ء میں ہسپانوی تاجر جاپان پہنچے۔ ان کے ساتھ معاہدہ کر لیا گیا، تاکہ تجارت کو فروغ حاصل ہو، لیکن یہ سلسلہ زیادہ نہ پھیلا۔

(2) 1609ء میں ولندیزوں نے ایک تجارتی مرکز مغربی جاپان میں قائم کیا۔

(3) 1612ء میں مسیحیوں پر سختیاں شروع ہو گئیں۔

(4) 1614ء میں ہدی اوشی کے بیٹے کا مرکز تمام غیر مطمئن عناصر کا مجمع بن گیا، اسے تباہ کر دیا گیا۔

(5) انگریز بھی جاپان پہنچے، لیکن تجارت مفید نظر نہ آئی تو 1663ء میں خود بخود چلے گئے۔

(6) 1624ء کو ہسپانویوں کو جاپان سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا اور فلپائنز سے تمام رشتے توڑ لیے گئے، جہاں ہسپانوی حکمران تھے۔

(7) 1736ء میں جاپانیوں کے لیے ملک سے باہر جانا ممنوع قرار دیا گیا۔ جو باہر تھے ان کو واپس آنے کی ممانعت کر دی گئی۔

(8) 1637ء میں کسانوں کی بغاوت ہوئی۔ یہ کسان زیادہ تر مسیحی تھا اور بغاوت کی وجہ مذہبی اور اقتصادی سختیاں تھیں۔ وہ سینتیس ہزار تھے اور تین مہینے مقابلہ کرتے رہے، بالآخر سب مارے گئے۔

(9) 1638ء میں پرتگیزوں کو بھی جاپان سے نکال دیا گیا، اس لیے کہ ان پر باغی کسانوں کی حمایت کا شبہ تھا۔

(10) 1657ء میں ٹوکوگاوامتسوکونی â1627 (Mitsukuni)ء-1701) نے چینی تاریخ کا نمونہ سامنے رکھ کر تاریخ جاپان کی ترتیب شروع کی۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب 1720ء تک مکمل کی گئی، پھر 1906ء تک کے حالات پر مرتب ہوگئے۔

(11) 1688ء سے 1704ء تک دورعلم وثقافت کا بہترین دور مانا جاتا ہے۔

(12) یوشی میون(Yoshimune) کے عہد میں نہایت اہم اصلاحی قوانین بنے۔کسانوں کے ہاتھ سے زمین کی ملکیتیں نکل رہی تھیں۔کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کی آبادی گھٹ گئی تھی۔زیادہ تر لوگ شہروں مین آگئے تھے۔فوجیوں پر قرضے کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ان سب کو بربادی سے بچانے کے لیے ایسے قوانین منظور کیے گئے جن سے قرض داروں کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا۔یوشی میون ہی نے یورپ سے کتابیں منگوانے کی ممانعت ختم کی،البتہ مذہبی کتابیں منگوانے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔

انقلابِ فرانس اور عہدِ نپولین

انقلاب اور جمہوریت

انقلاب فرانس کے مختلف دور:

انقلاب فرانس اور عہد نپولین کم و بیش چھ مختلف چھوٹے چھوٹے دوروں میں بٹا ہوا ہے، جن کی کیفیت یہ ہے:

(1) مجلس عمومی کبیر (Estates-General) اور دستور ساز اسمبلی (Constituent Assembly) کا دور، جو 17 جون 1789ء سے 30 ستمبر 1791ء تک رہا۔ اس زمانے میں حکومت کا انداز دستوری بادشاہی کا تھا اور درمیانے طبقے کے بالائی حصے کو اقتدار حاصل تھا۔

(2) قانون ساز مجلس (Legislative Assembly) کا دور، جو یکم اکتوبر 1791ء سے 21 ستمبر 1792ء تک رہا۔ حکومت کا انداز بادشاہی کے خاتمے تک بہ دستور باقی رہا۔ البتہ نچلے طبقات کا اقتدار شروع ہو گیا۔

(3) قومی کنونشن (National Convention) کا دور، یہ 21 ستمبر 1792ء سے 25 اکتوبر 1795ء تک رہا۔ انقلاب اس دور میں کمال پر پہنچا۔ کنونشن نیا دستور بنانے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ اس نے بادشاہی ختم کی۔ بادشاہ کو موت کی سزا دی۔ دہشت و خونریزی کے دور کی حمایت کی۔ پھر اس کا تختہ الٹا اور بیرونی دشمنوں کے خلاف مزاحمت کا جوش پیدا کیا۔

(4) ڈائریکٹری (Directory) کا دور۔ 26 اکتوبر 1795ء۔ 9 نومبر 1799ء۔ درمیانی طبقے کا اثر بحال ہوا۔ جنرل بونا پارٹ کے اقدام سے حکومت میں فوری تغیر، جس کی وضع و ہیئت جمہوری تھی۔

(5) تین حاکموں کا دور[1] 25 دسمبر 1799ء۔ 20 مئی 1804ء۔ اس میں تمام فوجی اور انتظامی اختیارات عملاً ایک شخص کے ہاتھ میں تھے۔ فرانسیسیوں کی عظیم الشان فتوحات۔ حکومت کی وضع و ہیئت اب بھی جمہوری تھی۔

(6) شہنشاہی کا دور۔ 20 مئی 1804ء سے اپریل 1814ء۔ (نپولین کی دست برداری) چونکہ نپولین 1815ء میں ایلبا سے واپس آ کر دوبارہ شہنشاہ بن گیا تھا، لہٰذا یہ دور حقیقتاً 22 جون 1815ء کو ختم ہوا۔

انقلاب کا پس منظر:

اٹھارہویں صدی عیسوی کے یورپ کی فطرت وطبیعت ہی یہ بن گئی تھی کہ جو ادارے مدت سے چلے آ رہے تھے یا تو انھیں تباہ کر دیا جائے یا ان میں زیادہ سے زیادہ اصلاحی عمل جاری کیا جائے۔ فرانسیسی اہل قلم، کلیسا اور نظام حکومت پر برابر چوٹیں کرتے رہتے تھے۔ ان تحریرات کا اثر آہستہ آہستہ لوگوں کے دل و دماغ پر پڑتا رہا۔

فرانسیسی کسانوں کی عام حالت اکثر یورپی ملکوں کے مقابلے میں بدرجہا بہتر تھی۔ ان کی تعداد کم وبیش دو کروڑ ہوگی۔ ان میں سے صرف تین لاکھ کسان ایسے تھے، جن پر بعض غلامانہ پابندیاں عائد تھیں۔ تاہم ان میں سے اکثر کے پاس زمینیں تھیں، اگرچہ ان کی مقدار کافی نہ تھی۔ اصل مصیبت یہ تھی کہ ان پر جاگیرداروں کی طرف سے بہت سے واجبات لگے ہوئے تھے۔ اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ اٹھارہویں صدی کی نصف آخری میں بہت سے جاگیرداروں نے یہ واجبات سختی سے وصول کرنے کی کوشش کی۔ کسانوں پر محصولوں کا بوجھ بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان کی زمینوں پر ایسے ٹیکس بھی لگے ہوئے جن سے امراء اور پادری بالکل بری تھے۔

درمیانے طبقے کے لوگ عموماً سیاسیات سے الگ تھلگ رکھے جاتے تھے۔ فرانسیسی تجارت کے فروغ کے ساتھ اس طبقے کے پاس دولت خوب جمع ہو گئی اور بعض اقتدار دوست لوگوں نے پیسے دے کر عہدے حاصل کر لیے۔ یہ طبقہ فرانسیسی فلسفیوں کی تحریرات مزے لے لے کر پڑھتا تھا۔

نظام حکومت بڑا بے ڈھب اور نااہل تھا۔ اس میں استبداد سے کہیں بڑھ کر غیر ذمہ داری اور خود رائی تکلیف دہ تھی اور اس قسم کا نظام حکومت ایک اعلیٰ درجے کی تجارتی اور صنعتی سلطنت کے لیے ہرگز موزوں نہ تھا۔ محاصل غیر منصفانہ تھے۔ پادری اور امراء پورے محاصل ادا نہ کرتے تھے۔ کوئی صحیح نمائندہ مجلس موجود نہ تھی، جس کے ذریعے سے عوام کی شکایات کی تلافی کرائی جا سکتی۔

بجٹ میں ہر سال خسارہ بڑھ رہا تھا اور اس میں کمی کی کوئی صورت نہ نکالی جا سکی۔ مالی نقطۂ نظر سے حکومت کی حالت دیوالیہ پن کے قریب پہنچ چکی تھی اور مجلس عمومی کبیر کے بلانے کی غرض یہ تھی کہ اس نازک صورت حال کا کوئی مداوا تجویز کرایا جا سکے۔ اس مجلس کا اجلاس ہوا تو اس اس نے صرف مالی ضرورت کو

پورا کرنے کے بجائے پورے نظام حکومت کی اصلاح اپنے ذمے لے لی۔

دستور ساز اسمبلی:

مجلس عمومی کبیر کا اجلاس 5 مئی 1789ء کو ورسائی (Versailles) میں ہوا۔ اس میں تین سو نمائندے امرا کے تھے، تین سو مذہبی طبقے کے، ان کے مقابلے میں چھ سو نمائندے عوام کے تھے۔ شروع ہی میں معاملات پر بحث کرنے اور رائے دینے کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔ امراء اور پادری کہتے تھے کہ تمام طبقوں کے ووٹ الگ الگ لیے جائیں۔ عوامی نمائندوں کی خواہش تھی کہ پورے ایوان کے ووٹ مشترک ہونے چاہئیں۔ گویا اصل سوال یہ تھا کہ آیا حکومت کے ایوان دو ہوں: ایک ایوان بالا اور دوسرا ایوان زیریں یا صرف ایک ایوان ہوں۔

17 جون کو عوام کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ ہم دستور ساز یا قومی اسمبلی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی حیثیت میں کام کریں گے۔ امراء اور پادری ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ تین روز تک اسمبلی کا اجلاس ملتوی رہا۔ جس ایوان میں اجلاس ہوتا تھا اس کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ عوامی نمائندے ٹینس کھیلنے کے میدان میں جمع ہوئے اور حلف اٹھا لیا کہ جب تک نیا دستور نہ بنا لیں گے وہ اپنے گھروں میں واپس نہ جائیں گے۔ یہ حالت دیکھ کر امراء اور پادریوں میں سے بھی خاصی بڑی تعداد ان میں شامل ہو گئی۔

انھیں راضی کرنے کی مختلف کوششیں کی گئیں۔ جب کار برآری کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو بادشاہ کی خواہش کے مطابق پادریوں اور امراء کے باقی نمائندے بھی عوامی نمائندوں میں شامل ہو گئے۔ گویا عوامی نمائندوں کی ہمت نے کامیابی کی منزل پر پہنچا دیا۔

انقلاب کا پہلا شرارہ:

پیرس میں فوج جمع ہو گئی تھی۔ بدیں وجہ افواہ پھیل گئی تھی کہ بادشاہ دستو ساز یا قومی اسمبلی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اس سے عوام میں اضطراب پیدا ہوا۔ 11 جولائی کو نیکر برطرف ہوا، جو وزیر مال تھا۔ عوام کو اس سے بہت امیدیں تھیں۔ اس کی برطرفی سے سمجھ لیا گیا کہ اب کوئی امید پوری نہ ہو گی۔ چنانچہ وہ اچانک اٹھے اور 14 جولائی کو بیستی[1] کے قید خانے پر ہلہ بول دیا، جو اگرچہ قلعہ تھا مگر وہاں سیاسی قیدی رکھے جاتے تھے۔ حملہ آوروں کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔ قید خانے کا گورنر مارا گیا۔ یہ انقلاب کا پہلا شرارہ تھا، جس نے تھوڑی ہی دیر میں ایک خوفناک آگ کی صورت اختیار کر لی۔

اب پیرس کے معاملات کی باگ ڈور عوام کے ہاتھ میں تھی۔ عوامی نمائندوں نے ایک عارضی حکومت

بنائی اور نیکر کو مالی وزارت پر بحال کر دیا۔ ایک قومی فوج بن گئی۔ لافیئے (Lafayette) کو اس کا کمان دار بنا دیا گیا۔ وہ جھنڈا اختیار کر لیا گیا جس میں تین رنگ تھے: یعنی نیلا، سرخ اور سفید۔ یہی ترنگا جھنڈا انقلاب کا نشان بن گیا۔

عوام کے اس جوش نے امیروں کے طبقے میں ہراس پیدا کرایا اور وہ ملک چھوڑ کر باہر بھاگنے لگے۔ مختلف صوبوں میں کسانوں کی جاگیرداروں کے خلاف ہنگامے بپا کر دیئے۔ 4 اگست کو امراء کے نمائندوں نے اپنے تمام جاگیردارانہ حقوق چھوڑ دینے کی پیش کش کی، لیکن کہا کہ حقوق تدریجاً چھوڑے جائیں گے اور مالک ان کے لیے معاوضے کے حق دار ہوں گے۔ تمام خطابات منسوخ کر دیئے گئے۔

پیرس میں ہنگامہ:

27 اگست کو بنیادی انسانی حقوق کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد پھر طرح طرح کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ آخر ایک زبردست جلوس تیار ہوا جس میں بہت بڑی اکثریت عورتوں کی تھی اور اس نے پیرس سے ورسائی کی طرف کوچ شروع کر دیا، جہاں شاہی خاندان رہتا تھا۔ لافیئے نے بڑی مشکل سے شاہی خاندان کو بچایا اور وہ تمام افراد کو پیرس لے آیا۔ دستور ساز یا قومی اسمبلی کے ممبر بھی پیرس پہنچ گئے ان میں سے دو سو ممبروں نے استعفا دے دیا۔

اس اثناء میں فیصلہ ہو گیا کہ نمائندوں کا ایک ایوان ہو گا جسے قانون بنانے کا پورا اختیار حاصل رہے گا۔ بادشاہ کی حیثیت دستوری حکمران کی ہوگی۔ اسے ویٹو کا اختیار دے دیا گیا، لیکن ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ وہ کسی قانون کو وضع قوانین کی میعاد سے زیادہ دیر تک روک نہ سکے گا، نیز اسے ایوان کی مرضی کے خلاف جنگ یا صلح کا اختیار نہ ہو گا۔

دستور کی منظوری:

14 جولائی 1790ء کو بادشاہ نے یہ دستور منظور کر لیا۔ پرانے صوبے اور ان کی حکومتیں ختم کر دی گئیں۔ فرانس کو از سر نو تراسی حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔ حلقوں کے نام دریاؤں یا پہاڑوں کی بنا پر رکھے گئے۔ ان حلقوں کو ضلعوں میں بانٹا گیا جن کی تعداد تین سو چوہتر تھی۔ پہلے ابتدائی مجلسوں کے لیے نمائندے چنے جاتے، یہ مجلسیں انتخاب کنندوں کو چنتیں۔ پھر مرکزی قانونی ساز مجلس کے نمائندوں کا چناؤ عمل میں آتا۔ ان کی تعداد سات سو پینتالیس تھی۔ مجلس کی میعاد دو سال رکھی گئی۔ عوام دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو ووٹ دیتے تھے، ان پر خاص ٹیکس لگایا گیا۔ دوسرے وہ جو ووٹ نہیں دیتے تھے۔

یہی زمانہ ہے جس میں مختلف نمائندوں نے مل کر مجلسیں یا سبھائیں بنالیں اور وہ اپنی اپنی مجلسوں میں مختلف معاملات پر گفتگوئیں اور مشورے کرتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں جن مختلف لیڈروں کو خاص شہرت حاصل ہوئی، ان میں سے دانتن (Danton) اور رابس پیئر (Robespierre) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیمولین (Desmoulins) ہیبرٹ (Herert) مرات (Marat) لافییٹ اور بیلی بھی لیڈروں میں شامل تھے۔ میرابو (Mirabeau) سب سے فائق تھا۔ اس نے انقلاب کو آخری حد پر پہنچنے سے روکنے اور شاہی تخت کو بچانے کی انتہائی کوشش کی، لیکن 2 اپریل 1791ء کو وہ فوت ہوگیا، ساتھ ہی شاہی خاندان کی امیدیں بھی مر گئیں۔

بادشاہ کا فرار:

بادشاہ نے ہر طرف سے مایوس ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اپنے خاندان کو لے کر چپ چاپ نکل جائے اور فرانس کی سرحد سے باہر کہیں پناہ لے۔ چنانچہ 20 جون 1791ء کو وہ بھیس بدل کر اپنے خاندان کے ساتھ روانہ ہوا۔ امید تھی کہ سرحد پر پہنچ جانے کے بعد وفادار فوجی اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھالیں گے۔ چنانچہ اس نے شمالی و مشرقی سرحد کی طرف سفر شروع کیا۔ قریباً تین چوتھائی راستے طے ہو چکا تھا، صرف ایک چوتھائی باقی تھا۔ ویرے نیز (Varennes) پہنچتے ہی بعض لوگوں نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے اہل و عیال کیساتھ پیرس پہنچا دیا۔ پرانی اسمبلی توڑ دی گئی اور نئی اسمبلی کے انتخابات شروع ہو گئے۔

دستور ساز اسمبلی:

اکتوبر 1791ء میں پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ اس میں کئی فریق تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جنہیں اعتدال پسند جمہوری کہنا چاہیے اور وہ بادشاہی کے حامی تھے، اگرچہ کھل کر کچھ کہنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرا فریق وہ تھا جس میں اعلیٰ درجے کے خطیب شامل تھے، مثلاً گوادے (Guadet) ورینیاؤ (Vergniaud) برسو (Brissot) یہ وفاقی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے۔ تیسرا فریق انتہا پسندوں کا تھا۔ یہ ایسی جمہوریت کا قائل تھے جو ایک مرکز پر مبنی ہو اور جس کی حکومت وحدانی طرز کی ہو۔

جنگ کا آغاز:

27 اگست 1791ء کو شاہ پروشیا اور شہنشاہ آسٹریا نے غور و فکر کے بعد ایک اعلان شائع کیا کہ مختلف طاقتوں کے اتفاق رائے سے فرانس کے معاملات میں دخل دیا جائے گا۔ فرانسیسیوں نے سمجھا کہ یہ دھمکی ہے۔ اس سے کشیدگی بڑھی۔ 7 فروری 1792ء کو پروشیا اور آسٹریا نے فرانس کے خلاف اتحاد کر لیا۔ فرانس

کے خلاف بیرونی طاقتوں کا یہ پہلا اتحاد تھا۔ جو فرانسیسی امراء ملک سے باہر نکل گئے تھے ان سب کی خواہش یہی تھی کہ لڑائی چھڑے۔ عجیب امر یہ ہے کہ اپریل میں خود فرانس نے آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور تین فوجوں کو میدان جنگ میں بھیج دیا جن میں سے ایک اڑتالیس ہزار، دوسری باون ہزار اور تیسری بیالیس ہزار تھی۔

اعلان جنگ نے عوام میں اشتعال پیدا کر دیا۔ سمجھا یہ گیا کہ آسٹریا نے بادشاہ اور ملکہ کے ایماء پر لڑائی شروع کی ہے۔ چنانچہ شاہی محل پر ہلا بول دیا گیا۔ (20 جون 1792ء)۔ بادشاہ کے تحمل اور بردباری کے باعث نازک صورت پیدا نہ ہوئی۔ 10 اگست کو عوام کا حملہ دوبارہ ہوا۔ جو گارد شاہی محل کی حفاظت کے لیے موجود تھی بادشاہ نے اسے جوابی آتش باری سے روک دیا۔ عوام نے آگے بڑھ کر پوری گارد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قتل و فساد:

بادشاہ اور اس کے خاندان کو بڑی مشکل سے بچا کر اسمبلی کے ایوان میں پہنچایا گیا۔ وہاں سے خاندان کو اس پرانے مکان میں منتقل کر دیا جو ایک زمانے میں ہیکل یروشلم کے لیے لڑنے والے جنگجوؤں کا مرکز تھا۔ نئی عارضی حکومت بن گئی۔ مشتبہ آدمی پکڑے گئے۔ لافیے بھاگ کر آسٹریا پہنچ گیا جہاں اسے 1796ء تک قید رکھا گیا۔ پروشیا کی فوج نے پیش کرتے ہوئے وردون (Verdun) پر قبضہ کر لیا۔

یہ حالات تھے جب ستمبر کے مہینے میں پیرس کے اندر ایک نہایت افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ یعنی عوام کے اشتعال کی حالت میں مختلف قید خانوں پر ہلا بول دیا اور برائے نام مقدمات چلا کر قیدیوں کو موت کی سزا دے دی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ہنگامے میں کم و بیش دس ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ تمام لوگ اس شبہ میں گرفتار ہوئے تھے کہ سب بادشاہی کے حامی ہیں۔ اسی قسم کی خونریزی کے واقعات ورسائی، ریمز (Rehiems) اور رلیانز (Orleans) لیانز (Lyons) اور بعض دوسرے شہروں میں پیش آئے۔ اس اثناء میں فرانسیسی فوج کو پروشیا کی فوج کے مقابلے میں ایک جگہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

قومی کنونشن:

پہلی مجلس ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ قومی کنونشن نے لے لی۔ اس کے سات سو انچاس ممبر تھے جن میں سے چار سو چھیاسی نئے اور باقی پرانے تھے۔ یہ لوگ بالغوں کے حق رائے سے منتخب ہوئے تھے۔

21 ستمبر 1792ء کو قومی کنونشن نے بادشاہی ختم کر دی اور فرانس میں جمہوریت کے قیام کا اعلان کر

دیا۔ ہر مرد، عورت کو شہری کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بعض مقامات پر فرانسیسیوں کو جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ 19 نومبر کو کنونشن نے عام اعلان کر دیا کہ جس ملک کے عوام اپنی حکومت کا تختہ الٹنا چاہیں فرانس انھیں ہر ممکن امداد دے گی۔

باشادہ کو سزائے موت:

بادشاہ کا مقدمہ کنونشن کے سامنے پیش ہوا۔ 15 جنوری 1793ء کو کنونشن کے اجلاس میں سات سو اکیس ممبر موجود تھے ان میں سے چھ سو تراسی نے بادشاہ کو مجرم قرار دیا۔ 16 جنوری کو سزا کا معاملہ پیش ہوا، تو تین سو اکسٹھ ممبروں نے موت کی سزا تجویز کی اور تین سو ساٹھ نے قید یا جلاوطنی کے حق میں رائے دی۔ محض ایک رائے کی اکثریت کی بنا پر غریب بادشاہ کو موت کی سزا دے دی گئی۔

جمہوریہ فرانس کی لڑائیاں

برطانیہ اور ہسپانیہ کے خلاف جنگ:

اب تک صرف پروشیا اور آسٹریا فرانس کے خلاف لڑ رہے تھے، پھر برطانیہ، ہسپانیہ اور ہالینڈ بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ یکم فروری 1793ء کو فرانس نے ان کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا۔ 18 مارچ کو فرانسیسی سپہ سالار نے آسٹریا سے لڑتے ہوئے شکست کھائی اور وہ آسٹرویوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے بڑی سراسیمگی پیدا ہوئی۔ کونشن نے حفاظت عامہ کے لیے ایک خاص کمیٹی بنا دی، جس کے ممبر ابتداء میں نو تھے، بعد میں بارہ ہو گئے۔ اس زمانے میں دانتن اور رابس پیئر کا طوطی خوب بول رہا تھا۔

دہشت وخونریزی کا دور:

1793ء میں دہشت وخونریزی کا نہایت خوفناک دور شروع ہو گیا، جو دراصل ہر طرف سے بیرونی حملوں کا ایک طبعی نتیجہ تھا۔ 16 اکتوبر کو ملکہ کے لیے موت کی سزا تجویز ہوئی۔ پھر جگہ جگہ لوگ موت کے گھاٹ اتارے جانے لگے۔ انقلابی عدالتیں بنا دی گئی تھیں۔ جو شخص ان کے سامنے آتا، اسے آخری سزا دے دی جاتی۔ صرف ایک نانتز (Nantes) کی انقلابی عدالت نے تین مہینے میں پندرہ ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا۔

یہی زمانہ ہے جس میں خود بڑے لیڈروں کے درمیان بھی کشمکش شروع ہوئی، چنانچہ اس میں وہ لوگ بھی مارے گئے، جنھوں نے انقلاب کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ 6 اپریل 1794ء کو دانتن اور اس کے ساتھی موت کی سزا پا گئے۔ 27 جولائی کو خود رابس پیئر اور اس کے ساتھیوں کی باری آگئی۔ پہلے دن ان کے اٹھارہ آدمی قتل ہوئے۔ دوسرے دن اسی آدمیوں کے سر کٹ گئے۔

جنگ کی کیفیت:

انگریزی فوجوں نے فرانس کی جنوبی بندرگاہ طولون (Toulon) پر قبضہ کر لیا تھا، انھیں لڑ کر طولون سے نکالا گیا۔ یہ پہلی جنگ ہے جس میں نپولین بونا پارٹ نے نمایاں حصہ لیا۔ بعض اور مقامات پر بھی فرانسیسیوں کو کامیابیاں حاصل ہوئیں اور بلجیم کو انھوں نے خالی کرا لیا۔ مارچ 1795ء میں فرانس اور پروشیا کے درمیان صلح ہوئی۔ پھر جرمنی کی دوسری ریاستیں بھی لڑائی سے الگ ہو گئیں۔ 22 جون کو ہسپانیہ نے بھی صلح کر لی۔ انگریزوں نے برٹنی میں فوج اتارنے کی کوشش کی۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل تھے، جو

فرانس سے باہر نکل گئے تھے۔حملہ آوروں نے شکست کھائی۔جلاوطن فرانسیسیوں میں سے سات سو مارے گئے۔اس کے بعد قیدیوں میں سے ایک ہزار کی موت کی سزا دے دی گئی۔لوئی شانز دہم کی موت پر اس کے کم سن بیٹے کو بیرونی طاقتوں نے لوئی ہفت دہم کے لقب سے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا، اگرچہ وہ قید تھا۔ 8جون1795ء کو قید ہی میں وہ فوت ہو گیا۔صرف دس سال کی عمر تھی۔

نیا دستور:

22اگست1795ء کو نیا دستور منظور ہوا۔اس کے مطابق انتظامات پانچ ڈائریکٹروں کے حوالے کیے گئے۔ان کی امداد کے لیے نمائندوں کے دو ایوان تجویز ہوئے: ایک مجلس اکابر (Council of Elders) جس کے ارکان اڑھائی سو تھے، دوسرا ایوان جس کا نام "مجلس پانصد" (Council of Five Hundred) رکھا گیا۔پہلے دور کے لیے یہ طے کر دیا گیا کہ دونوں ایوانوں کے دو تہائی ممبر کنونشن کے ممبروں میں سے لے لیے جائیں۔اس تجویز کی مخالفت ہوئی اور حالات خاصے نازک ہو گئے۔اندیشہ تھا کہ مخالفین غلبہ پا کر ڈائریکٹروں کو قتل کر دیں گے۔ڈائریکٹروں میں سے ایک کا نام بیرس(Barras) تھا۔ وہ نپولین بونا پارٹ کو جانتا تھا۔اس کی تجویز پر نپولین کو کنونشن کی حفاظت کا کام سونپ دیا گیا۔نپولین نے حفاظت کے تمام انتظامات مکمل کر لیے مخالفوں کی طرف سے حملہ ہوا تو نپولین کی توپوں نے تھوڑی ہی دیر میں ان کا خاتمہ کر دیا۔کنونشن ختم ہو گئی۔نئے دستور کے مطابق ڈائریکٹروں نے حکومت کا کاروبار سنبھال لیا۔

ڈائریکٹری:

ڈائریکٹری1795ء سے 1899ء تک قائم رہی۔یہ زمانہ انقلاب فرانس کی شان و شوکت کا بہت اچھا زمانہ ہے، اس لیے کہ اس کے جرنیلوں خصوصاً نپولین نے ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کیں، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

ڈائریکٹری میں کارنو(Carnot) وزیر جنگ تھا۔اس نے دشمنوں کے خلاف تین الگ فوجیں بھیجنے کی تجویز پیش کی، جو منظور ہو گئی:

(1) پہلی فوج کا کمان دار جورڈان(Jourdan) تھا۔اسے حکم ملا تھا کہ دریائے رہائن کے زیریں حصے کو عبور کر کے فرینکونیا میں پیش قدمی کرے۔

(2) دوسری فوج کا کمان دار موریو(Moreau) تھا۔یہ بالائی رہائن کو عبور کر کے سوابیا اور بویریا میں پیش

قدمی کرنے والی تھی۔

(3) تیسری فوج کا کمان دار نپولین بونا پارٹ تھا۔اِس کا فرض یہ تھا کہ پہلے اٹلی کو آسٹرویوں سے پاک کرے، پھر ٹائرول میں سے ہوکر باقی دو فوجوں کے لیے تقویت کا باعث ہے۔

جرمنی میں پیش قدمی اور انجام:

جورداان اور موریو جرمنی میں بڑھے اور مختلف علاقوں کو ترک جنگ پر مجبور کر دیا، لیکن اچانک شہنشاہی افواج کے کمان دار آرچ ڈیوک چارلس نے جوابی کاروائی شروع کر دی اور جورداان کو دو لڑائیوں میں شکست فاش دی، جس کے بعد جورداان نے سپہ سالاری کا عہدہ چھوڑ دیا۔ پھر آرچ ڈیوک نے موریو کی طرف توجہ کی۔ وہ تیزی سے پسپا ہو کر دریائے رہائن پر پہنچ گیا۔ گویا ان دو فوجوں نے جتنے قدم آگے بڑھائے تھے، اتنے ہی پیچھے ہٹائے اور وہ دشمنوں پر کوئی قابل توجہ اور قابل ذکر اثر نہ ڈال سکیں۔

نپولین بونا پارٹ:

تیسری فوج نپولین بونا پارٹ کی سرکردگی میں اٹلی کے اندر بڑھی۔ اور پے در پے اطالوی فوج کو شکستیں دے کر علاقے فتح کرتی گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سال کے اندر کم وبیش چوہتر چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن میں سے ہر ایک میں فرانسیسی فوج نے کامیابی حاصل کی۔ ان لڑائیوں میں سے کیسٹلیان (Castiglione)، آرکولا (Arcola) ریوولی (Rivoli) اور لودی (Lodi) کی لڑائیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شاندار کامیابیوں نے جمہوریہ فرانس کی عزت کو چار چاند لگا دیئے۔ فرانسیسیوں کا طریقہ یہ تھا کہ جس علاقے کو فتح کرتے، وہاں جمہوری حکومت قائم کر دیتے۔ 18 اپریل 1798ء کو صلح کی ابتدائی گفت وشنید آسٹریا نے شروع کر دی۔ اس کے مطابق آسٹریا نے اٹلی اور بلجیم کے خاصے علاقے فرانس کے حوالے کر دیئے یا مختلف جمہوریتوں کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد فرانسیسی فوج نے وینس پر ہلہ بول دیا اور محض وینس شہر ہی پر نہیں، بلکہ ان یونانی جزیروں پر بھی قبضہ کر لیا جن پر وینس قابض چلا آتا تھا۔ 9 جولائی 1798ء کو میلان، موڈینا، فیرارا، بولون اور روماناً (Romagna) کو ملا کر ایک جمہوری حکومت قائم کر دی گئی، جس کا نام کوہستان ایلپس کے جنوبی حصے کی جمہوریت [1] رکھا گیا۔ جنوآ کی جمہوریت کی شکل بھی بدل دی گئی اور اس کا نا علاقہ لیگوریا کی جمہوریت رکھا گیا۔ یہ دونوں بہرحال فرانس ہی کے زیر اثر تھیں۔

حکومت میں تبدیلی:

اس وقت تک مجلس اکابر، مجلس پانصد اور ڈائریکٹری میں دو فریق تھے۔ایک خالص جمہوری فریق اور دوسرا وہ فریق جسے رجعت پسند کہنا چاہیے، یعنی وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح پرانا طرز حکومت بحال ہو جائے یا اس کے طور پر طریقے بدلنے نہ پائیں۔4 ستمبر 1798ء کو جمہوری فریق نے ڈائریکٹری اور دونوں مجلسوں پر پورا اقتدار حاصل کر لیا۔جو تین آدمی ڈائریکٹر چنے گئے، وہ پکے جمہوری تھے اور انھی میں بیرس بھی شامل تھا، جو نپولین کا سرگرم حامی اور رفیق تھا۔

آسٹریا کے ساتھ صلح:

17 اکتوبر 1798ء کو آسٹریا کے ساتھ معاہدہ صلح پر دستخط ہو گئے۔ یہ کیمپوفورمیو (Campo Formio) کا معاہدہ کہلاتا ہے۔اس کی شرطیں یہ تھیں:

(1) آسٹریا نے نیدرلینڈز کے علاقے فرانس کو دے دیئے۔

(2) ایلپس کے جنوبی حصے کی جمہوریت کو تسلیم کر لیا۔

(3) دریائے رہائن کا مغربی کنارا فرانس کو دے دیا۔البتہ دریا میں سے کشتی رانی کا حق فرانس اور جرمنی دونوں کو حاصل رہا۔جن رئیسوں کے علاقے چھنے، فیصلہ کر دیا گیا کہ انھیں جرمنی کے اندر ان علاقوں کا معاوضہ دے دیا جائے گا۔

(4) جن یونانی جزیروں پر فرانس قابض ہوا تھا وہ اسی کے پاس رہے۔

(5) آسٹریا کو وینس کا علاقہ دریائے ایدیج (Adige) تک دے دیا گیا۔اس میں شہر وینس، استریا (Istria) اور ڈلمیشیا بھی شامل تھے۔

فرانسیسی فوجوں نے آگے بڑھ کر رومہ پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں ایک جمہوری حکومت بنا دی۔پوپ پائس ششم کو قید کر لیا گیا۔اپریل 1798ء میں سوئٹزرلینڈ پر بھی حملہ کیا گیا اور وہاں جو جمہوریت قائم کی اس کا نام ہلویٹی جمہوریت[1] رکھا گیا۔جنوآ فرانس کے حوالے ہو گیا۔

مصر پر حملہ:

نپولین نے بولون (فرانس کی بندرگاہ) میں فوج جمع کی تھی۔ یہ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ یہ انگلستان پر

حملے کی تیاری ہے۔ دراصل یہ ایک پردہ تھا، جس میں رہ کر مصر پر حملے کی تیاری کی گئی۔ 19 مئی 1798ء کو نپولین پینتیس ہزار فوجیوں کیساتھ طولون سے مصر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے ہمراہ سائنس دانوں اور سیاسی محرروں کی بھی ایک جماعت تھی۔ 12 جون کو اس نے اچانک مالٹا پہنچ کر جزیرے پر قبضہ کرلیا اور یکم جولائی کو وہ مصر کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ جاتے ہی اسکندریہ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس حملے کے اہم واقعات کی تفصیل یہ ہے:

(1) جنگ اہرام: مملوکوں کے رسالے اور فرانسیسی فوج کے درمیان قاہرہ سے باہر اہرام کے پاس لڑائی ہوئی (2 جولائی 1798ء) مملوکوں نے شکست کھائی اور نپولین قاہرہ پر قابض ہوگیا۔

(2) برطانوی امیرالبحر نیلسن فرانسیسی بیڑے کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ یکم اگست 1897ء کو اچانک فرانسیسی جہاز دریائے نیل کے دہانے پر مل گئے۔ نیلسن نے ان پر کاری ضرب لگائی۔

(3) چونکہ سلطنت عثمانیہ نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا، لہٰذا نپولین نے شام پر حملہ کر کے یافا لے لیا (فروری 1799ء) لیکن وہ عکہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ فرانسیسی فوج میں طاعون پھوٹ پڑا اور نپولین مصر واپس آ گیا۔

(4) جنگ ابو قیر: ترکوں اور انگریزوں نے مل کر ابو قیر[1] میں فوج اتاری۔ نپولین نے اس فوج کو شکست دے دی (25 جولائی 1798ء)

(5) نپولین 24 اگست 1799ء کو فرانس واپس چلا گیا اور اس کی جگہ کلیبر (Kleber) سپہ سالار بنا۔ اس نے ترکوں کے ساتھ گفت وشنید کے بعد فرانسیسی فوج کے تخلیے کا انتظام کرلیا۔ جو معاہدہ ہوا، اس کا نام العریش کا میثاق ہے (24 جنوری 1800ء)

(6) خود کلیبر اسی سال جون میں مارا گیا اور فرانسیسی فوج بعد میں ایک معاہدے کے ذریعے سے فرانس واپس ہوئی۔

فرانس کے خلاف دوسرا اتحاد:

فرانس کے خلاف پہلا اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ 24 ستمبر 1798ء کو روس اور برطانیہ نے نئے اتحاد کی بنیاد رکھی، جس میں آسٹریا، نیپلز، پرتگال اور سلطنت عثمانیہ بھی شامل ہو گئے۔ نپولین کی غیر حاضری میں

لڑائیاں شروع ہوئیں، جن میں سے بعض میں فرانسیسی جرنیل کامیاب ہوئے، لیکن پھر اتحادیوں نے انھیں یکے بعد دیگرے شکستوں پر شکستیں دیں۔ حتیٰ کہ روسی اور آسٹروی جرنیلوں نے میلان فتح کرلیا اور کوہستان ایلپس کی جنوبی جمہوریت کا چراغ گل کردیا۔ ساتھ ہی روسی جرنیل آگے بڑھ کر تورین پر قابض ہوگیا اور اس نے فرانسیسی جرنیل موریوں کی فوج کے بچے کھچے حصوں کو جنوآ میں بند کردیا۔ فرانسیسی جرنیل نے اسے شکست فاش دی اور وہ میدان جنگ میں مارا گیا۔

صرف ہالینڈ میں روسی اور برطانوی مہم بری طرح ناکام رہی۔ آخر برطانیہ نے فرانسیسیوں کے ساتھ الگ صلح کرکے ہالینڈ سے نکل جانے کا بندوبست کرلیا اور تمام فرانسیسی قیدی چھوڑ دیئے۔ یہ دیکھ کر روس اتحاد سے الگ ہوگیا۔

اس اثناء میں نپولین مصر سے واپس پہنچا (17 اکتوبر 1799ء) اس نے ڈائریکٹروں سے بات چیت کرکے نئی حکومت کے قیام کا بندوبست کرلیا۔ چنانچہ ڈائریکٹری ختم ہوگئی اور اس کی جگہ قونصلوں کی حکوم قائم کردی گئی۔ یہ تعداد میں تین تھے: ان میں سے ایک نپولین تھا، جسے اعلیٰ قونصل قرار دیا گیا۔ گویا اصل حکمران وہی تھا اور باقی دو آدمی اس کے معاون تھے۔

نپولین قونصل کی حیثیت میں:

نپولین 1799ء میں قونصل بنا تھا اور 1804ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کی ابتدائی مدت دس سال مقرر ہوئی تھی۔ ایک نیا دستور بنایا گیا، جسے جمہوریت کے آٹھویں سال کا دستور کہا جاتا تھا۔ اس کے متعلق رائے عامہ معلوم کی گئی تو تیس لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے اس کے حق میں رائے دی۔ صرف ایک ہزار پانچ سو سڑسٹھ اس کے خلاف تھے۔ اس دستور میں نپولین کو عملاً مختار کل بنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ چار جماعتیں تھیں:

(1) سینٹ، جس کے اسی ممبر تھے۔ مختلف حلقوں یا قانون ساز مجلسوں یا بڑے بڑے افسروں نے جو نام بھیجے تھے، ان میں سے سینٹ کے ممبر چن لیے گئے اور انھیں تاحیات الگ نہ کیا جاسکتا تھا۔

(2) ٹریبونیٹ، یعنی مجلس وکلائے جمہور۔ اس کے ایک سو ممبر تھے۔ حکومت کے پاس جو تجاویز پیش ہوتیں اس مجلس میں ان پر بحث کی جاتی، لیکن کسی تجویز پر ووٹ نہ دیئے جاتے تھے۔

(3) قانون ساز ایوان (Legislative Chamber) اس کے تین سو ممبر تھے۔ یہ ہر تجویز کو منظور یا نامنظور کرتے تھے، لیکن کسی پر بحث نہ کرسکتے تھے۔

(4) کونسل آف سٹیٹ، یہ نپولین نے خود مقرر کی تھی اور وضع قوانین کے کام میں اس کی سب سے بڑی معاون یہی جماعت تھی۔

انتخابات یوں ہوئے کہ سب سے پہلے مختلف حلقوں نے اپنے ہاں کے ممتاز آدمی چنے، پھر ہر حلقے کے ممتاز آدمیوں کو یہ موقع دیا گیا کہ اپنے میں سے دس فیصد منتخب کر لیں۔ آخر میں تمام حلقوں کے منتخب شدہ افراد میں سے دس فیصد چنے گئے اور انھیں فرانس کے ممتاز وکلاء قرار دیا گیا۔ اس آخری گروہ میں سے سینٹ قانون ساز ایوانوں کے لیے ممبر چنتا تھا۔

نپولین نے مختلف انتظامی حلقوں کے لیے الگ الگ ناظم مقرر کر دیئے۔ سارے انتظامی ڈھانچے کی حیثیت مرکزی تھی۔ محاصل کے لیے نیا نظام تجویز ہوا۔ تمام لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ نظام بہت ہی اچھا تھا اور خفیف سی ترمیمات کے ساتھ یہ اب تک قائم ہے۔ سول سروس کے لیے زیادہ اثر افراد انقلابیوں میں سے چنے گئے۔

لڑائیاں:

نپولین نے صلح کے لیے تحریک کی، لیکن یہ تحریک ٹھکرا دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑائیاں جاری ہیں۔ چنانچہ نپولین نے مختلف فوجیوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ خود چالیس ہزار فوج کے ساتھ مئی 1800ء میں سان برنارڈ[1] کے درے سے گزر کر اٹلی میں ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں سے آسٹروی فوج کے بازو پر کامیاب حملہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ آگے بڑھتے ہی اس نے میلان پر قبضہ کر لیا اور ایلپس کی جنوبی جمہوریت بحال کر دی۔ 14 جون کو میرنگو (Marengo) کے مقام پر آسٹرویوں سے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس میں نپولین نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اسی کامیابی نے صلح کا راستہ ہموار کر دیا۔

موریو نے جرمنی میں پیش قدمی کی۔ میونخ پر قبضہ کر لیا اور ہوہن لنڈن (Hohenlinden) کی لڑائی میں آسٹرویوں کو شکست دی۔ آخر فروری 1801 میں صلح ہو گئی، جس کے مطابق قدیم ''مقدس رومی سلطنت'' بالکل ختم ہو گئی۔ اسے معاہدہ لونے ول (Luneville) کہا جاتا ہے اس کی شرطیں یہ تھیں:

(1) کیمپو فورمیو کے معاہدے کے مطابق آسٹریا نے جن علاقوں سے دست برداری اختیار کی تھی، ان سے دست برداری کی تصدیق کر دی۔

(2) دریائے رہائن کا مغربی کنارا فرانس کے حوالے کر دیا گیا اور دریا کا درمیانی حصہ سرحد قرار پایا۔

(3) جن رئیسوں کے علاقے رہائن کے مغربی کنارے پر تھے انھیں معاوضے میں جرمنی کے اندر زمینیں

دے دی گئیں۔

(4) فرانس نے جتنی جمہوریتیں بنائی تھیں، آسٹریا نے ان سب کو تسلیم کر لیا۔

غرض اس معاہدے کے مطابق آسٹروی شہنشاہی نے پچیس ہزار ایک سو اسی میل رقبہ چھوڑا جس میں پینتیس لاکھ باشندے آباد تھے۔ ہسپانیہ نے لوئی سی آنا (Lousiana) کا علاقہ فرانس کے حوالے کر دیا۔

18 مارچ 1801ء کو نیپلز کے ساتھ ایک معاہدہ فلارنس کے مقام پر ہوا۔ اس کے مطابق نیپلز نے وسط اٹلی کے تمام مقبوضات فرانس کے حوالے کر دیئے۔ جزیرہ ایلبا بھی فرانس کو مل گیا۔ حکومت نیپلز نے اقرار کر لیا کہ اپنی کسی بندرگاہ میں برطانیہ اور ترکی کے جہازوں کو آنے نہ دے گا اور مختلف اطالوی شہروں میں فرانسیسی فوجیں متعین کر دی گئیں۔

برطانیہ کے خلاف جمعیت:

فرانس کی ان کامیابیوں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ کے خلاف ایک جمعیت بن گئی جس میں روس اور شمالی سمت کے بعض دوسرے ملک شامل تھے۔ پروشیا بھی اس جمعیت میں شامل ہو گی اور اس نے ہینوور پر قبضہ کر لیا جو برطانوی بادشاہوں کا جدی علاقہ تھا۔ برطانیہ نے ڈنمارک پر اس لیے حملہ کیا کہ ڈنمارک روس کا حلیف تھا اور روس برطانیہ کے خلاف جمعیت میں شامل تھا۔ زار روس نے یہ حالت دیکھی تو جمعیت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ساتھ ہی جمعیت ختم ہو گئی۔

پوپ سے میثاق:

1801ء میں نپولین پوپ کے ساتھ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میثاق کے مطابق قرار پایا کہ فرانس کے بڑے بڑے مذہبی عہدوں پر آدمی حکومت فرانس مقرر کرے گی، البتہ اس تقرر کی تصدیق پوپ سے حاصل کی جائے گی۔ پادریوں کو تنخواہیں حکومت فرانس دے گی۔ جن لوگوں نے گرجاؤں کے اوقاف خرید لیے تھے، پوپ نے انھیں درست تسلیم کر لیا۔ چنانچہ پائس ہفتم کو فیرارا، بولون اور رومانا کے سوا تمام علاقے واپس دے دیئے گئے۔

معاہدہ صلح:

صلح کے لیے گفت و شنید جاری تھی۔ 27 مارچ 1802ء کو امیانز (Amiens) کے مقام پر معاہدہ ہو گیا۔ اس طرح یورپ بھر میں امن کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس معاہدے کی شرطیں یہ تھیں کہ برطانیہ نے فرانس یا اس کے حلیفوں کے جو علاقے فتح کیے تھے، واپس کر دیئے۔ ان میں سے ٹرنی

ڈاڈ (Trinidad) ہسپانیہ کے حوالے ہو گیا اور سیلون کو بٹیویائی جمہوریت کی تحویل میں دے دیا گیا۔ فرانس نے سات یونانی جزیروں کی جمہوریت تسلیم کر لی اور مالٹا ان جنگجوؤں کے سپرد کر دیا کو صلیبی جنگوں کے زمانے سے وہاں بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی ترکی اور فرانس کے درمیان صلح ہو گئی۔

متفرق واقعات:

بعد کے واقعات اختصاراً ذیل میں درج ہیں:

(1) نپولین کو تا حیات قونصل بنا دیا گیا اور یہ حق بھی دے دیا گیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دے (2 اگست 1802ء)

(2) سینٹ کے اختیارات بڑھا دیئے گئے اور قانون ساز مجلسوں کی اہمیت کم ہو گئی۔

(3) نپولین کو اطالوی جمہوریت کا صدر بنا دیا گیا۔ یہ وہی جمہوریت تھی جو ابتداء میں کوہستان ایلپس کے جنوب کی جمہوریت کہلاتی تھی۔ ایلبا اور پیدماں (Piedmont) فرانس میں شامل ہو گئے۔

(4) فروری 1804ء میں نپولین کے خلاف ایک سازش کا انکشاف ہوا جس میں مختلف آدمی شریک تھے ان میں فرانس کا جرنیل موریو بھی تھا۔ وہ بھاگ کر امریکہ جا پہنچا۔ دو امیر اور ایک جرنیل مارے گئے۔

نپولین کی شہنشاہی:

18 مئی 1804ء کو سینٹ اور مجلس وکلاء نے نپولین کو فرانس کا شہنشاہ بنا دیا۔ 2 دسمبر کو پوپ پائس ہفتم نے پیرس میں تاج پوشی کی رسم ادا کی۔ پینتیس لاکھ بہتر ہزار آدمیوں نے استصواب میں اس کی تصدیق کے لیے رائے دی۔ صرف دو ہزار پانچ سو انہتر ووٹ خلاف تھے۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ شہنشاہی موروثی ہو گی۔ شہنشاہ کے بیٹے جانشین بنیں گے۔ نیز وہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں کو اپنا متبنیٰ بنا سکے گا۔ نپولین کے بعد اس کے بھائیوں میں سے پہلے جوزف پھر لوئی جانشینی کے حق دار ہوں گے۔

ساتھ ہی پرانے شہنشاہی طریقے اور قاعدے از سر نو زندہ ہو گئے۔ فرانس کی شہنشاہی کے علاوہ نپولین کو اٹلی کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے اپنے سوتیلے بیٹے یوجین کو اٹلی میں اپنا نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ جمہوریہ لیگوریا بھی فرانس میں شامل ہو گئی۔

فرانس میں انقلابیوں نے جمہوریت قائم کی تھی تو تقویم بھی بدل ڈالی تھی۔ مہینوں کے نام نئے رکھے تھے۔ ہر مہینہ تیس دن کا تھا۔ لوند کے پانچ دن تعطیلات کے رکھ دیئے گئے اور ان کا کوئی حساب نہ ہوتا تھا۔ ہر دسویں دن چھٹی منائی جاتی تھی۔ شہنشاہی کی بحالی کے ساتھ یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

نپولین کا عہدِ شہنشاہی

فرانس کے خلاف تیسرا اتحاد:

اب یورپی طاقتوں نے فرانس کے خلاف تیسری مرتبہ اتحاد قائم کرلیا۔ برطانیہ 16 مئی 1803ء سے اعلان جنگ کیے بیٹھا تھا، اب آسٹریا، روس اور سویڈن بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ہسپانیہ نے فرانس کا ساتھ دیا۔ فرانسیسی فوجیں سپہ سالاروں کے ماتحت تیزی سے دریائے رہائن کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ آسٹروی فوجوں کا مقابلہ کریں۔ اٹلی میں بھی ایک فوج آسٹرویوں کے مقابلے کے لیے موجود تھی۔ نپولین نے معمول کے مطابق خود آگے بڑھ کر تمام فوجوں کی کمان سنبھال اور بویریا کی طرف بڑھا جس پر آسٹرویوں نے حملہ کر دیا تھا۔ 17 اکتوبر 1805ء کو بمقام الم (Ulm) آسٹرویوں نے شکست کھائی اور ان کی تیس ہزار فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

الم کے بعد فرانسیسی فوج دریائے ڈینیوٹ کے ساتھ ساتھ ویانا کی طرف بڑھ۔ اس اثناء میں روس کی فوجیں آسٹریا کی مدد کے لیے موریویا میں داخل ہو گئیں۔ ان میں سے ایک فوج کی کمان خود روس کا زار الگزانڈر کر رہا تھا۔ آسٹرلٹز (Austerlitz) کے مقام پر 2 دسمبر کو جنگ ہوئی۔ آسٹروی اور روسی فوجوں نے شکست فاش کھائی۔ آسٹریا نے جلدی سے متارکہ پر رضامندی ظاہر کی اور روسی پیچھے ہٹ گئے۔ آسٹرلٹز نپولین کی نہایت عظیم الشان کامیابیوں میں سے ایک ہے۔

26 دسمبر کو فرانس اور آسٹریا کے درمیان صلح ہو گئی۔ اس کے مطابق آسٹریا نے وینس کا وہ پورا علاقہ چھوڑ دیا جو کیمپوفورمیو کے معاہدے میں اسے ملا تھا۔ آسٹریا اور ڈلمیشیا بھی چھوڑ دیئے اور نپولین کو اٹلی کا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ اس کے علاوہ آسٹریا نے کچھ علاقے بویریا، ورٹم برگ اور بیڈن کو بھی دے۔

نیپلز نے بوربون شاہی خاندان کو معزول کر کے نپولین نے اپنے بڑے بھائی جوزف کو نیپلز کا بادشاہ بنا دیا۔ نپولین کا تیسرا بھائی لوئی ہالینڈ کا بادشاہ بن گیا۔ نپولین نے اپنے سپہ سالاروں کو بھی اونچے درجے کے خطابات دیئے۔ جرمنی کے مختلف رؤسا کو ملا کر ایک وفاق کی شکل دے دی گئی جس کا نام وفاق رہائن (Confederation of Rhine) رکھا گیا۔ یوں وہ شہنشاہی ختم ہو گئی جس کا سلسلہ تیرہویں صدی سے ہیپس برگ خاندان میں چلا آ رہا تھا اور جسے مقدس رومی سلطنت کہتے تھے۔

روس اور پروشیا کے خلاف جنگ:

1806ء میں نپولین کو پروشیا کے خلاف میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ فرانس

کے کچھ علاقے ہتھیا لیے تھے اور قریباً نصف جرمنی میں فرانسیسی فوجیں موجود تھیں۔ پروشیا کی فوج کا سپہ سالار ڈیوک آف برنزوک (Brunswick) تھا۔ پروشیا نے 10 اکتوبر کو پہلی شکست کھائی۔ 14 اکتوبر کو جینا (Jean) اور آرسٹاف (Auerstadt) کی لڑائیوں میں پروشیا کی فوج بری طرح ہاری۔ جینا بھی نپولین کی بہت بڑی لڑائیوں میں سے ایک ہے۔ 27 اکتوبر کو نپولین برلین پر قابض ہوگیا۔ وہیں سے 21 نومبر کو اس نے برطانیہ کی ناکہ بندی کا فرمان جاری کیا اور اعلان کر دیا کہ براعظم یورپ کی تمام بندرگاہیں برطانیہ کی تجارت کے لیے بند ہیں۔

ٹرے فالگر، آئی لا، فریڈ لینڈ:

نپولین کے پاس بحری قوت زیادہ اچھی نہ تھی۔ ہسپانیہ اور فرانس کے متحدہ بیڑے کو ایک لڑائی بمقام ٹرے فالگر (Trafalgar) انگریزی بیڑے سے پیش آئی (21 اکتوبر 1805ء) انگریزی بیڑے کی کمان مشہور امیر البحر نیلسن کے ہاتھ میں تھی۔ فرانسیسی اور ہسپانوی بیڑے نے شکست کھائی۔ اسی لڑائی میں امیر البحر نیلسن مارا گیا۔

پروشیا کی شکست کے بعد روس آگے بڑھا کہ پروشیا کو ہر ممکن امداد دے۔ فروری 1807ء میں آئی لا (Eylau) کے مقام پر ایک خونریز جنگ ہوئی۔ فرانسیسیوں نے ترکوں کو اتحادیوں سے الگ کر لیا تھا، اس وجہ سے انگریزی بیڑا دردانیال سے گزر کر قسطنطنیہ کے سامنے پہنچ گیا، نیز انگریزوں نے سکندریہ پر قبضہ کر لیا۔

14 جون کو فریڈ لینڈ (Friedland) میں روسیوں سے جنگ ہوئی، جس میں روسی بری طرح شکست کھا گئے۔ نپولین نے دریائے نیمن تک پورا علاقہ لے لیا ہے۔

معاہدہ ٹلسٹ:

آخر جولائی 1807ء میں بمقام ٹلسٹ (Tilist) فرانس اور روس، نیز فرانس اور پروشیا کے درمیان معاہدہ صلح ہوگیا۔ اس کے مطابق:

(1) روس نے وارسا کی ریاست کو تسلیم کر لیا۔ یہ ریاست پروشیا کے ان علاقوں کو الگ کر کے بنائی گئی تھی جو پولینڈ کی تقسیم میں پروشا کو ملے تھے۔

(2) ڈانزگ آزاد شہر قرار پایا۔

(3) مشرقی پروشیا کا تھوڑا سا علاقہ روس کو دے دیا گیا۔

(4) روس نے جوزف بونا پارٹ کو نیپلز اور لوئی بونا پارٹ کو ہالینڈ کا بادشاہ تسلیم کر لیا، بلکہ جیروم بونا پارٹ کے لیے ویسٹ فیلیا کی بادشاہی تجویز کی گئی تھی، روس نے اسے بھی تسلیم کر لیا۔ وفاق رہائن کی بھی

تصدیق کردی اور ترکوں کے ساتھ فیصلے کرانے میں نپولین کو حکم مان لیا۔ اسی طرح نپولین نے برطانیہ کے ساتھ فیصلے میں الگزنڈر کو مجاز تسلیم کرلیا۔

اس معاہدے کی ایک خفیہ دفعہ بھی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر برطانیہ اس صلح کو تسلیم نہ کرے تو روس برطانیہ کے خلاف فرانس سے اتحاد کرلے گا۔

پروشیا کے ساتھ جو معاہدہ ہوا، اس کے مطابق دریائے رہائن اور دریائے ایلب کے درمیان تمام زمینوں کی تقسیم کا اختیار نپولین کو مل گیا۔ پولینڈ کے جو علاقے پروشیا نے لے لیے تھے، وہ الگ کرالیے گئے۔ پروشیا کی تمام بندرگاہیں برطانوی جہازوں اور برطانوی تجارت کے لیے اس وقت تک بند کردی گئیں، جب تک برطانیہ صلح پر آمادہ نہ ہوجائے اور پروشیا کو صرف بیالیس ہزار فوج رکھنے کی اجازت دی گئی۔ نیز اس پر بھاری تاوان عائد کیا گیا۔

نئی بادشاہیاں:

ویسٹ فیلیا میں نئی بادشاہی قائم کردی گئی اور نپولین نے اپنے چھوٹے بھائی جیروم کو اس کا بادشاہ بنا دیا۔ پرتگال نے برطانوی تجارت کی بندش کے متعلق نپولین کا حکم قبول نہ کیا۔ اس پر فرانسیسی فوجوں نے پرتگال کو قبضے میں لے لیا۔ شاہی خاندان برازیل بھاگ گیا۔ ایک لاکھ فرانسیسی فوج یہ کہتی ہوئی مارچ 1808ء میں ہسپانیہ پہنچ گئی کہ ہسپانوی ساحل کو انگریزوں کی دست برد سے بچانا مقصود ہے۔ چارلس چہارم شاہ ہسپانیہ نے اپنے بیٹے فرڈیننڈ کے حق میں تاج وتخت سے دست برداری اختیار کرلی۔ نپولین نے باپ بیٹے دونوں کو فرانس بلوایا اور دونوں سے دست برداری حاصل کرنے اپنے بھائی جوزف کو ہسپانیہ کا بادشاہ بنا دیا اور نیپلز کی بادشاہی میورا (Murat) کو دے دی، جو نپولین کا مشہور جرنیل نیز اس کا بہنوئی تھا۔ اس پر ہسپانیہ میں ہنگامہ عام بپا ہوگیا۔

پرتگال و ہسپانیہ میں جنگ:

پرتگال اور ہسپانیہ میں بھی فرانسیسیوں کے خلاف جنگ شروع ہوگئی، جو 1808ء سے 1814ء تک رہی۔ برطانیہ نے ایک فوج سر آرتھر ولیزلی (بعد ازاں ڈیوک آف ولنگٹن) کی سرکردگی میں پرتگال بھیج دی۔ ہسپانیہ میں جو بغاوت ہوئی تھی اس پر قابو پالیا گیا۔ ارفرٹ (Erfurt) کے مقام پر ستمبر 1808ء میں نپولین اور زار روس کے درمیان مشاورت کے لیے ایک کانفرنس ہوئی جس میں چار بادشاہ اور چونتیس رئیس شامل تھے۔ بظاہر مقصد یہ تھا کہ فرانس اور روس کے درمیان اتحاد پختہ ہوجائے، لیکن فرانس کا ایک مدبر عین اس زمانے میں زار روس کو اس امر پر آمادہ کررہا تھا کہ آسٹریا کے خلاف زیادہ سختی نہ کرنی چاہیے۔

کانفرنس کے بعد نپولین خود ہسپانیہ پہنچا۔ میڈرڈ از سرنو فرانسیسیوں کے قبضے میں آ گیا۔ برطانوی جرنیل سر جان مور نے شمالی و مغربی سمت سے حملہ کیا تھا۔ نپولین نے اس طرف توجہ کی تو مور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ جنگ کارونا میں اسے شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ نپولین ہسپانیہ سے واپس ہوا تو غیر فیصلہ کن لڑائیاں وہاں ہوتی رہیں۔

آسٹریا سے جنگ:

اپریل 1809ء میں آرچ ڈیوک چارلس نے جرمن قوم سے اپیل کی کہ آزادی کے لیے جنگ شروع کرو اور ایک لاکھ ستر ہزار فوج کے ساتھ بویریا پر ہلہ بول دیا۔ نپولین نے چار لڑائیوں میں آسٹرویوں کو شکست دے کر بوہیمیا پہنچا دیا اور ویانا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مزید لڑائیاں ہوئیں، جن میں سے ایسپرن (Aspern) ایسلنگ (Essling) اور واگرام (Wagram) کی لڑائیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں آسٹروی بری طرح تباہ ہوئے۔ 14 اکتوبر 1890ء کو وہ صلح پر آمادہ ہو گئے اور تیس ہزار مربع میل کا مزید رقبہ چھوڑ کر صلح کی۔

یورپ کی عام کیفیت:

اپریل 1810ء میں نپولین نے اپنی پہلی بیوی جوزی فین کو طلاق دی، اس لیے کہ اس سے اولاد نہ ہوئی تھی اور نہ ہونے کی امید تھی۔ ساتھ ہی فرانسس اول شہنشاہ آسٹریا کی بیٹی ماری لوئیس سے شادی کر لی۔ مارچ 1811ء میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا، جسے پیدائش کے ساتھ ہی شاہ روم کا خطاب دے دیا گیا۔

یکم جولائی 1810ء کو نپولین کے بھائی لوئی شاہ ہالینڈ نے تاج و تخت چھوڑ دیا۔ نپولین نے ہالینڈ کی تمام بندرگاہیں برطانوی تجارت کے لیے بند کر دی تھیں۔ لوئی کے نزدیک یہ بندش ہالینڈ کے لیے نقصان رساں تھی، لہٰذا اس کے قبول سے انکار کر دیا۔ نپولین نے ہالینڈ کو فرانس کی سلطنت میں شامل کر لیا۔

سویڈن کا بادشاہ گستاوس چہارم تخت چھوڑنے پر مجبور ہوا اور اس کا چچا چارلس سیزدہم بادشاہ بنا۔ اس نے روس سے صلح کر لی۔ فرانس کے ساتھ بھی ایک معاہدہ ہو گیا جس کے مطابق سویڈن نے بھی برطانیہ کے ساتھ تجارت بند کر دی۔ 1810ء میں سویڈن کے لیے ایک ولی عہد چنا گیا۔ وہ اچانک فوت ہو گیا تو فرانس کے ایک سپہ سالار برنادوت (Bernadotte) کو ولی عہد بنا دیا گیا۔

پوپ کے ساتھ جو سمجھوتا ہوا تھا، اس پر عمل میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ کشمکش اس وقت شروع ہوئی، جب پوپ نے بندش تجارت کے فرمان کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ نپولین نے پوپ کی تمام جاگیریں

ضبط کر کے سلطنت میں شامل کر لیں۔ پوپ نے نپولین کو مذہب سے خارج قرار دے دیا۔ یہ اس کے پاس آخری حربہ تھا، مگر اسے گرفتار کر کے جنوآ کے قریب قید کر دیا گیا۔ 1812ء میں اسے پیرس لے گئے۔

روس پر حملہ:

اس اثناء میں روس سے کشمکش پیدا ہو گئی جس کے کئی اسباب تھے، مثلاً:

(1) زار اور نپولین دونوں کی خواہش تھی کہ یورپ کے لیڈر مانے جائیں۔

(2) زار کے دل میں یہ بے اطمینانی پیدا ہو چکی تھی کہ آسٹریا کی شہزادی سے شادی کے باعث نپولین آسٹریا کا زیادہ حامی بن گیا ہے۔

(3) روس برطانیہ کے ساتھ بندش تجارت پر پوری طرح عمل پیرا نہ تھا۔

(4) زار چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ میں جو چاہے کرے، نپولین اس پر راضی نہ ہوا۔

(5) زار کے دل میں شبہ پیدا ہو چکا تھا کہ نپولین پولینڈ کی سابقہ حکومت بحال کرنا چاہتا ہے۔

غرض ان اسباب کی بنا پر لڑائی کی نوبت آ گئی۔ نپولین نے جنگ کی تیاری کر لی۔ آسٹریا نے اس غرض کے لیے تیس ہزار اور پروشیا نے بیس ہزار فوج دی۔ سویڈن نے روس کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ ڈنمارک غیر جانبدار رہا۔ روس نے ترکوں سے صلح کر لی۔ برطانیہ نے بھی روس اور سویڈن سے صلح کا اعلان کر دیا۔

نپولین چار لاکھ بیس ہزار فوج لے کر روانہ ہوا۔ کمکی دستے ملا کر یہ فوج چھ لاکھ کے قریب ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے یورپ میں اتنی بڑی فوج کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ جون 1812ء میں نپولین نے دریائے نیمن کو عبور کر کے ولنا پر قبضہ کر لیا۔ اگست میں سمولنسک تباہ کر دیا گیا۔ بورو ڈینو کی لڑائی میں روسیوں نے شکست کھائی اور فرانسیسی ماسکو پر قابض ہو گئے۔ قبضے کے ساتھ ہی کسی نے شہر کو آگ لگا دی۔ اس سے بڑی تباہی ہوئی۔ نپولین نے صلح کی پیشکش کی، زار نے وہ پیشکش ٹھکرا دی۔ آخر 19 اکتوبر کو نپولین کے لیے واپسی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ واپسی میں برف باری کے باعث فوج بری طرح تباہ ہوئی۔ نپولین فوج کو سپہ سالاروں کے حوالے کر کے 18 دسمبر 1812ء کو پیرس پہنچ گیا۔ چھ لاکھ آدمیوں میں سے صرف ایک لاکھ بچ کر واپس پہنچے۔

اس اثناء میں برطانوی فوج نے حالات سے فائدہ اٹھا کر ہسپانیہ میں پیش قدمی جاری رکھی اور مختلف لڑائیوں میں فرانسیسیوں کو شکست دی۔

نپولین کی عام مخالفت:

ظاہر ہے کہ فوج کی تباہی کے بعد عام ہنگامہ بپا ہونا خلاف امید نہ تھا۔ پروشیا اور روس نے آپس میں اتحاد کر لیا۔ آسٹریا اور برطانیہ کو بھی اس اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ سویڈن اور برطانیہ کے

درمیان بھی معاہدہ ہو گیا۔ 12 اگست 1813ء کو آسٹریا نے بھی فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور برنا دوت جو سویڈن کی ولی عہدی کے لیے نپولین کا ممنون تھا، خود تیس ہزار فوج کے ساتھ میدان جنگ میں اتر آیا۔ 1813ء اور 1814ء میں نپولین نے یورپ کی متحدہ قوت کے خلاف متعدد لڑائیاں کیں، لیکن ان سے صورت حال پر کوئی خوشگوار اثر نہ پڑا۔ ایک طرف روس آسٹریا، پروشیا اور سویڈن کی متحدہ قوت تھی۔ دوسری طرف برطانیہ، ہسپانیہ اور پرتگال برسر پیکار تھے نومبر 1813ء میں اتحادیوں نے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ فرانس، ایلپس اور رہائن کو مشرقی سرحد تسلیم کر لے۔ نپولین نے یہ پیشکش قبول نہ کی تو اتحادیوں نے فرانس پر حملے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہی سے دست برداری:

1814ء میں نپولین نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ اتحادیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ فروری میں پھر اتحادی تیار ہو گئے تھے۔ کہ فرانس 1792ء کی سرحدیں قبول کر لے تو صلح کر لی جائے۔ یہ پیشکش بھی بے نتیجہ رہی۔ آخر 31 مارچ 1814ء کو اتحادی فوجیں پیرس میں داخل ہو گئیں۔ سینٹ نے مشہور فرانسیسی مدبر ٹیلیر اں (Telleyrand) کے زیر اثر اعلان کر دیا کہ نپولین اور اس کے اہل خاندان تاج و تخت فرانس کے لیے ہر حق زائل کر چکے ہیں۔ نپولین نے فیصلہ کر لیا کہ پیرس کو اتحادیوں کے قبضے سے آزاد کرائے، لیکن اس کے سپہ سالار ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ناچار 6 اپریل 1814ء کو نپولین اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اتحادیوں نے یہ دست برداری قبول نہ کی تو اس نے غیر مشروط دست برداری دے دی۔ اتحادیوں نے اسے ایلبا کا جزیرہ رہنے کے لیے دے دیا اور فرانس کی طرف سے بیس لاکھ فرینک سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کی بیوی ماری لوئیس کو تین ریاستیں دے دی گئیں۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ نپولین اور اس کی بیوی کے لیے شہنشاہی کے القاب باقی رہیں گے۔ 4 مئی 1814ء کو نپولین فرانس چھوڑ کر ایلبا پہنچ گیا۔

اتحادیوں کے فیصلے:

نپولین کے جاتے ہی لوئی شانزدہم مقتول شاہ فرانس کے بھائی کو لوئی ہشدہم کے لقب سے فرانس کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ صلح میں فرانس کے لیے 1792ء کی حدیں قائم رکھی گئیں اور اسے وہ علاقے بھی مل گئے جو 1789ء میں اس کے پاس نہ تھے۔ فرانس نے نیدر لینڈز، سوئٹزر لینڈ، جرمن ریاستوں اور اطالوی ریاستوں کی آزادی تسلیم کر لی۔ برطانیہ نے فرانس کی تمام نو آبادیاں واپس کر دیں، صرف تھوڑے سے علاقے باقی رکھے۔ مالٹا بھی برطانیہ ہی کے پاس رہا۔ اتحادیوں نے تاوان چھوڑ دیا۔ فرانس نے غلاموں کی

تجارت موقوف کر دی۔

اس کے بعد ویانا میں ایک بین الاقوامی کانگرس منعقد ہوئی، جس میں یورپ کے باقی مسئلوں کو طے کرنا منظور تھا۔ اس کانگرس میں آسٹریا اور پروشیا کی بادشاہیاں بحال کر دی گئیں۔ نیدرلینڈز کی الگ بادشاہی بنا دی گئی۔ برطانیہ نے تمام ولندیزی نوآبادیاں واپس کر دیں۔ سیلون اور راس امید اپنے پاس رکھے۔ جرمن ریاستوں کا وفاق بن گیا، جس نے "مقدس رومی سلطنت" کی جگہ لے لی۔ پولینڈ کی ریاست زار روس کے حوالے کر دی گئی اور زار کو وہاں کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ ناروے سویڈن کے پاس رہا۔ سوئٹزرلینڈ کو بائیس حلقوں کا ایک آزاد وفاق تسلیم کیا گیا۔ ہسپانیہ اور سارڈینیا کی سابقہ حکومتیں بحال ہو گئیں۔

ایک سو دن کا اقتدار:

ویانا کی کانگرس ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اطلاع ملی، نپولین ایلبا سے واپس آ گیا ہے۔ سرزمین فرانس پر قدم رکھتے ہی قوم اس کے استقبال کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ صرف پندرہ سو آدمی ساتھ لایا تھا اور کان پر اتر تے ہی پیرس کی طرف روانہ ہو گیا۔ جو فوجیں اس کے مقابلے کے لیے بھیجی گئی تھیں، وہ اس کے ساتھ ہو گئیں۔ لوئی ہیو دہم کو پیرس چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ 20 مارچ 1815ء کو نپولین پیرس پہنچ گیا۔ اس کا یہ اقتدار بہت تھوڑی مدت کے لیے تھا اور عام طور پر اسے ایک سو دن کے اقتدار سے تعبیر کیا جاتا ہے (20 مارچ۔29 جون)۔

یہ خبر سنتے ہی آسٹریا، برطانیہ، پروشیا اور روس نے نئے سرے سے اتحاد کر لیا۔ چاروں نے اقرار کیا کہ ہر ایک، ایک لاکھ اسی ہزار فوج مہیا کرے گا۔ تمام یورپی طاقتوں کو اس اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دے دی گئی۔ نپولین کو فوراً جنگ کے لیے تیاری کرنی پڑی۔ وہ 14 جون کو بلجیم اور چارلی رائے (Charleroi) کے مقام پر دشمن کو پہلی شکست دی۔ اسی دن پروشیا کے جرنیل بلوخر (Blucher) نے لگنی (Ligny) کے مقام پر شکست کھائی۔ نپولین کا مشہور جرنیل مارشل نے (Ney) کواترے براس (Quatre Bras) پر قبضہ نہ کر سکا۔ 18 جون کو واٹرلو کے میدان میں آخری مقابلہ پیش آ گیا۔ اپنے ایک سالار کو پروشوی فوج کے روکنے کے لیے متعین کر رکھا تھا۔ پروشوی فوج اس سے بچتی ہوئی ولنگٹن کی مدد کے لیے واٹرلو کے میدان میں پہنچ گئی۔ ساتھ ہی جنگ کا نقشہ بدل گیا اور نپولین کی نمایاں کامیابی شکست میں تبدیل ہو گئی۔

نپولین واٹرلو سے واپس ہوا اور وہ پیرس کے پاس سے ہوتا ہوا فرانس کے مغربی ساحل پر چلا گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح بچ کر امریکہ پہنچ جائے۔ برطانوی بیڑے نے ساحل فرانس کی سخت ناکہ بندی کر رکھی

تھی۔ جب کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو اس نے اپنے آپ کو انگریزی امیر البحر کے حوالے کر دیا جو اسے بیلرافن (Bellerophon) جہاز میں بیٹھا کر برطانیہ لے گیا۔ اتحادیوں نے اسے جزیرہ سینٹ ہیلنا بھیج دیا، جہاں 5 مئی 1821ء کو اس نے وفات پائی۔ 1840ء میں اس کا تابوت سینٹ ہیلنا سے پیرس لایا گیا اور وہاں ایسا عالی شان مقبرہ بنا جیسا یورپ کے کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوا۔

نئی مصالحت اور نئے اتحاد:

7 جولائی کو لوئی ہیژدہم واپس آیا اور 20 نومبر کو دوسرا معاہدہ صلح پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے مطابق فرانس سے کچھ علاقے لے لیے گئے اور اس کے لیے 1790ء کی سرحدیں مقرر ہوئیں۔ مشرقی اور شمالی سرحد پر سترہ قلعوں میں پانچ سال کے لیے اتحادی فوجیں رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ ان کا خرچ فرانس کے ذمے ڈالا گیا۔ ستر کروڑ فرینک بطور تاوانٗ فرانس کے ذمے لگائے گئے اور جو بیش بہا چیزیں نپولین دور فتوحات میں باہر کے ملکوں سے پیرس لے آیا تھا وہ سب واپس لے لی گئیں۔

جنرل میورا نے ابتداء میں اپنی سلطنت کی خاطر نپولین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ نپولین کی دوبارہ آمد پر اس کی حمایت کا اعلان کر دیا تو آسٹروی فوجوں نے اسے شکست دی اور نیپلز پر قبضہ کر لیا۔ میورا بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ اس اثناء میں نپولین شکست کھا چکا تھا۔ میورا نے آگا دیکھا نہ پیچھا نیپلز پر حملہ کر دیا، لیکن وہ پکڑا گیا اور اسے گولی سے اڑا دیا گیا۔

ستمبر 1815ء میں زار نے ایک خاص دستاویز تیار کی تھی جس کا مفاد یہ تھا کہ تمام حکمران اپنی رعایا کے تعلق میں مسیحی اصول پر کاربند رہیں۔ اسے "مقدس اتحاد" کا نام دیا گیا۔ آخر میں برطانیہ، آسٹریا، پروشیا، اور روس کے درمیان ایک اتحاد ہو گیا، جسے "اتحاد چہار گانہ" کہا جاتا ہے۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ اگر پیرس کے معاہدے کی خلاف ورزی کی جائے تو چاروں میں سے ہر ایک طاقت ساٹھ ہزار فوج فراہم کرے اور متحدہ افواج ہو خلاف ورزی کی تلافی کرائیں۔

اس سلسلے میں بار بار کانگرسوں کے اجلاس ہوئے جو 1822ء تک جاری رہے، لیکن کوئی ایسا مستقل نظام نہ بن سکا جو بین الاقوامی حیثیت سے صلح و امن کی ذمہ داری اٹھا لیتا۔